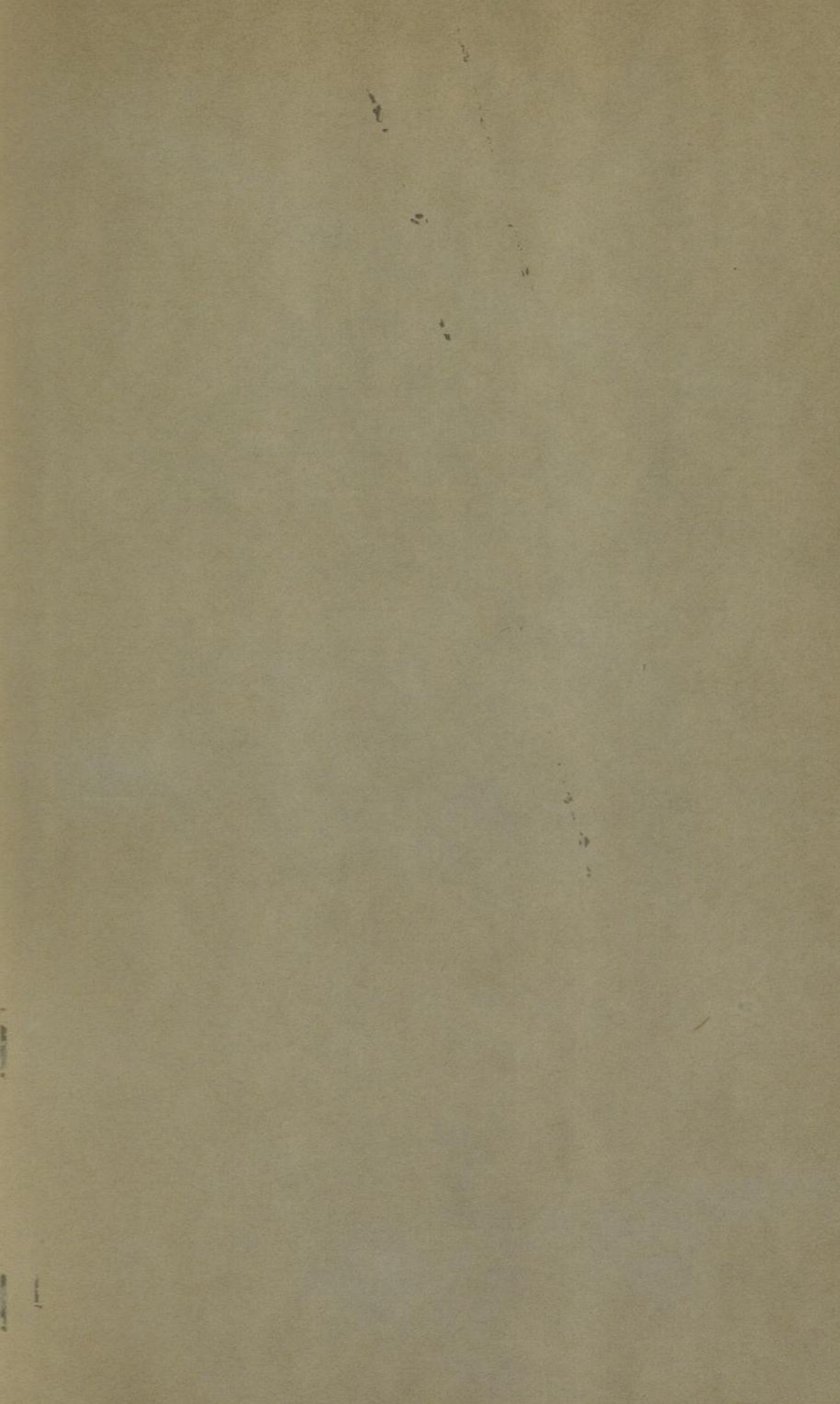


اپنے رب کی
راہ کی طرف بلاؤ پکی تدبیر اور اچھی نصیحت سے

عزفانی تفسیری

رومی بسککیش

۳۸ اردو بازار ————— لاہور ۲



عَنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ
 رَأَى بِالْحِكْمَةِ وَالْإِيمَانِ
 اِنے رب کی
 راہ کی طرف بلاؤ کی تدبیر اور اچھی نصیحت سے

عرفانی تفسیریں

تتمة علماء الحاج عبد المصطفى عظمیٰ مجددی مدظلہ

رومی سبکی شہنشاہ

۳۸ اردو بازار — لاہور ۲



نام کتاب _____ عرفانی تقریریں
مصنف _____ علامہ عبدالمصطفیٰ اعظمی مجددی مدظلہ
محرک _____ سید اعجاز احمد
صح _____ محمد مختار حق عالم
کتابت _____ محمد نعیم خوشنویس - حضرت کیا نوالہ
ناشر _____ رومی پبلیکیشنز - لاہور
مطبع _____ عالمین پرنٹرز - لاہور
قیمت _____ RC 241-00



TECHNICAL SUPPORT BY
CHUGHTAI
PUBLIC LIBRARY

واحد تقسیم کار

فرید بک ٹرال
۴۰ اردو
لاہور بازار

فہرست

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۴۴	حضرت آدم کا وسیلہ	۹	سورہ فاتحہ کی تجلیاں
۴۵	دعائے خلیل اللہ	۱۱	سورہ فاتحہ کی خصوصیات
۴۵	لحمن داؤدی کا نعمہ	۱۲	الحمد للہ
۴۶	حضرت ایمان کا فرمان	۱۷	رب العالمین
۴۷	حضرت عیسیٰ کی بشارت	۱۸	رحمن الرحیم
۴۷	بنی اسرائیل کی ذیاد	۱۹	روز جزا کا مالک
۴۸	نام محمد کا بوسہ	۲۱	لطیفہ
۵۰	لطیفہ	۲۳	عبادت کیا ہے؟
۵۳	حضرت عیسیٰ قرآن کے آئینے میں	۲۶	ایک نوک جھونک (لطیفہ)
۵۷	شان نزول	۲۷	استعانت
۶۱	حق و باطل کا آخری فیصلہ	۳۱	صراطِ مستقیم
۶۲	لطیفہ	۳۱	تین راستے
۶۸	پنجتن پاک	۳۲	صراطِ مستقیم کون ہے؟
۶۹	ایک وجد آفرین نکتہ	۳۳	معمولات اہل سنت
۷۳	اسبابِ نزول	۳۵	روزِ انزل کے دوا جلاں
۷۶	کچھ بھی نہیں	۳۷	جلبہ توحید
۷۶	سر کے بال پاؤں سے	۳۹	جلبہ سیرت
۸۰	خیر الامم	۴۳	دونوں جلسوں کا فرق

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۱۱۶	مسلمان اور امتحان	۸۲	ایک نگرینہ مفکر کا جواب
۱۱۷	سورہ یوں اور ایک کچا بچہ	۸۳	ایک ابنے کی بات
۱۱۹	مومنین و منافقین کا انجام	۸۴	امر بالمعروف
۱۲۱	ایک جوتا۔ ایک پاؤں	۸۶	امر بالمعروف بستر موت پر
۱۲۲	آخ تھو۔ آخ تھو	۸۷	ہنی عن المنکر
۱۲۴	<u>صحبت بد سے بچو</u>	۸۸	ایک عجیب کلامت
۱۲۸	تکفیر	۸۹	واعظ کی شان
۱۲۸	لفظ کافر گالی نہیں ہے	۹۱	تھوک کا روپیہ (لطیفہ)
۱۲۹	شانِ نزول	۹۴	میں نے قبول کیا
۱۳۲	ترجمہ آیات	۹۸	<u>جنگ تبوک اور تین صحابہ</u>
۱۳۳	عداوت کفار کی بنیاد	۱۰۰	جنگ تبوک
۱۳۵	کفار کی فطرت	۱۰۰	اسلامی شکر کی مشکلات
۱۳۷	لطیفہ	۱۰۲	تین صادق الایمان
۱۳۹	تین دوست۔ تین دشمن	۱۰۲	حضرت کعب کا بیان
۱۴۱	موالاة و معاملات	۱۰۳	فرمان شامی تنور میں
۱۴۴	<u>منافقین بے نقاب</u>	۱۰۵	دل کا کاٹا
۱۴۶	ایمان کے خلاف شیطانی پلان	۱۰۵	توبہ قبول
۱۴۹	کفار کا آخری حربہ	۱۰۸	ترجمہ آیات
۱۵۲	منافقین بے نقاب	۱۰۹	پہلا نکتہ
۱۵۴	عداوت رسول چھپ نہیں سکتی	۱۱۱	دوسرا نکتہ
۱۵۴	بھوپالی مولوی کی درگت	۱۱۲	غزائے امت کے شاہکار
۱۵۶	ایک اجیری مولوی کی مرمت	۱۱۵	تیسرا نکتہ

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۱۷۲	<u>عید میلاد</u>	۱۵۷	ایک مثال
۱۷۳	میلاد میں رسول کی آمد	۱۵۸	<u>وجاہت کلیم اللہ</u>
۱۷۸	بشارت	۱۵۹	شان نزول
۱۷۹	عید میلاد پر خوشی منانا	۱۶۰	بنی اسرائیل کا نسل برہنہ
۱۷۹	خوشی منانے کے طریقے	۱۶۱	ایک تاریخی پتھر
۱۸۱	شب قدر	۱۶۲	پتھروں کے کارنامے
۱۸۲	دربار رسول میں چنے	۱۶۳	مقام ابراہیم
۱۸۳	<u>حج و زیارت</u>	۱۶۳	ابو جہل کی کنکریاں
۱۸۷	حج و زیارت کیا ہے؟	۱۶۴	کوہ احد
۱۸۸	آداب حرمین	۱۶۴	جبر اسود
۱۸۹	مکہ میں مست مینہ میں ہوشیار	۱۶۷	رسول اللہ کو ایذا دینے والے ملعون
۱۹۶	حج میں انبیاء اور فرشتے	۱۶۷	ایک نکتہ
۱۹۷	امام مالک کا ادب	۱۶۸	وجہ
۱۹۹	دعا	۱۷۰	عمارت اسلام کی تین منزلیں



انتساب ایصالِ ثواب

میں اپنی اس تالیف کو حضرت امام ربانیؒ

مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

کے نام نامی سے منسوب کرتے ہوئے اس کتاب

کے ذریعے آپ نیز آپ کے تمام مشائخ و خلفائے

سلاسل اربعہ قادریہ، نقشبندیہ، وچشتیہ، و مہروردیہ

رحمہم اللہ کی ارواح طیبہ کو ایصالِ ثواب کرتا ہوں،

ناظرین کرام بھی فاتحہ پڑھ کر اس کتاب کا مطالعہ

فرمائیں۔ خیر و برکت پائیں گے!

فاکپائے اولیاء

عبدالمصطفیٰ الاعظمی عفی عنہ

ایک نظر ادھر بھی

اثر کرے نہ کرے، سُن تو لے میری فریاد
نہیں ہے داد کا طالب — یہ بندہ آزاد

ناظرین کرام! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
الحمد للہ! کہ ایمانی تقریریں "کاپا پنچواں حصہ" عرفانی تقریریں بھی طبع ہو کر آپ کے
پیش نظر ہے۔ یہ میری خاص خاص اور نئی نئی دس تقریروں کا مجموعہ ہے۔ اس سے قبل آپ
ایمانی تقریریں میں سات وعظ، "تورانی تقریریں" میں سات وعظ و خطباتی تقریریں
میں چھ وعظ، "قرآنی تقریریں" میں دس وعظ، میری تین تقریریں پڑھ چکے ہیں۔ اب یہ دس
ملا کر مختلف عنوانوں پر کل چھوٹی بڑی چالیس تقریریں ہو چکیں۔ جو پانچ جلدوں میں تقریباً سترہ
سو سے زائد صفحات پر پھیلی ہوئی ہیں زیر نظر مجموعہ "عرفانی تقریریں" سلسلہ مواعظ کی آخری
کڑی ہے۔ اب اس کے بعد مزید تقریریں لکھنے کا ارادہ نہیں ہے!
کیونکہ دوسرے مختلف موضوعات پر بہت سے اہم مضامین دل و دماغ کے قید خانہ سے
نکل کر صفحہ قرطاس پر آنے کے لئے بے قرار ہیں۔ جن کو کتابی صورت میں برادرانِ اہلسنت کی خدمت
میں پیش کر دینا انتہائی ضروری خیال کرتا ہوں!
اگرچہ مشاغل درس کی وجہ سے عدیم الفرستی کے ساتھ ساتھ اپنی ضعیفی اور گرتی ہوئی صحت
کو دیکھ کر دل دھڑکتا ہے کہ

تھوڑی باقی رہ گئی پیارے! تھوڑا رہ گیا تیل!

ویک بچنے والا ہے۔ اب کیسے ہو گا کھیل؟

مگر خداوند کریم کے فضل پر بھروسہ ہے۔ اس لئے ناظرین کرام سے طمّتی، ہوں کہ اخلاص
قلب کے ساتھ میرے حق میں دُعا فرمائیں کہ جن تصنیفات کا خاکہ میں نے اپنے ذہن میں بنا رکھا

ہے۔ مولیٰ تعالیٰ مجھے ان کی تکمیل کی اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے طفیل میں توفیق عطا فرمائے (آمین) وَمَا ذَلِكُمْ عَلَى اللَّهِ بِعَزِيزٍ ذُو جَوَابٍ وَنَعُوذُ بِالرَّكِيْلِ ۝

آخر میں میں نے تمام کرم فرما جواب، اور جو صلہ افزائی فرماتے والے مخلص قدردانوں کی کہ یہ نہ غنائتوں کا شکر یہ ادا کرتے ہوئے سب کی دعاؤں کا طالب، اور سب کے لئے دعا گو ہوں۔ بالخصوص تلمیذ با تمیز، محی العزیز النبی فی اللہ مولوی محمد نعیم اللہ صاحب مجددی ساکن پنونہ۔ پوسٹ پہنتی پور۔ ضلع فیض آباد کے لئے جذبہ شکر کے ساتھ دعا گو ہوں جنہوں نے میری تصنیفات کی طباعت و اشاعت میں اتنی گراں قدر خدمات انجام دی ہیں کہ میں تزیست ان کے بار منت سے سبکدوش نہیں ہو سکتا۔ جزاءہ اللہ تعالیٰ فی الدارین احسن الجزاء مولیٰ عزوجل میری ان حقیر قلمی خدمات کو اپنے فضل و کرم سے مقبول فرمائے۔ اور ان اوراق کو قبول فی الارض کی کرامتوں سے سرفراز فرما کرامت مسلمہ کے لیے ذریعہ ہدایت، اور مجھ ناپیڑ کے لئے سرمایہ آخرت بنائے آمین۔

مرے فکر و احساس کو بگمگادے۔ ستاروں کو تابندگی دینے والے
مرے دل کو بھی نور ایماں سے بھر دے۔ مہر کو روشنی دینے والے
مرامقصد زندگی بھی حسیں ہو! گل و غنچہ کو تازگی دینے والے
غلانی سے باطل کی مجھ کو بچانا پہاڑوں کو شان خودی دینے والے

طلبکار ہوں میں تری ہی رضا کا
الم دینے والے۔ خوشی دینے والے

آمین بجاہ النبی الامین علیہ وعلیٰ الہ وصحبہ افضل الصلوٰۃ
والتسلیم برحمتہ وھو ارحم الراحمین ۝ والحمد للہ رب
الغلیبین ۝

عبدالمصطفیٰ الاعظمی عفی عنہ

مدرسہ منظر حق۔ ٹانڈہ۔ ضلع فیض آباد

۳۰ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۴ھ

ایک سو سو و غط

سورہ فاتحہ کی تجلیاں

اے خداوندِ جہاں ربِ کریم
ہم چلیں راہِ "صراطِ مستقیم"



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي بَنَى الْقُرْآنَ بِسُورَةِ الْفَاتِحَةِ وَالصَّلَاةِ
وَالسَّلَامِ عَلَى مَنْ أُرْسِلَ بِالْحُجَّةِ الْوَاضِحَةِ وَنَحْنُ إِلَيْهِ
وَأَصْحَابِهِ الَّذِينَ فَانَرُوا بِحُسْنِ الْخَاتَمَةِ وَالْأَعْمَالِ الصَّالِحَةِ
أَمَّا بَعْدُ فَقَدْ قَالَ اللَّهُ تَعَالَى فِي كِتَابِهِ الْعَظِيمِ

أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ مُلِكِ يَوْمِ
الدِّينِ إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ اهْدِنَا الصِّرَاطَ
الْمُسْتَقِيمَ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ
عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ

حضرات گرامی اور دوسلام کے نورانی نعرہ سے جلسہ کو پروار بنائیے اور آواز بلند پڑھیے

اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ صَلَوةً وَسَلَامًا عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ -

حمد کے لائق ہے یارب تیری ذات
تو ہے خالق اور رب کائنات
سب کا مالک اور رحمن و رحیم
کتنی پیاری میں تیری ہر اک صفات
ہم چلیں ماہِ صراطِ مستقیم
بے دعا میری یہ دن بھر ساری رات
جن پہ ہے انعام تیرا اے خدا!
راہ پر ان کی چلیں ہم تاحیات
اور جو معذوب ہیں، گمراہ ہیں
ان سے ہم کو دور رکھ اور دے نجات

محترم حاضریں میری آج کی تقریر کا عنوان، اور گفتگو کا موضوع سورہ فاتحہ کا ترجمہ اور اس کی مختصر تفسیر ہے مجھے امید ہے کہ آپ صاحبان نہایت سکون و اطمینان کے ساتھ اس سورہ مقدسہ کے مضامین کو جذبِ یقین کے ساتھ سُن کر ذہن نشین کریں گے اور کامل حسنِ اعتقاد اور مکمل جوشِ ایمان کے ساتھ ان پر عمل کی کوشش بھی کریں گے یاد رکھئے! کہ جس طرح علم بغیر عمل کے اتنا ہی بیکار ہے جتنا درخت بغیر پھل کے ٹھیک اسی طرح کوئی عمل بغیر پختہ عقائد اور ایمان کامل کے لا حاصل ہے نور اور غیر مقبول ہے بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ عمل کی کارٹی اس وقت تک چل ہی نہیں سکتی جب تک کہ جوشِ اعتقاد اور جذبہ ایمان کا انجن اس کو کھینچ کر نہ لے جائے کسی نے کیا خوب کہا ہے کہ ہے

”حرف“ اس قوم کا بے سوز ”عمل“ زار و زبوں ہو گیا پختہ عقائد سے نہیں جس کا ضمیر
اسی لئے میں نے عرض کیا کہ جو کچھ بھی سنیے جوشِ اعتقاد اور جذبہ ایمان کے
کان سے سنیے پھر اُمید ہے کہ ان شاء اللہ تعالیٰ اعتقاد و ایمان کی بے پناہ کشش آپ
کو کھینچ کر عمل کی شاہراہ پر بھی گامزن کر دے گی۔ اور آپ ایمان و عمل کی دولتوں سے
مالا مال ہو کر خداوندِ بزرگ و دلائلِ ال کے دربار میں حقیقی وصال کی نعمتِ لازوال سے
اتنے صاحبِ کمال ہو جائیں گے کہ آپ کے جاہ و جلال کی توانائیوں کا خیال کر کے تمام
دنیا زبانِ حال سے پکار اٹھے گی کہ ہے

خدا پناہ میں رکھے جلالِ مومن سے نگاہ بدلی کہ عالم میں انقلاب ہوا

حضرات! ایمان و عمل کی یہی وہ روحانی توانائیاں ہیں جن کے آگے بڑے بڑے نمودوں اور فرعونوں کی طاغوتی طاقتیں بھی سرنگوں ہو کر یہ کہنے پر مجبور ہو جاتی ہیں کہ سے کوئی اندازہ کر سکتا ہے؛ اس کے زورِ بازو کا

نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں
خداوندِ کریم ہمیں اور آپ کو پختہ عقائد، ایمانِ کامل، اور عملِ صالح، کی ناقابلِ تسخیر طاقتیں عطا فرمائے کیونکہ یہی وہ روحانی طاقتیں ہیں جو ایک مومن کا سب سے بڑا اور قابلِ اعتماد ہتھیار ہیں۔

یقینِ محکم، عملِ پیہم، محبتِ فاتحِ عالم
جمادِ زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں
بہر حال مجھے یہ عرض کرنا ہے کہ آپ جو کچھ بھی سینے، ایمان و اعتقاد کے ساتھ گوشِ ہوش سے سنیے۔ خداوندِ قدوس ہمیں اور آپ کو عمل کی بھی توفیق عطا فرمائے (آمین)
حضرات! میں نے عرض کیا کہ میں آج کے اجلاس میں سورۃ فاتحہ کا ترجمہ، اور اس کی مختصر تفسیر آپ کے سامنے پیش کروں گا۔ سبحان اللہ! میں سورۃ فاتحہ کی شان کس زبان سے بیان کروں؛ کہاں سورۃ فاتحہ کی شان؛ اور کہاں میں اور میری زبان؛
بمیرے بزرگوں اور بھائیوں! یوں تو قرآن مجید کی چھوٹی بڑی ایک سو چودہ سورتیں ہیں مگر سورۃ فاتحہ ان تمام سورتوں میں اپنی بعض شاندار خصوصیات کے لحاظ سے بحیرہٴ اہم بہت ہی با عظمت اور نہایت ہی ممتاز سورہ ہے!

سورۃ فاتحہ کی خصوصیات! مثال کے طور پر اس سورہ کی ایک نہایت ہی خاص خصوصیت، اور بہت ہی امتیازی شان یہ ہے

کہ اس سورہ مبارکہ کے بائیس نام ہیں (تفسیر روح المعانی ج ۳۵) یہ اس سورہ کی ایک ایسی بے مثال خصوصیت ہے کہ قرآن کی کسی دوسری سورہ کو یہ امتیازی شرف حاصل نہیں ہوا ہے۔ اور آپ جانتے ہیں کہ دنیا بھر کا یہ ایک مسلم الشبوت مقولہ ہے کہ "کثرة الاستحباب تدلُّ علی شرف المسبب" یعنی کسی چیز کے ناموں کی تعداد کا بہت زیادہ

ہونا یہ اس بات کی دلیل ہوا کرتا ہے کہ یقیناً وہ چیز عظمت و شرافت میں اپنا ایک خاص مقام رکھتی ہے۔ مثلاً آپ دیکھ لیجئے کہ ”آم“ اور ”امرد“ دونوں ہی ہندوستان کے مشہور پھل ہیں۔ مگر ”آم“ کے ناموں کی تعداد خدا کی پناہ! لنگڑہ بمبئی، وسہری، فخری، چونسہ، سفیدہ گلاب خاص، شاہ پسند، وغیرہ پچاسوں نام ہیں مگر امرد غریب کا بس ایک ہی نام ہے چھوٹا ہو یا بڑا، کھٹا ہو یا میٹھا، بکھٹا ہو یا کسیلا، احمد آباد کا ہو یا الہ آباد کا سب ”امرد“ ہی کہلائے گا۔ دوسرا کوئی نام ہی نہیں کیوں؟ اس لئے کہ ہندوستانی پھلوں میں لذت و لطافت کے لحاظ سے ”آم“ تمام پھلوں کا یاد شاہ بلکہ شہنشاہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عزت و شہرت کے میدان میں ”امرد“ ”آم“ کی گرد کو بھی نہیں پاسکتا! بس اسی طرح سچے لیجئے کہ سورہ فاتحہ کے ناموں کا اس قدر کثیر ہونا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ قرآن کی تمام سورتوں میں بعض خصوصیات کے اعتبار سے سورہ فاتحہ کی عظمت شان کا جھنڈا بہت ہی بلند و بالا اور بڑا ہی عظمت والا ہے۔

حضرات! اسی طرح سورہ فاتحہ کی ایک خاص الخاص ممتاز خصوصیت یہ بھی ہے کہ قرآن کی تمام سورتوں میں تو ایک ایک بار نازل ہوئی۔ مگر سورہ فاتحہ کو خداوند عالم نے دو مرتبہ نازل فرمایا۔ ایک مرتبہ تو یہ مقدس سورہ اس وقت نازل ہوئی جب مکہ مکرمہ میں نماز فرض کی گئی اور ایک مرتبہ تحویل قبلہ کے وقت مدینہ منورہ میں اس کا نزول ہوا چنانچہ اسی لئے اس کے ناموں میں سے ایک نام ”سبع مثانی“ بھی ہے۔ یعنی یہ وہ سات آیتیں ہیں جو دو مرتبہ نازل کی گئی ہیں۔ ”تفسیر اکیل“ میں لکھا ہے کہ ”لَا تَهَاجَرُوا مَعْرَکَتَیْہِ“ یعنی سورہ فاتحہ کو ”سبع مثانی“ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ اس میں سات آیتیں ہیں اور یہ سورہ دو مرتبہ نازل ہوئی ہے!

حضرات! یوں ہی اس سورہ کی ایک نادر الوجود خصوصیت، اور ممتاز حیثیت یہ بھی ہے کہ اس کا ایک نام ”اُمُّ الْقُرْآن“ ہے۔ جس کے معنی ہیں ”قرآن کی اصل“ یعنی ”جڑ“ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح پورا درخت جڑ سے نکلتا ہے۔ اسی طرح قرآن مجید کے پورے جلالی و جمالی مضامین اس سورہ میں اجمالی طور پر جمع ہیں اور خداوند عالم کے

وہ تمام فرامین و احکام جو اس کے کلام قرآن مقدس کے وسیع دامن میں پھیلے ہوئے
 ہیں۔ اس سورہ نے اجمالی حیثیت سے ان سب کو اپنے ننھے سے حسین دامن میں
 سمیٹ لیا ہے!

حضراتِ گرامی! قرآن مجید کے مضامین کی فہرست بہت ہی طویل ہے۔ مثلاً خدا کی
 حمد و ثناء، اس کی توحید، ربوبیت، رحمت، مالکیت، استحقاقِ عبادت، بندوں کی ہدایت
 اختصاصِ عبادت، استعانت، طلبِ ہدایت، صالحین کی موافقت، گمراہوں سے
 نفرت۔ رسالت، قیامت، توجہ الی اللہ، سزا و جزا، وغیرہ لیکن اگر آپ مبصرانہ نگاہ سے
 سورہ فاتحہ پر ایک نظر ڈالیں گے۔ تو قرآن کے یہ تمام مضامین سورہ فاتحہ میں اس طرح
 سمٹے ہوئے ملیں گے۔ جس طرح گلاب کے پھول میں رنگ، خوشبو، نزاکت، لطافت، ترمی
 شوخی، تازگی، دل کشی، ٹھنڈک، رونق، خاصیتِ رچی بسی ہوئی ہے۔ یا جس طرح ایک
 بیج کے اندر پورا درخت، اس کی جڑ، تناء، شاخ، کلی، پھول پھل وغیرہ سب کچھ سمٹا سمٹایا
 ہوا رہتا ہے کہ پورا درخت اسی بیج میں سے نکلتا ہے اور اپنی ٹر بھر بڑھتا، اور پھولتا
 رہتا ہے!

برادرانِ ملت! سورہ فاتحہ جیسی مختصر سی سورہ میں خداوند کریم پورے قرآن
 کے چمکتے ہوئے مضامین کو جمع فرما دے۔ یہ اس کی قدرت سے کچھ بعید نہیں ہے
 مجھے اس موقع پر عربی کا ایک شعر یاد آگیا۔ کیا خوب کہا ہے کسی نے کہ

وَكَيْسَ عَلَى اللَّهِ بِمُسْتَنْكَرٍ !

أَنْ يَجْمَعَ الْعَالَمَ فِي الْوَاحِدِ

یعنی خدا کی قدرت کے لئے یہ کوئی دشوار، اور قابلِ انکار بات نہیں ہے کہ وہ

سارے عالم کو ایک ہی شخص کی ذات کے اندر جمع فرما دے۔ یہ خداوندِ عالم کی قدرت
 کاملہ اور اس کی حکمتِ باریک بینی اور اس کے فضلِ عظیم کی تجلی ہے کہ جس طرح اس نے
 تمام انسانوں کو یکساں نہیں بنایا۔ تمام فرشتوں کو ایک درجہ نہیں عطا فرمایا۔ تمام نبیوں اور
 رسولوں کو درجات و مراتب میں ایک ہی جیسا نہیں رکھا۔ بلکہ بعض کو بعض پر فضیلت دی۔

اور ایک کو دوسرے سے افضل و اعلیٰ بنایا۔ اسی طرح پورا قرآن اگرچہ اُسی کا کلام ہے۔
 اور پورے قرآن کی سورتیں اسی کی نازل فرمودہ ہیں۔ مگر یہ اس کے فضلِ عظیم کا ایک جلوہ
 ہے کہ سورہ فاتحہ کو اس نے بعض حیثیتوں سے ایک "سو تیرہ سورتوں پر ایک قسم کی
 فضیلت عطا فرمادی ہے۔ سبحان اللہ! خدا کی قدرتِ کاملہ اور اس کے فضل و کرم کے جلووں
 کا کیا کہنا؟ کسی نے کیا خوب کہا ہے کہ

تُو اگر چاہے تو اک ذرّے کو صحر اکردے
 اور اک قطرہ بے مایہ کو دریا کردے
 ادنیٰ سا کرشمہ ہے یہ قدرت کاتری
 "کن" کہہ کے تو کونین کو پیدا کردے

سبحان اللہ۔ سبحان اللہ! پڑھیے یہ آواز بلند درود شریف۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ
 وَبَارِكْ عَلَى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَصَحْبِهِ أَجْمَعِينَ
 صَلَوةً وَسَلَامًا عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ۔
 حضرات محترم! اس سورہ مبارکہ کے فضائل و مناقب میں چند حدیثیں بھی وارد ہوئی
 ہیں لیکن اگر میں ان کو بیان کروں تو اخلاقت گزر جائے گا کہ سورہ فاتحہ کا ترجمہ اور تفسیر
 جو اصل مقصد ہے وہی فوت ہو جائے گا۔ اس لیے اب میں یہی مناسب سمجھتا ہوں
 کہ بغیر کسی تمہید کے اس سورہ کی ایک ایک آیت کا ترجمہ اور مختصر تفسیر آپ کو سنادوں لہذا
 سنیے۔ اور بغور سنیے۔ خداوند کریم اس سورہ کے آوار سے ہمیں اور آپ کو ہدایت پر
 استقامت کی روشنی عطا فرمائے (آمین)

حضرات گرامی! رب العزت جل جلالہ اپنے بندوں کو اپنی حمد و ثنا کا طریقہ تعلیم فرماتے
 ہوئے ارشاد فرماتا ہے کہ اے میرے بندو! تم میری بارگاہِ عظمت میں میری حمد و ثنا
 کا اندازہ اس طرح پیش کرو کہ اپنے دلوں کی گہرائیوں میں اعتقاد و یقین کا چراغ روشن کر کے
 ادب و احترام کی زبان سے یہ کہو کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ
 الحمد للہ! یعنی تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جو سارے جہانوں کا پالنے

والا ہے۔ اللہ اکبر جل جلالہ۔

حضرات! آپ نے اس آیت کا ترجمہ سن لیا۔ اب یہ سمجھئے کہ اس کا مطلب کیا ہے؟
 سنئے۔ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ تم دونوں جہاں میں جس کسی کی بھی تعریف کرو اور چھوٹی
 سے چھوٹی، بڑی سے بڑی ہو تعریف بھی کرو وہ حقیقت میں خداوند عالم ہی کی تعریف ہوگی
 کیوں؟ اس لئے کہ تمام عالم کائنات اور ان کے تمام کمالات کا خالق و مالک اللہ تعالیٰ
 ہی ہے۔ عزیزانِ ملت! تم اس کو یوں سمجھو کہ تم میری اس پھڑی کی جتنی بھی تعریف کرو گے
 وہ سب تعریف درحقیقت اُس بڑھئی کی ہوگی۔ جس نے اس پھڑی کو اتنی حسین و خوبصورت
 بنایا ہے۔ کیونکہ وہ بڑھئی اگر اس پھڑی کو نہ بناتا۔ تو نہ یہ پھڑی ہوتی۔ نہ اس کی تعریف۔
 اسی طرح اس بڑھئی کے کمالِ کاریگری کی تم جتنی بھی تعریف کرو گے وہ حقیقت میں پروردگار
 عالم کی تعریف ہوگی۔ جس نے اس بڑھئی کو پیدا فرمایا۔ اور اس کو کاریگری کا ہنر اور فن کا
 کمال بخشا۔ کیونکہ اگر خلاق عالم اس بڑھئی کو پیدا ہی نہ فرماتا تو نہ بڑھئی ہوتا۔ نہ اس کا کمال
 ہوتا۔ نہ اس کی تعریف ہوتی اسی طرح تم سمجھ لو کہ تم جس مخلوق کی بھی تعریف کرو گے۔ وہ حقیقت
 میں اس کے خالق ہی کی تعریف ہوگی اور چونکہ سارے عالم کا خالق اور بنانے والا اللہ
 تعالیٰ ہی ہے۔ اس لئے ثابت ہو گیا کہ تمام تعریفیں اللہ عزوجل ہی کے لئے ہیں اور ہر
 حمد و ثنا کا حقیقی حقدار وہی پروردگار ہے جو سارے عالم کائنات کا خالق کردگار ہے چنانچہ
 خود اس کا کلام پُر انوار ہے کہ۔

اللَّهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ
 الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ
 یعنی ہر چیز کا پیدا کرنے والا اللہ ہے
 جو اپنی ذات و صفات میں یکتا اور بڑے
 غلبہ والا ہے۔

حضرت علامہ بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی مضمون کو بیان فرماتے ہوئے اپنی
 تفسیر میں کتنی نفیس بات تحریر فرمائی ہے وہ فرماتے ہیں کہ

إِذَا الْحَمْدُ فِي الْحَقِيقَةِ
 كُلُّهُ لَهُ إِذْ مَا مِنْ خَيْرٍ إِلَّا وَهُوَ
 یعنی تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں۔
 کیوں اور کس طرح ہیں؟ تو اس کی دلیل دیتے

مَوْلِيَّهِ بَوَسِطٍ اَوْ غَيْرِ وَسِطٍ۔

ہوئے علامہ بیضاوی فرماتے ہیں کہ اسے

کہ حقیقت میں ہر ایک تعریف اللہ تعالیٰ ہی

(تفسیر بیضاوی ص ۷)

کے لیے ہے کیونکہ ہر خیر اور ہر خوبی کا عطا

فرمانے والا تو وہی ہے خواہ وہ کسی کے

واسطے اور کسی کے ذریعے سے عطا فرمائے۔ یا بلا ذرائع اور واسطہ

غایت فرمائے۔

بہر حال ہر خوبی والے، اور ہر خیر و خوبی کا پیدا فرمانے والا، اور عطا فرمانے والا جب

وہی ہے تو دنیا و آخرت میں جہاں کہیں بھی، اور جس کی بھی، اور جو تعریف بھی کی جائے گی۔

وہ سب تعریفیں خدا ہی کی ہوں گی۔ اس لیے ہر صاحب بصیرت کو سورج کی روشنی سے

کروڑوں درجے زیادہ، اس روشن حقیقت کا یقین و اذعان ہے۔ اور ہر مومن کا اس پر

ایمان ہے کہ الحمد للہ یعنی تمام تعریفیں حقیقت میں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں۔ اور ہر

حمد و ثنا کا حقیقی مستحق وہی وحدہ لا شریک لنا ہے جو سب کا خالق، سب کا

مالک ہے!

حضرات محترم! اب ذرا قرآن عظیم کی فصاحت و بلاغت کا ایک جلوہ، اور قرآن کے

مقدس الفاظ کی جامعیت کی ایک بھلک بھی دیکھ لیجئے الحمد للہ " ایک مختصر سا جملہ

ہے۔ مگر اللہ اکبر! اس مختصر جملے کے دامن میں کتنے مسائل ستاروں کی طرح چمک رہے

ہیں۔ ذرا غور فرمائیے۔ اس جملہ سے اتنے مسائل تو اس طرح واضح ہو کر نظر کے سامنے آتے

ہیں۔ جیسے اونپکے اونپکے پہاڑ دکھائی پڑتے ہیں کہ اللہ موجود ہے۔ اللہ زندہ ہے۔

وہ قدرت والا ہے۔ وہ ارادہ والا ہے۔ وہ علم والا ہے۔ وہ سننے والا ہے۔ وہ

دیکھنے والا ہے۔ حضرت علامہ بیضاوی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ اِذَا الْحَمْدُ لَا يَسْتَحِقُّ

اِلَّا مَنْ كَانَ هَذَا شَأْنًا۔ (بیضاوی ص ۶) یعنی اس

الحمد اللہ کے جملے سے اتنے مسائل اس لیے ثابت ہو رہے ہیں کہ حمد کا حقدار

وہی ہو سکتا ہے جس کی یہ شان ہو، سبحان اللہ قرآن کی بلاغت کے قربان جائیے۔

کہ اس ایک مختصر جملے سے خدا کی ذات و صفات کے پورے مسائل کا اثبات ہو جاتا ہے۔
 اللہ اکبر کیوں نہ ہو؟ کہ قرآن کا ہر ہر لفظ "جوامع الکلم" کے جلووں کا آئینہ دار ہے یعنی اس
 کے ہر ہر لفظ میں معنوں کے خزانے بھرے ہوئے ہیں۔ مثل مشہور ہے کہ کَلَامُ
 الْمَلِكِ مُلْكُ الْكَلَامِ یعنی بادشاہوں کا کلام، کلاموں کا بادشاہ ہو ا کرتا ہے۔ قرآن مجید
 اس کا کلام ہے جو تمام بادشاہوں کا بادشاہ، اور تمام شہنشاہوں کا شہنشاہ بلکہ تمام بادشاہوں
 اور تمام شہنشاہوں کا خالق و مالک ہے۔ تو پھر احکم الحاکمین کے کلام کی عظمت میں کس
 کو کلام ہو سکتا ہے؟

رَبِّ الْعَالَمِينَ | حضرات گرامی! اب آئیے ذرا "رب العالمین" کے لفظ پر

بھی ایک نظر ڈالتے چلیے۔ خداوند قدوس نے اپنے
 نام پاک کے بعد اپنی ایک صفت کا ذکر فرمایا۔ اور ارشاد فرمایا کہ وہ اللہ جس کے لیے تمام
 تعریفیں ثابت ہیں۔ وہ "رب العالمین"، یعنی سارے جہان کا پرورش فرمانے والا، اور
 سب کو پالتے والا ہے۔ حضرات! خدا کی اس صفت سے پتا چلتا ہے کہ خدا جس طرح
 تمام جہان کا خالق ہے۔ اسی طرح وہ تمام جہان کا روزی رساں، اور پالتے والا بھی ہے
 اور جس طرح خدا اگر عالم کو نہ پیدا فرماتا تو عالم موجود ہی نہیں ہوتا۔ اسی طرح اگر خدا عالم کی
 پرورش نہ فرماتا تو عالم باقی نہیں رہ سکتا تھا۔ لہذا اس سے ثابت ہو گیا کہ سارا عالم اپنے
 وجود اور اپنی بقا دونوں میں خدا کا محتاج ہے۔

بہر کیف میں یہ عرض کر رہا تھا کہ اللہ رب العالمین یعنی سارے جہان کا پروردگار
 اور تمام عالم اور کل سنسار کا پالنا رہا ہے۔ اللہ اکبر! اس رب العالمین کی ربوبیت
 اور پرورش کی شان کا کیا کہنا؟ وہ ایسا رزاق مطلق ہے کہ اپنے دوستوں اور دشمنوں کو
 نیکو کاروں اور بدکاروں کو سب کو روزی دیتا ہے اور سب کو پالتا ہے۔ حضرت شیخ سعدی
 علیہ الرحمہ نے خداوند عالم کے اس کرمِ عظیم کو کتنے دلکش، اور پیارے انداز میں بیان فرمایا ہے
 ذر البغور سنئے۔ وہ فرماتے ہیں کہ سے

الزبا پدر جنگ جوید کے
 پدر بیگماں خشم گیرد بے۔

یعنی اگر کوئی شخص اپنے باپ سے جنگ کرنے لگے۔ تو باوجودیکہ باپ کا دل
بیٹے کی محبت سے لبریز رہتا ہے۔ مگر ایسے نالائق بیٹے پر یقیناً باپ کو بیکہ غصہ آجائے گا
اور وہ اس کو ہرگز ہرگز کبھی دانہ پانی دینے کا روادار نہیں ہوگا۔

وگر بندہ چابک نہ آید بکار
عزیزش ندارد خداوندگار

اور کوئی غلام کام دھندے میں چپست و چالاک نہ ہو۔ تو اس کا آقا کبھی اس سے
پیار نہیں کرے گا۔ اور اس کی روزی روٹی بند کر دے گا!

وگر ترک خدمت کند شکری
شود شاہ شکرکش از دے ہری

اور اگر کوئی سپاہی اپنی ڈیوٹی نہ بجالائے تو سپہ سالار اس سے بیزار ہو کر
اس کو نوکری سے برخاست کر دے گا۔

ولیکن خداوند بالادست
بعضیاں در رزق بر کس نہ بست

لیکن بندگی و پستی کے مالک خداوند عالم کی ربوبیت اور اس کی رزاقیت کا یہ عالم
ہے کہ کوئی کتنا ہی گنہگار و نافرمان کیوں نہ ہو جائے مگر وہ گناہ اور نافرمانی کی وجہ سے
کسی کے رزق کا دروازہ بنا نہیں فرماتا کیوں؟ اس لئے کہ وہ ”رب العالمین“ یعنی سارے
جہان کا پروردگار ہے۔

رحمن اور رحیم | حضرات! رب العزت جل جلالہ اپنی ایک صفت ”رب العالمین“
کو بیان فرماتے کے بعد اپنی دوسری دو صفتوں کا ذکر فرماتے ہوئے

ارشاد فرماتا ہے کہ ”الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ“ یعنی وہ بہت مہربان، اور بیکہ رحمت والا
ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اس خالق کائنات نے جو سارے عالم کو پیدا فرمایا۔ اور سب
کو پالتا ہے۔ تو تم یہ نہ سمجھ لینا کہ یہ اس کی کوئی لازمی ڈیوٹی، اور اس کا کوئی فریضہ ہے
جس کو وہ ادا کر رہا ہے۔ بلکہ تم یہ ایمان رکھو کہ اس نے جو کچھ بھی کیا اور جو کچھ بھی

کرتا ہے اور جو کچھ بھی کرے گا۔ یہ سب محض اس کی شانِ رحمت اور اس کی مہربانیوں کا جلوہ ہے تمام مخلوق کو خلعتِ وجود سے سرفراز فرمانا اور سب کی پرورش کرنا یہ سب کچھ اس کی رحمت ہی رحمت، اور اس کی مہربانی ہی مہربانی ہے۔ نہ اس پر کوئی چیز واجب ہے، نہ اس کے لئے کچھ کرنا لازم ہے۔ **وَاللّٰهُ غَفِيْرٌ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ۝**

اس کی ذات تو ناسے جہان سے بے نیاز ہے۔ سارا عالم ساری کائنات، سب کچھ اس کی رحمتوں کا ثمرہ، اور اس کی بے حساب مہربانیوں کا جلوہ ہے۔ اللہ اکبر! کون ہے جو بھلا اس کی رحمتوں کا شمار کر سکتا ہے؟ کائناتِ عالم کے ذرے ذرے میں اس کی رحمتوں کی لاکھوں دنیا آباد ہے۔ اور قطر قطرے میں اس کی مہربانیوں کے کروڑوں سمندر موجزن ہیں۔

روزِ جزا کا مالک! اخیر، اب تیسری آیت کا ترجمہ سماعت فرمائیے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ **مَلِكِ يَوْمِ الدِّیْنِ ۝** یعنی اللہ تعالیٰ روزِ جزا یعنی قیامت کے دن کا مالک ہے۔ حضرت گرامی! خداوند تعالیٰ تو ہر دن اور ہر رات کا مالک ہے۔ پھر خصوصیت کے ساتھ روزِ جزا کے مالک ہونے کا ذکر کیوں فرمایا؟ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ قیامت کا دن چونکہ اپنی مقدار، اپنی عظمت اپنی ہمیت کے لحاظ سے تمام دنوں میں سب سے بڑا دن ہے۔ اس لئے خداوند عالم نے متنبہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جب سب سے بڑے دن کا مالک ہے۔ تو تم سمجھ لو کہ چھوٹے چھوٹے دنوں کا تو وہ بدرجہ اولیٰ مالک ہے۔ اس کے علاوہ ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ دوسرے اور دنوں میں تو بندوں کی ملکیت کا بھی چرچا رہتا ہے چنانچہ انسان یہ دعویٰ کرتا پھرتا ہے کہ میں اپنی جائیداد کا مالک ہوں۔ تم اپنے ہوٹل کے مالک ہو۔ وہ اپنی دکان کا مالک ہے۔ مگر قیامت کا دن وہ دن ہے کہ اس دن خدا کی ملکیت کے سوا کسی کی ملکیت کا کوئی نام و نشان بھی نہیں ہوگا۔ اس لئے حضرت حق جل مجدہ نے اپنے بندوں سے اپنا تعارف کراتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ **”مَلِكِ يَوْمِ الدِّیْنِ“** یعنی اے میرے بندو! خوب پہچان لو کہ اللہ وہی ہے جو اس دن کا بھی مالک ہے جس

دن کسی کی ملکیت کا تم تصور بھی نہیں کر سکتے۔ وہ ایسا دن ہے کہ بغیر خدا کے اذن و اجازت کے نہ کسی کا کوئی تصرف ہوگا نہ اقتدار، نہ کسی کا کسی چیز پر قبضہ ہوگا نہ کوئی اختیار۔

یَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ
لِّنَفْسٍ شَيْئًا وَالْأَمْرُ
لِیَوْمَئِذٍ لِلَّهِ
یعنی قیامت کے دن کوئی کسی کے
لیے کسی چیز کا مالک نہیں ہوگا۔ تمام کاموں
کا اختیار و اقتدار اس دن صرف اللہ تعالیٰ
ہی کا ہوگا؟

حضرات گرامی! خداوند قدوس نے اپنے نام کے بعد اپنی چار بڑی بڑی صفتوں کا ذکر فرما کر اپنے بندوں کے لیے اپنی معرفت اور پہچان کا اتنا بڑا سامان مہیا فرمادیا کہ اگر بندے پوری توجہ اور حضور قلب کے ساتھ تفکر و تدبیر کے جذبے کو کام میں لاتے ہوئے ان چاروں صفات الہیہ کو اپنی زبان سے ادا کرتے ہوئے اپنے دلوں کی گہرائیوں میں ان کے تصور کا نور بصیرت حاصل کر لیں۔ تو بندے قرب الہی کی ایسی منزل تقرب میں پہنچ جائیں گے۔ کہ گویا وہ خدا کو دیکھ رہے ہیں۔ اس لئے حکم فرمایا کہ میرے بندو! اب تم خدا کو اپنا مخاطب سمجھتے ہوئے ان لفظوں کے ساتھ اپنے جذبات عبودیت کا تذکرہ پیش کرو کہ "إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ"۔ یعنی اے اللہ! ہم صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد طلب کرتے ہیں۔

حضرات گرامی! اس آیت میں "نعبد" کے بعد فوراً ہی "نستعین" کا لفظ آنا مناسب اور اس قدر بہ محل ہے کہ اس کے تصور سے اہل عرفان اور صاحبان ذوق کو وجد آنے لگتا ہے آپ اس کو یوں سمجھئے کہ جب بندے نے خدا کے دربار میں یوں عرض کیا کہ "إِيَّاكَ نَعْبُدُ" اے اللہ! ہم صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں۔ تو اس سے یہ وہم ہو رہا تھا کہ شاید بندہ کچھ اپنی تعلیٰ اور اکڑوں دکھا رہا ہے اور یہ دعویٰ کرنے لگا ہے کہ ہم بھی کچھ ہیں۔ اور ہم اس قابل ہو گئے ہیں

کہ خدا کی عبادت کرنے لگے ہیں۔ تو خداوند عالم نے یہ حکم فرمایا کہ اے میرے بندو! تم اپنی عبادت کا اعلان کرنے کے ساتھ ہی فوراً یہ عرض کر دو کہ "إِيَّاكَ نَسْتَعِينُ" یعنی اے اللہ

ہم بھلا اس قابل کہاں؟ کہ تیری عبادت کا دعویٰ کر سکیں۔ ہم تو بالکل ہی فقور اور کوتاہیوں کے
پستے، اور عجز و انکسار کے محسوس ہیں۔ اے اللہ! ہم تیری عبادت بھی کرتے ہیں۔ تو اس عبادت
میں بھی ہم تیری مدد کے محتاج ہیں۔ لہذا تو ہمارے اس عمل عبادت میں بھی ہماری مدد فرما۔
غور فرمائیے کہ ایسا کنعید کے لفظ سے جو وہم پیدا ہو رہا تھا وہ "ایسا کنستعین" کہہ
دینے سے بالکل ہی زائل ہو گیا اور بندہ کمال عاجزی کے اظہار سے اپنی عبادت میں بندہ
کامل ہو گیا۔ سبحان اللہ۔ پڑھئے یہ آواز بلند درود شریف اللھم صل وسلم وبارک
علی سیدنا و مولانا محمد و علی آلہ واصحابہ اجمعین صلاۃ و
سلاماً علیک یا رسول اللہ!

برادران ملت! اس آیت میں چونکہ عبادت کا ذکر آگیا ہے۔ اس لئے میں چاہتا ہوں
کہ لفظ عبادت کی بھی کچھ تشریح کر دوں۔ تاکہ عبادت کا صحیح مفہوم آپ کے ذہن میں آجائے
اور آپ اچھی طرح سمجھنے لگیں۔ کہ کون سا عمل عبادت ہے؟ اور کون سا عمل عبادت نہیں کیونکہ
اس دور میں کچھ ایسے مولوی بھی پیدا ہو گئے ہیں جو الفاظ قرآن کے معانی میں ایسی کتر بیونت
کرتے رہتے ہیں کہ قرآن مجید کی مقدس آیتوں کا ٹھیلہ بگاڑ کر رکھ دیتے ہیں، انہوں نے ان لوگوں کے
لئے اس کے سوا اور کیا کہا جائے کہ ہے

خود بدلتے نہیں قرآن کو بدل دیتے ہیں

ہوئے اس درجہ فقیہان حرم بے توفیق،

حضرات! "کتر بیونت" کی بات آگئی۔ تو مجھے ایک نواب بے ملک کا ایک
لطیفہ یاد آگیا۔ اتفاق سے نواب صاحب کا سسرال سے بلاوا آگیا
مارے خوشی کے نواب صاحب کی ہاتھیں کھل گئیں۔ چنانچہ نواب صاحب نے سسرال
کے سفر کے سلسلے میں جہاں بہت سے انتظام کئے ایک نیا پانجامہ بھی سلا یا۔ اتفاق سے
درزی ایماندار تھا۔ اتنا ہوشیار نہیں تھا کہ کپڑے میں کچھ کتر بیونت کر کے ادھر ادھر آ رہا
کر دیتا۔ درزی نے پوسے کپڑے کا جو پانجامہ سی دیا تو وہ چار انگل بڑا ہو گیا۔ نواب صاحب
نے ٹرائی کے لئے جو پہنا تو جو تا نظروں سے غائب ہو گیا۔ اور پانجامہ زمین چومنے لگا۔

نواب صاحب بہت شہنائے۔ فوراً اُمتھ لٹکائے بیوی کے پاس آئے اور بڑی لجاجت سے دانت نکال کر عرض کیا کہ پیاری بیگم! سنو تو سہی۔ بڑا غضب ہو گیا۔ دیکھو درزی نے میرا پانچامہ چار انگل بڑا سی دیا، اب صبح سویرے ہی مجھے تمہارے میکے جانا ہے اگر یہی پانچامہ پہن کر میں جاؤں گا۔ تو سسرال والے بھی سمجھیں گے کہ نواب صاحب گریہ کا پانچامہ پہن کر آئے ہیں۔ یا کسی لیے آدمی سے مانگ کر پہنا ہو گا۔ بیگم! خدا کی قسم وائس میری تو ناک ہی کٹ جائے گی۔ لہذا خدا کے لیے چار انگل اس پانچامہ کو کاٹ کر ایک بخیہ چلا دو۔ تاکہ میری آبرو کا گنبد سلامت رہ جائے۔ بیگم صاحبہ ساٹھ برس کی کھوسٹ بڑھیا تھیں چھو بار جیسے گال۔ نہ منہ میں دانت نہ پیٹ میں آنت چڑھ چڑھ افراراج۔ ایک دم تڑپ کر برس پڑیں۔ کہ اچی تم تو بالکل ہی سٹھیا گئے ہو۔ توج۔ خدا کی مار بھی بھی تو ایک ذرا لیٹی ہوں۔ اب میں اتنی رات کو تمہاری بیگاری کرتے کے لیے اٹھ کر مشین پر درزش کروں؟ نا بابا۔ جاؤ۔ مجھ سے نہیں ہونے کا!

بیگم کی لتاڑ سن کر نواب صاحب بھیگے ہوئے گیدڑ بنے اٹے پاؤں واپس چلے آئے
آخر کیا کرتے؟

اکبر دے نہیں کبھی جرمس کی فوج سے
لیکن شہید ہو گئے بیگم کی۔ توج سے

پھر بیٹی سے کہا۔ اس نے بھی انکار کر دیا۔ اب نواب صاحب اپنی بہو کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور ڈرتے ڈرتے پانچامہ درست کرنے کی درخواست پیش کر دی۔ اللہ اکبر! بہو اور وہ بھی چودھویں صدی کی بہو۔ نواب صاحب کی بہو کیا تھی؟ بس بالکل ہی ہو ہو تھی۔ چلا کر بولی۔ ”اچی مجھ سے نہیں ہو سکتا“ نواب صاحب بھاگے ہوئے بہن کے پاس گئے۔ اور کہا آپا جان! ذرا تم ہی یہ کام بنا دو تاکہ سسرال میں میرا بھرم رہ جائے۔ بہن نے بھی جھلا کر ”نہیں“ کہہ دیا نواب صاحب گھر کی چاروں غور لوتوں کا انکار سن کر رو پڑے۔ اور کھونٹی پر پانچامہ لٹکا کر سو گئے۔ آدمی رات کو بیگم کی آنکھ کھلی۔ تو ان کو خیال آیا کہ افسوس! میں نے بڑی غلطی کی۔ اگر نواب صاحب کی سسرال میں رسوائی ہوئی۔ تو میری آبرو

کا بھی تو جنازہ نکل جائے گا۔ کسی نے سچ کہا ہے کہ

میری رسوائی سے تم کو خوش نہ ہونا چاہیئے۔

قیس رسوا تھا تو کیا بیلی کی رسوائی نہ تھی؟

بیگم جھٹ پٹ اٹھیں۔ اور پانچامہ کو چار انگل کاٹ کر کھوٹی پر لٹکا دیا۔ اور سو گئیں۔

پھر لڑکی جاگی۔ تو اس کو بھی باپ کے ساتھ اپنی سخت کلامی پرندامت ہوئی اس نے بھی اٹھ کر چار انگل پانچامہ کاٹا اور بنجیہ چلا کر کھوٹی پر لٹکا دیا۔ اور سو گئی چند ہی منٹ کے بعد بہو صاحبہ بھی بیدار ہوئی۔ انہوں نے بھی پانچامہ کو چار انگل کاٹ کر درست کر دیا پھر بہن اٹھیں تو انہوں نے بھی چار انگل کاٹ کر پانچامہ سی دیا۔ اور کھوٹی پر لٹکا کر وہ بھی سو گئیں۔ نواب صاحب نے جو صبح کو نہادھو کر پانچامہ پہنا تو وہ نیکر بن کر گھٹنوں سے اوپر پہنچ گیا۔ نواب صاحب نے سر پیٹ لیا اور سسرال کا سفر کھٹائی میں پڑ گیا۔

حضرت گرامی! دیکھا آپ نے؟ چار عورتوں نے جو ایک پانچامہ پر قہقہی چلا کر کتر بیوت کر دی تو رات بھر میں پانچامہ کو نیکر بنا ڈالا۔ اب آپ ہی بتائیے کہ اس زمانے کے مولویوں نے جو قرآن مجید کا کتر بیوت شروع کر دیا ہے تو اس کا انجام کیا ہوگا؟

بہر حال اسی خیال سے میں چاہتا ہوں کہ اس مجلس میں عبادت کیا ہے؟ آپ کو عبادت کے معنی تو بتانا چلوں۔ تاکہ آپ کتر بیوت

کرنے والوں سے ہوشیار رہیں، اچھا سنئے۔ اور میری مت سنئے۔ بلکہ حضرت علامہ بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق سنئے، جن کی تفسیر پر دیوبندی اور بریلوی دونوں جماعتوں کے علماء کا اعتماد ہے۔ اور ہندوستان و پاکستان ہی میں نہیں بلکہ دنیا بھر کے تمام مدارس عربیہ میں اس تفسیر کے درس کا ڈنکان بج رہا ہے۔ حضرت علامہ بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ کیا فرماتے ہیں؟ ذرا غور سے سنئے۔ وہ لکھتے ہیں کہ۔

والعبادة اقصیٰ عنایۃ

یعنی عبادت کے یہ معنی ہیں کہ انتہائی

الخصوع والتذلل۔ درجے کی عاجزی اور انتہائی ذلیل بن جانے

کی انتہا

(بیضاوی ص ۷)

مسلمان بھائیو! سن لیا آپ نے؟ علامہ بیضاوی فرماتے ہیں کہ عاجزی اور تذلل کا انتہائی اور آخری درجہ عبادت کہلاتا ہے۔ اب یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر انتہائی عاجزی کی حد اور انتہائی ذلیل بن جانے کا معیار کیا ہے؟ کون سے عمل کو ”ہم انتہائی عاجزی“ نہ کہیں آخر اس کی پہچان کے لیے کوئی نہ کوئی کسوٹی تو ہوگی؟ اب اسی معیار اور کسوٹی کو معین کرنا ہے کہ ہر عمل کو اس پر پرکھ کر ہم کہہ سکیں کہ فلاں عمل ”عبادت“ ہے اور فلاں عمل ”عبادت“ نہیں ہے۔

پھر یہاں ایک قابل غور بات یہ بھی ہے۔ کہ ہم جب نماز میں ہاتھ باندھ کر کھڑے ہوتے ہیں تو ساری دنیا یہ کہتی ہے۔ کہ یہ ”عبادت“ کر رہا ہے ”اور جب ہم اپنے افسر کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑے ہوتے ہیں تو کوئی بھی یہ نہیں کہتا کہ ”یہ عبادت کر رہا ہے“ بلکہ سب یہ کہتے ہیں کہ ”یہ تعظیم کر رہا ہے“ اسی طرح ہم نماز میں سمع اللہ من حمدہ کہتے وقت ہاتھ پھوڑ کر کھڑے رہتے ہیں تو ہمارے اس ”قیام“ کو ”عبادت“ کہا جاتا ہے اور اگر ہم کسی دکاندار کے سامنے ہاتھ پھوڑ کر کھڑے ہوتے ہیں تو اس قیام کو کوئی بھی ”عبادت“ نہیں کہتا یوں ہی ہم نماز میں رکوع کرتے ہیں۔ تو ساری دنیا ہمارے اس جھکنے کو ”عبادت“ کہتی ہے۔ اور اگر ہم گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر ٹھیک رکوع کی صورت میں جھک کر زمین پر گری ہوئی سوئی تلاش کرتے ہیں۔ تو کوئی بھی نہیں کہہ سکتا کہ یہ جھکنے والا ”عبادت“ کر رہا ہے ”علیٰ ہذا القیاس نماز میں دونوں زانو زمین پر رکھ کر بیٹھے تو یہ بیٹھیک ”عبادت“ کہلاتی ہے۔ اور ٹھیک اسی ہیئت پر استاد یا پیر کے سامنے بیٹھے تو یہ بیٹھیک ”عبادت“ نہیں کہلاتی نماز میں سجدہ کیجئے تو عبادت ہے۔ اور بالکل اسی صورت میں اگر کسی آپریشن کے وقت کوئی شخص اپنی پیشانی زمین پر رکھ کر سجدے کی ہیئت میں موجائے تو یہ ”عبادت“ نہیں ہے۔ الغرض قیام ہو یا قعود، رکوع ہو یا سجود، قومہ ہو یا جلسہ نماز کی حالت میں تو یہ سب صورتیں ”عبادت“ کہلاتی ہیں۔ اور نماز کے باہر یہ سب افعال عبادت نہیں کہلاتے اس لئے اب یہ سوچنا ہے کہ ایک ہی عمل کبھی تو عبادت کہلاتا ہے اور کبھی عبادت نہیں کہلاتا۔ آخر اس کی وجہ کیا ہے؟ کسی فعل کے عبادت ہونے یا عبادت نہ ہونے کا آخر کوئی معیار تو ہونا چاہیئے؟ ایک ہی عمل کسی حالت میں عبادت ہوتا ہے۔ اور کسی حالت میں

عبادت نہیں ہوتا۔ کون عمل کس حالت میں "عبادت" ہے۔ اور کس حالت میں "عبادت" نہیں ہے۔ آخر اس کے جاننے اور پہچاننے کی کوئی کسوٹی تو ہوگی؟ اب اسی پر غور کرنا ہے کہ "عبادت" اور "غیر عبادت" کے پہچاننے کا معیار اور کسوٹی کیا ہے؟ وہ کون سا آلہ یا پیمانہ ہے جس سے اور پرکھ کر ہم یہ جان پہچان لیں کہ فلاں عمل عبادت ہے اور فلاں عمل عبادت نہیں ہے!

تو برادرانِ ملت! حضرت علامہ بیضاوی علیہ الرحمہ نے اس کا بہترین معیار مقرر فرما کر انتہائی واضح فیصلہ کر دیا ہے۔ جس کی روشنی میں ہر شخص بہ آسانی سمجھ سکتا ہے کہ کون عمل عبادت ہے اور کون عمل عبادت نہیں ہے! علامہ بیضاوی فرماتے ہیں کہ۔

وَالْعِبَادَةُ أَقْصَى عَابَاتٍ
الْخُضُوعِ وَالتَّذَلُّلِ۔
یعنی انتہائی درجے کی عاجزی، اور اپنی
ذلت ظاہر کرنے کی انتہا کا نام "عبادت" ہے۔

برادرانِ ملت! غور فرمائیے کہ انتہائی عاجزی و تذلل کا نام "عبادت" ہے۔ تو اب سن لیجئے کہ ایک انسان کی انتہائی عاجزی کی حد کیا ہے؟ تو میرے دوستو اور بزرگوار! خوب ابھی طرح سمجھ لو کہ ایک انسان کی انتہائی عاجزی یہی ہے کہ انسان کسی کو اپنا خدامان کر اس کے حضور اپنی عاجزی اور اپنی ذلت کی انتہا کر دے۔ بس کسی کو اپنا خدامان کر اس کے حضور اپنی عاجزی اور اپنی ذلت ظاہر کرنا یہی ایک انسان کی انتہائی عاجزی کی حد اور انتہا ہے۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے کہ

نظروں سے نہاں کیوں رہتے ہو، جب جان لیا پہچان لیا
منشائے حجاب آخر کیا ہے، تم کو تو "خدا" بھی مان لیا

حضرات! یہی وجہ ہے کہ نماز میں جھکنا اور پیشانی زمین پر رکھنا "عبادت" ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کو اپنا خدامان کر انسان اس کے حضور میں اپنی ذلت اور عاجزی کا اظہار کر رہا ہے۔ اور نماز کے علاوہ کسی کے آگے جھکنا اور پیشانی زمین پر رکھنا اسی لئے "عبادت" نہیں ہے کہ وہ اس کو اپنا خدامان کر اس کے آگے اپنی انتہائی عاجزی اور ذلت کا اظہار نہیں کر رہا ہے۔ تو پتا چلا کہ "عبادت" اور "غیر عبادت" کا دار و مدار اس کے جاننے

اور پہچاننے کی کسوٹی اور معیار یہی ہے کہ جب تک تم کسی کو اپنا خدا مان کر اس کے آگے اپنی انتہائی ذلت و عاجزی کا اظہار نہ کرو گے۔ اس وقت تک تمہارا کوئی ٹکلا خواہ وہ قیام و قعود ہو، یا رکوع و سجود ہرگز ہرگز عبادت نہیں ہو سکتا۔ اسی لئے حضرت علامہ بیضاوی قدس سرہ نے فرمایا !

وَلَا تَسْتَغِيظُ إِلَّا فِي
الْخُصُوعِ لِلَّهِ تَعَالَى۔
یعنی عبادت کا لفظ صرف اسی عاجزی
پر بولا جائے گا جو اللہ تعالیٰ کے لیے
کی جائے۔ (بیضاوی ص ۵)

کیونکہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں جو عاجزی پیش کی جاتی ہے وہ اس کو خدا مان کر کی جاتی ہے۔ اور خدا کے سوا دوسروں کے آگے جو عاجزی کی جاتی ہے وہ چونکہ اس کو خدا مان کر نہیں کی جاتی۔ اس لئے اس کو تعظیم یا ادب تو کہہ سکتے ہیں مگر ہرگز ہرگز اس کو عبادت نہیں کہہ سکتے !

مسلمانو! علامہ بیضاوی کی اس تقریر سے یہ مسئلہ حل ہو گیا کہ بزرگان دین کے مزاروں پر ہاتھ باندھ کر ادب سے کھڑا ہونا ہرگز ہرگز عبادت نہیں کہلائے گا۔ بلکہ اس کو ادب اور تعظیم ہی کہا جائے گا۔ کیونکہ کوئی مسلمان بھی ان بزرگوں کو اپنا خدا مان کر ان کے سامنے ہاتھ باندھ کر نہیں کھڑا ہوتا۔ اب تم لوگ سمجھ لو کہ اس کو جو لوگ غیر اللہ کی عبادت اور شرک کہتے ہیں وہ لوگ یا تو بالکل ہی جاہل اور نادان ہیں۔ یا عناد کے دبیز پردوں نے ان کی حقیقت شناس نگاہوں پر ایسا حجاب ڈال دیا ہے کہ بصارت ہونے کے باوجود ان کی بصیرت رنجور ہو گئی ہے۔ لہذا ان لوگوں کی ہدایت کے لئے دعا کرنی چاہیے !

حضرات گرامی! اس سلسلے میں مجھے اپنا ایک لطیفہ یاد آگیا
ایک نوک جھونک | ایک مرتبہ دہلی میں حضرت خواجہ نظام الدین اولیا رحمۃ اللہ علیہ

کے مزار مقدس کے سامنے میں ہاتھ باندھ کر ادب کے ساتھ فاتحہ پڑھ رہا تھا۔ میں نے دیکھا کہ ایک بہت ہی کھڑے کھڑے قسم کے مولوی صاحب آئے جن کا پانچامہ ضرورت سے زیادہ اونچا۔ اور کتنا ضرورت سے زیادہ نیچا تھا وہ ہاتھ کھول کر کھڑے ہوئے اور کچھ پڑھنے لگے

اور مجھ کو بڑی زہریلی اور ترپھی نگاہوں سے گھور گھور کر دیکھنے لگے۔ جب ہم دونوں مزار شریف سے باہر نکلے تو مولوی صاحب نے ڈانٹ کر بڑے کڑخت لہجے میں کہا کہ ”قبر کے سامنے ہاتھ باندھ کر نہیں کھڑا ہونا چاہیئے“ میں نے کہا کہ کیوں صاحب؟ تو ٹپ کر بولے کہ ”یہ نماز کی صورت“ ہے میں نے انتہائی متانت کے ساتھ عرض کیا کہ پھر تو ہاتھ کھول کر بھی قبر کے سامنے نہیں کھڑا ہونا چاہیئے۔ یہ سنتے ہی وہ چلا کر بولے کہ کیوں؟ تو میں نے کہا کہ

سمع اللہ لمن حمد۔ کہتے ہوئے ہاتھ تھوڑ کر کھڑا ہونا یہ بھی تو نماز ہی کی صورت ہے، لہذا ایک ہاتھ سر پر اور ایک ہاتھ کمر پر رکھ کر قبر کے سامنے کھڑا ہوا کیجئے تاکہ نماز کی صورت نہ رہے۔ میرا یہ گرم گرم جملہ سن کر مولوی صاحب کو بس آگ ہی تو لگ گئی۔ اور بالکل غصے میں آگ بگولہ ہو کر کہنے لگے کہ جانیئے رہنے دیجئے آپ اپنی ”منطق“ تو میں نے بھی کہہ دیا کہ آپ بھی رہنے دیجئے اپنی ”منطق“ پھر تو وہ اس طرح جلدی جلدی بھاگے۔ جیسے کوئی ان کو ذبح کرنے کے لئے دوڑا رہا ہو۔ میں ہر چند بلاتا رہا کہ ”سنئے تو سہی، سنئے تو سہی!“ مگر وہ یہی کہتے رہے اور بھاگتے رہے کہ ”میں بحث نہیں کرتا۔ میں بحث نہیں کرتا۔“ بھاگتے ہوئے وہ اس عمارت میں گھس گئے جس کو لوگ ”تبلیغی مرکز“ کہتے ہیں۔ مولوی صاحب کا تو نہ معلوم کیا حال ہوا مگر اس نوک جھونک سے سامعین بہت ہی محفوظ ہوئے اور کئی ایک آدمی تو ہنستے ہنستے لوٹ پوٹ ہو گئے۔

استعانت | بہر کیف ”عبادت“ کے معنی تو آپ ایک حد تک سمجھ چکے۔ اب آئیے میں ”استعانت“ کے بارے میں بھی کچھ آپ کو سنا دوں۔ اچھا سنئے

استعانت کے معنی ہیں ”مدد طلب کرنا“

حضرات! اب آیات نستعین کے معنی کو ذہن نشین کرنے کے لئے انتہائی ضروری ہے کہ میں اس حقیقت کو ذرا تفصیل کے ساتھ آپ کے ذہن میں اتار دوں کہ مدد طلب کرنے کی دو صورتیں ہیں۔ ایک اللہ سے مدد طلب کرنا۔ دوسرے غیر اللہ سے مدد طلب کرنا۔ اللہ سے مدد طلب کرنا تو ہر مسلمان پر فرض ہی ہے۔ اس میں کیا کلام ہے؟ کیونکہ جو اللہ سے مدد طلب کرنے کا قائل نہ ہو وہ تو مسلمان ہی نہیں۔ اب رہ گیا غیر اللہ یعنی اللہ کے سوا دوسرا

سے مدد طلب کرنا۔ تو یہ وہ مسئلہ ہے کہ زمانہ حال کے مولویوں نے اس کو اس قدر الجھا دیا ہے کہ افراط و تفریط کی آندھیوں کے گرد و خبار میں اس مسئلہ کا صحیح خدا و خال ہی نظروں سے اوجھل ہو گیا اور عوام کے لیے یہ جنگ و جدال کا سامان بن کر رہ گیا حالانکہ میں بالکل سچ عرض کرتا ہوں کہ اگر نیک نیتی کے ساتھ دور حاضر کے علماء اس مسئلہ کو حل کر دیتے تو آج عوام میں یہ جنگ و جدال کی یہ گرم بازاری نہ ہوتی۔ مگر دانشور مجھے افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ

جہالت ہر اک بات میں ہو گئی۔

”حقیقت“ خرافات میں کھو گئی۔

حضراتِ گرامی! اس مسئلے کا صحیح یہ ہے کہ خدا کے سوا کسی دوسرے سے مدد مانگنے کی دو صورتیں ہیں۔ ایک صورت تو یہ ہے کہ خدا کے سوا کسی دوسرے کو خدا ہی کی طرح ذاتی قدرت والا، اور حقیقی مستعان مان کر یہ سمجھتے ہوئے اس سے مدد مانگی جائے کہ وہ بلا خدا کے اذن و حکم کے اپنی ذاتی طاقت سے ہماری مدد کر سکتا ہے ظاہر ہے کہ اس طرح غیر اللہ سے مدد مانگنا ایسا کھلا ہوا شرک ہے کہ اس کو عالم تو عالم کوئی جاہل بھی جائز نہیں ٹھہرا سکتا! اور دوسری صورت یہ ہے کہ خدا کے سوا کسی دوسرے کو یہ سمجھ کر کہ اس سے مدد مانگی جائے کہ یہ خدا ہی کا بندہ اور اس کی مخلوق ہے۔ اور وہ خدا ہی کی بخشی ہوئی طاقت اور خدا ہی کے حکم سے ہماری مدد کر سکتا ہے بس خدا نے اس کو ہماری مدد فرمانے کا ایک ذریعہ بنا دیا ہے۔ تو یہ غیر اللہ سے مدد مانگنے کی وہ صورت ہے کہ اس کو نہ کوئی دیوبندی ناجائز بتا سکتا ہے نہ کوئی بریلوی!

عزیزانِ ملت! ہم دن رات، صبح و شام، ہر گھڑی جو غیر اللہ سے مدد طلب کرتے

رہتے ہیں وہ بھی دوسری صورت ہے۔ کون نہیں جانتا کہ ہم حکیم و ڈاکٹر سے شفا کے لئے مدد طلب کرتے ہیں۔ ہم حاکموں سے انصاف کے لئے مدد مانگتے ہیں۔ ہم مکان کی تعمیر

میں معماروں اور مزدوروں سے مدد طلب کرتے ہیں ہم مسجدوں کے بنائے اور مدرسوں کو چلانے میں مالداروں سے مدد مانگتے ہیں۔ غرض ہم اپنے لاکھوں کاموں میں ہر دم اہر وقت، غیر اللہ سے مدد طلب کرتے رہتے ہیں خدا کی قسم میں نے آج تک یہ نہیں

دیکھا کہ کسی مولوی صاحب کو بھوک پیاس لگتی ہو تو وہ کسی مسجد کے مُصلّیٰ پر بیٹھ کر خدا سے
کھانے اور پانی کی مدد مانگتے ہوں۔ بلکہ مولوی صاحبان بھی کھانے اور پانی کے لئے
انسانوں ہی سے مدد طلب کرتے ہیں۔ مگر دنیا جانتی ہے کہ وہ ہوٹل والے کو خدا سمجھ کر
اس سے کھانا نہیں مانگتے۔ بلکہ یہی سمجھ کر مانگتے ہیں کہ کھانا پانی اور ہماری تمام ضروریات زندگی
کا حقیقی طور پر دینے والا تو خدا ہی ہے، مگر یہ ہوٹل والا خدا ہی کی دی ہوئی طاقت سے
اور خدا ہی کے دلانے سے ہمیں کھانا دے رہا ہے۔ اگر خدا نہیں چاہے گا تو یہ ہوٹل
والا ہم کو ایک چادر کا دانہ بھی نہیں دے سکتا۔ تو بتائیے کہ اس طرح غیر اللہ سے مدد
مانگنے کو دنیا میں کون ہے جو شرک کہہ سکتا ہے؛ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ اس

طرح غیر اللہ سے مدد طلب کرتے رہنا درحقیقت اللہ ہی سے امداد طلب کرنا ہے
اور یہی مطلب ہے ایاک نستعین کا کہ ایک مسلمان کو لازم ہے کہ وہ اپنے ہر کام میں خدا
ہی کو اپنا حقیقی مددگار جانتا اور مانتا رہے اور دنیا میں جس کسی سے بھی وہ مدد مانگے۔ اور
جو بھی اس کی مدد کرے اور جہاں سے بھی اس کو مدد ملے۔ وہ یہی سمجھے اور یہی کہے کہ

نہ کسی می دہاند نہ کسی می دہد

خدا می دہاند، خدا می دہد

یعنی نہ کوئی کچھ دلاتا ہے نہ کوئی کچھ دیتا ہے۔ بس خدا ہی دلاتا ہے۔ اور

خدا ہی دیتا ہے۔ برادرانِ ملت! یہی وہ خدا کے سوا دوسروں سے مدد مانگنے کی صورت

ہے۔ جس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اسْتَعِیْزُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ ط

فرما کر اپنے بندوں کو حکم دیا کہ تم لوگ صبر اور نماز سے مدد طلب کرو۔ اور یہی وہ غیر اللہ

سے مدد طلب کرنے کا طریقہ ہے۔ جس کا قرآن میں بیان ہے کہ حضرت ذوالقمرین نے

اَعِیْزُوْنِیْ بِقُوَّةِ الْکِبْرِ "سید سکندری" کے بنانے میں انسانوں سے مدد مانگی۔ اور یہی وہ

غیر اللہ سے استعانت کی شکل ہے جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو تعلیم

دی ہے کہ اگر کوئی مسافر انسان بیابان میں راستہ بھول جائے اور کوئی راہنما اور راہبر

نہ ملتا ہو تو وہ یوں نعرہ لگاٹے کہ **يُعْبَادُ اللّٰهَ اَعْيُنُوْنِي** یعنی اے اللہ کے بندو! میری مدد کرو۔ تو ملائکہ یا رجال الغیب خدا کے حکم سے اس کی مدد کریں گے!

برادرانِ ملت! اب اس حقیقت کی روشنی میں یہ مسئلہ روزِ روشن کی طرح واضح ہو جاتا ہے کہ ایک مسلمان اپنے رسول سے اپنی مغفرت کے لئے مدد مانگتا ہے اور شفاعت کی امداد طلب کرتا ہے۔ ایک مسلمان خاصانِ خدا انبیاء و اولیاء سے ان کی توجہ، اُن کا فیض، اپنی مشکلات میں اُن کی مدد طلب کرتا ہے۔ مگر یہ سمجھ کر مدد مانگتا ہے کہ انبیاء و اولیاء خدا ہی کے مقبول و محبوب بندے، اور خدا ہی کی افضل و اعلیٰ مخلوق ہیں۔ اور ان مقدس بندوں کے پاس جو طاقت و قدرت بھی ہے وہ خدا ہی کی بخشش ہوئی ہے اور وہ خدا ہی کے حکم سے ہماری امداد و مدد فرماتے ہیں تو کون ہے؟ جو یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ لوگ ایسا ناستعین کی مقدس تعلیم دین پر عمل نہیں کرتے۔ اور کون ہے جو یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ لوگ شرک کر رہے ہیں؟ مگر مسلمانو! ذرا غور کرو کہ اس حقیقت کو دیکھتے اور سمجھتے ہوئے بھی کچھ مولوی صاحبان ان مؤیدِ مسلمانوں کو علی الاعلان مشرک کہتے ہیں جو اپنے جوشِ محبت میں **يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ كَسَّطُكَ الشَّفَاعَةُ** اور **يَا شَيْخَ عَبْدِ الْقَادِرِ جَدِّي شَيْطَانًا** کا نعرہ لگاتے ہیں۔ اللہ! انصاف کرو۔ کیا یہ ہماریہ سے زیادہ بڑا ظلم و ستم نہیں ہے؟ کہ سچے مسلمانوں کے صاف و شفاف دامنِ توحید پر شرک کی نجس اور گندی کیچڑ اچھالی جائے۔ اے مسلمانوں پر شرک کا فتویٰ لگانے والو! اللہ! خدا کا خوف کرو اور اپنی زبانوں کی برہمچیوں اور نوکِ قلم کے تیروں سے مسلمانوں کی رگِ ایمان کو زخمی نہ کرو۔ ہم تم سے اس سے زیادہ اور کیا کہہ سکتے ہیں؟ کہ

قرب ہے یارِ روزِ محشر، پھپھے لگشتوں کا خون کیوں کر

جو چپ رہے گی زبانِ خنجر، لہو پکارے گا آستیں کا

اور مسلمانو! ہم تم سے ہمیشہ یہی کہتے رہے اور آج بھی ہم تم سے یہی کہتے

ہیں کہ اگر دنیا میں رہنا ہے تو کچھ پہچان پیدا کرو

لباسِ خضر میں یاں سیکڑوں رہزن بھی رہتے ہیں

خدا کے لئے تم ایمان کے ان رہنماؤں سے ہوشیار رہو۔ ان سے دور رہو میری
دعا ہے کہ خداوند کریم اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے طفیل میں تمہارے دین و ایمان
کی حفاظت فرمائے (آمین)

صراطِ مستقیم | بہر کیف اب اگلی آیت کا ترجمہ سنئے۔ حضرت حق جل جلالہ نے اپنے بندوں
کو یہ حکم دیا کہ اسے میرے بندو! تم لوگ میرے دربار میں یہ اقرار کر لینے
کے بعد کہ خدا کے سوا کسی کی عبادت نہیں کرو گے اور خدا کے سوا کسی کو اپنا حقیقی حاجت
رو سمجھ کر اس سے استعانت نہیں کرو گے۔ اب تم لوگ اپنی دعا کی درخواست بارگاہ الہی
میں اس طرح پیش کرو کہ "اھدنا الصراط المستقیم" یعنی اے اللہ!
ہماری زندگی کا سب سے اعلیٰ مقصد اور ہماری حیات کا نصب العین یہی ہے کہ تو ہم
کو "صراطِ مستقیم" یعنی سیدھے راستے پر چلا!

حضرات! جب بندے نے خدا سے یہ دعا مانگی کہ تو ہم کو صراطِ مستقیم پر چلا تو سوال
پیدا ہوا کہ "صراطِ مستقیم" کیا ہے؟ اور سیدھا راستہ کون ہے؟ تو اگلی آیت میں خداوند عالم
نے صراطِ مستقیم کی توضیح و تشریح فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا صراط الذین انعمت
علیہم غیر المغضوب علیہم ولا الضالین ۵ یعنی ان لوگوں کے راستے پر چلا
جن پر تو نے انعام فرمایا ہے۔ ان لوگوں کے راستے پر ہم کو نہ چلا جو تیرے غضب میں گرفتار
ہوئے۔ اور نہ ان لوگوں کے راستے پر ہم کو چلا جو گمراہ اور بھٹکے ہوئے ہیں۔

تین راستے | حضرات! اس آیت سے معلوم ہوا کہ راستے تین ہیں ایک انعام
خداوندی پانے والوں کا راستہ۔ دوسرا خدا کے غضب
میں پڑنے والوں کا راستہ۔ تیسرا گمراہوں کا راستہ۔ حکم الحاکمین نے اپنے مومن
بندوں کو اس آیت میں یہ حکم عطا فرمایا ہے کہ تم لوگ خدا سے صراطِ مستقیم پر استقامت
طلب کرو۔ یعنی ان تینوں راستوں میں سے اس راستے پر چلنے کی دعا مانگو جو خدا کے
ان مقبول بندوں کا راستہ ہے جن کو خداوند قدوس نے اپنے انعام و اکرام سے
دونوں جہان میں سرفراز فرمایا ہے۔ اور ان دو راستوں سے بچنے کی دعا مانگو جو ان

یہ بختوں اور بدنصیبوں کا راستہ ہے جن پر قہر تھا، اور غضب جبار کی مار پڑ گئی ہے اور جو گمراہیوں کے عمیق غار میں گر کر عذابِ تار کے سزاوار ہو چکے ہیں!

صراطِ مستقیم کون ہے | حضرات! اب آپ نے خوب اچھی طرح سمجھ لیا کہ ”صراطِ مستقیم“ وہی راستہ ہے جو انعامِ خداوندی پانے والوں کا راستہ ہے۔ تو اب ذرا یہ بھی سن لیجئے کہ وہ کون لوگ ہیں جن پر خدا کا انعام ہے؟ سنئے خداوند قدوس کا ارشاد ہے کہ۔

وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَٰئِكَ
مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ
النَّبِيِّينَ وَالصَّالِحِينَ وَالشُّهَدَاءِ
وَالصَّالِحِينَ وَحَسَنَ أَوْلِيَكَ رَفِيقًا
یعنی جو اللہ اور اس کے رسول کا حکم
مانے تو اُسے ان لوگوں کا ساتھ ملے گا جن پر
اللہ نے انعام فرمایا ہے۔ یعنی نبی اور صدیق
اور شہید اور نیک لوگ، یہ کیا ہی اچھے ساتھی
ہیں۔ (نساء)

حضرت! سن لیا آپ نے، جن لوگوں پر خدا کا انعام ہے ان کی چار جماعتیں ہیں اول نبیوں کی جماعت، دوسرے صدیقیوں کی جماعت۔ تیسرے شہیدوں کی جماعت۔ چوتھے صالحین کی جماعت۔ دیکھ لیجئے قرآن کریم نے صاف صاف فرمادیا کہ ان چاروں جماعتوں پر خدا کا انعام ہے۔ اور ان ہی چاروں جماعتوں کا راستہ ”صراطِ مستقیم“ ہے جو ہر مومن کی حیات کا سب سے بڑا نصب العین، اور اس کی زندگی کا مقصدِ اعلیٰ و مقصودِ اعظم ہے جس کے لیے ہر مومن اپنی نماز کی ہر رکعت میں گڑ گڑا گڑا کر خدا سے دُعائیں مانگتا ہے اور جو راستہ ان چاروں مقدس جماعتوں کی راہ کے خلاف ہے۔ وہ یقیناً ان کو رنجتوں کا راستہ ہے جو غضبِ الہی کی لعنتوں کے حقدار، اور گمراہی کے وبالِ عظیم میں گرفتار ہیں۔ خواہ وہ یہود و نصاریٰ ہوں۔ یا کفار و مشرکین ہوں یا منافقین و مرتدین ہوں۔ خدا کی قسم! یہ سب کے سب ”مغضوب علیہم“ اور سب کے سب۔

”ضالین“ ہیں، اور ان سب کا مذہب و مسلک نارنجیہ کی وہ بھیانک اور خوفناک سڑک ہے جس پر چلنے والوں کا انجام ”عذاب الیم“ کے سوا کچھ بھی

نہیں ہے!

معمولاتِ اہلسنت | برادرانِ ملت! جب اس آیت سے یہ ثابت ہو گیا کہ انبیاء و صدیقین، اور شہداء و صالحین کا راستہ ہی "صراطِ مستقیم" ہے۔

اور ان ہی لوگوں کا راستہ شاہراہِ ہدایت ہے۔ تو اب یہ مسئلہ آفتاب کی روشنی کی طرح روشن ہو گیا۔ کہ جس طرح نماز و روزہ، اور حج و زکوٰۃ وغیرہ ان چاروں مقدس جماعتوں کا طریقہ ہے۔ اسی طرح میلاد شریف، قیام، صلوٰۃ و سلام، فاتحہ و زیارت قبور تعظیم انبیاء و اکرام اولیاء وغیرہ معمولاتِ اہلسنت بھی ان ہی انبیاء و صدیقین اور شہداء و صالحین ہی کا طریقہ ہے۔ یہ ہرگز ہرگز یہود و نصاریٰ یا کفار و مشرکین کا طریقہ نہیں ہے لہذا اثبات ہو گیا کہ یقیناً یہ سب معمولاتِ اہلسنت "صراطِ مستقیم" میں داخل ہیں اور ان معمولاتِ صالحین کا انکار کرنے والے بلاشبہ "صراطِ مستقیم" سے بھٹکنے والے ہیں! حضراتِ اقرآن مجید کی ایک دوسری آیت بھی اس موقع پر ملاحظہ فرمائیے حضرت حق جل مجدہ کا ارشاد ہے۔

وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُسْلِمِينَ تُولِجْهُمَا فِي سَاءَتِ مَقَادِرَ ۚ
یعنی جو شخص ہدایت ظاہر ہو جانے کے بعد بھی رسول کی مخالفت کرے گا۔ اور مومنین کے راستہ کے غیر کی پیروی کرے گا ہم اس کو اسی راہ پر لگا دیں گے جس راہ پر وہ چلا۔ اور ہم اس کو جہنم میں داخل کر دیں گے۔ اور وہ بہت ہی بُرا ٹھکانا ہے۔ (نساء)

مسلمانو! غور کرو کہ اس آیت میں خداوندِ عالم نے "سبیلِ المسلمین" کا لفظ ارشاد فرمایا جس کے معنی ہیں "مومنین کا طریقہ" اور یہ بھی فرمایا کہ جو طریقہ مومنین کی مخالفت کرتا ہے۔ وہ درحقیقت رسول کی مخالفت کرتا ہے اور جو رسول کی مخالفت کرتا ہے۔ وہ جہنمی ہے۔ حضرات! ان آیتوں کے بغور دیکھنے سے صاف صاف پتہ چلتا ہے کہ صراطِ مستقیم

اور "صراطِ الذین انعمت علیہم" یعنی العلامِ خداوندی پاتے والوں کا راستہ اور

سبیل المومنین یعنی مومنین کا طریقہ یہ سب ایک ہی ہیں۔

اب مسلمانو! تم مجھے بتاؤ کہ میلاد شریف اور قیام و سلام، انبیاء و اولیاء کی تعظیم، اور ان کا اکرام و احترام یہ سب ”مومنین“ کا طریقہ ہے یا ”کافرین“ کا دنیا میں وہ کون بصارت و بصیرت کا اندھا انسان ہے؟ جو اعمالِ صالحہ کو کافرین کا راستہ اور طریقہ کہہ سکتا ہے؟ یقیناً ہر شخص یہی کہے گا کہ بلاشبہ یہ راستہ اور طریقہ ”مومنین“ کا ہے تو پھر ثابت ہو گیا کہ یہ ”سبیل المومنین“ ہے۔ اور جب یہ ”سبیل المومنین“ ہے تو پھر ثابت ہو گیا کہ یہ ”صراط مستقیم“ ہے اور جب یہ صراط مستقیم ہے تو یہ ان ہی لوگوں کا راستہ ہے جن پر انعام خداوندی ہے اور جو اس راستے سے ہٹنے اور بھٹکنے والے ہیں وہ یقیناً ”صراط مستقیم“ سے بہکنے والے ہیں۔ اور بلاشبہ ان دو راستوں کے راہی ہیں جو مغضوب علیہم اور ضالین کا راستہ ہے۔ کیونکہ میں عرض کر چکا کہ سورہ فاتحہ نے اعلان کر دیا ہے کہ کل تین ہی راستے ہیں۔ عزیز و اور دوستو! اب تینوں راستے آپ کے سامنے ہیں۔ اور تینوں راستوں پر چلنے والوں کا انجام بھی آپ کے پیش نظر ہے۔ اب تم خود ہی سوچ لو کہ تم کو کون سے راستے پر چلنا ہے!

حضرات! آپ اس کے سوا اور کیا کہیں گے؟ کہ ہم کو ”صراط مستقیم“ پر چلنا ہے جو ان لوگوں کا راستہ ہے جو انعام خداوندی کی دولتوں سے مالا مال ہو کر دولتوں جہان کی سعادتوں سے سرفراز ہو گئے۔ خداوند کریم، ہمیں اور آپ کو اسی مقدس راستے پر چلائے اور خاتمہ بالخیر عطا فرمائے (آمین)

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد و آلہ وصحبہ اجمعین۔



تیسواں وعظ

روز ازل کے دو اہل امین

محمد سے صفت پوچھو خدا کی

خدا سے پوچھئے شان محمد



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

مُحَمَّدٌ وَنُصَلِّيَ عَلَى رَسُولِهِ الْكَرِيمِ

أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

وَإِذَا أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَا آتَيْنَاكُمْ مِنْ كِتَابٍ وَ

حِكْمَةٍ ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ

وَلَتَنْصُرُنَّهُ قَالُوا أَأَقْرَرْتُمْ وَأَخَذْتُمْ عَلَىٰ ذَٰلِكُمْ إِصْرِي

قَالُوا أَأَقْرَرْنَا وَقَالَ فَاشْهَدُوا وَإِنَّا مَعَكُمْ مِنَ الشَّاهِدِينَ

فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ (آل عمران)

حضرات گرامی ایک ایک بار یہ آواز بلند بارگاہ رسالت میں درود و سلام کا نذرانہ عقیدت

پیش کیجئے۔ اور کیف و سرور میں جھوم جھوم کر پڑھئے !

صَلِّ عَلَى رَسُولِنَا صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ

صَلِّ عَلَى نَبِيِّنَا صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ

صَلِّ عَلَى شَفِيعِنَا صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ

صَلِّ عَلَى حَبِيبِنَا صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ

حضرات! الحمد للہ۔ کہ ہم اور آپ اس وقت ایک جلسہ ”سیرۃ النبی“ میں حاضری کی سعادت سے سرفراز ہو رہے ہیں، اور خداوند قدوس کے محبوب اکرم رسول اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر جمیل سے اپنی ایمانی زندگی کی حیاتِ جاودانی کا سامان کر رہے ہیں۔ جن کی ذاتِ گرامی سے والہانہ محبت عین ایمان، بلکہ ایمان کی جان ہے۔ سبحان اللہ

وہ دانائے سُبُل، ختم الرُّسُل، مولائے کل جس نے

غبارِ راہ کو بخشا، فرودِ وادی سینا،

نگارِ عشق و مستی میں وہی اول وہی آخر

وہی قرآن، وہی فرقان، وہی یس وہی طلا

برادرانِ ملت! اس قسم کے نورانی اجلاس صرف یہیں نہیں۔ بلکہ ملک کے گوشہ گوشہ میں بلکہ تمام عالم اسلام میں پوری شوکت و شان اور نہایت ہی آن بان کے ساتھ ہمیشہ منعقد ہوتے ہی رہتے ہیں۔ اور ان شاء اللہ تعالیٰ قیامت تک ان جلسوں کا سلسلہ جاری ہی رہے گا۔

رہے گایوں ہی ان کا چرچا رہے گا

پڑے خاک ہو جائیں جل جانے والے

حضرات! اس وقت خطبہ کے بعد میں نے سورہ آل عمران کی جن دو آیتوں کی تلاوت کا شرف حاصل کیا ہے۔ ان دو آیتوں کا مضمون کیا ہے؟ آپ کو یہ سن کر بڑا تعجب ہو گا۔ کہ یہ دونوں آیتیں اسی قسم کے ایک بہت ہی عظیم الشان اجلاس ”سیرۃ النبی“ کی مکمل روداد اور مفصل رپورٹ ہیں۔ یہ عظیم الشان اجلاس اس وقت منعقد ہوا تھا جب روئے زمین پر انسان کا جنم بھی نہیں ہوا تھا بلکہ روح انسانی کا جسم انسانی سے ملاپ بھی نہیں ہوا تھا۔ اس ایمانی اجلاس اور روحانی اجتماع کا انعقاد عالم ارواح میں ہوا۔ اور اس بے مثل دے مثال جلسے کو خود خداوند مہم یزل و لایزال نے منعقد فرما کر خود ہی اس اجلاس کو اپنے خطاب سے سرفراز فرمایا!

حضرات گرامی! بات اگنی ہے تو ذرا تفصیل سے سن لیجئے۔ خالق کائنات جل جلالہ

نے انسان کے روئے زمین پر آباد ہونے سے بہت پہلے عالم ازل میں دو بڑے

ہی عظیم الشان جلسوں کا انعقاد فرمایا ایک "جلسہ توحید" دوسرا "جلسہ سیرت" جلسہ توحید ایک عام جلسہ تھا جس میں عوام و خواص سبھی شریک اجلاس تھے، لیکن جلسہ سیرت بہت خاص الخاص اجلاس تھا جس میں صرف ایسے خواص ہی مدعو تھے جو ساری کائنات عالم میں سب سے افضل و اعلیٰ تھے اور ان دونوں جلسوں کو خود خلاق عالم نے اپنے شرف خطاب سے نوازا۔ اور حاضرین اجلاس کو اپنے کلمات طیبات کی لطافتوں، اور اپنے کلام بلاغت نظام کی لذتوں سے لطف اندوز فرمایا، سبحان اللہ۔ سبحان اللہ! ان دونوں جلسوں کی عظمت و جلالت کا کیا کہنا؟ جن جلسوں کا داعی و بانی خلاق عالم ہو۔ اور ان دونوں جلسوں کی کیفیت خطاب کی لذت کا کیا پوچھنا؟ جس میں خداوند قدوس کی شانِ کبریائی نے اپنی تجلّی خطابت کے جلووں سے سامعین کی دنیا سے دل و دماغ کو جگمگا دیا ہو۔ اللہ۔ اللہ! یہ جلسے تھے؟ یا رحمت الہی کی وہ بہشت تھی جس کے ہر نقش و نگار پر تمام جنّتوں کی عنایاں قربان تھیں۔ اللہ اکبر! یہ خداوند قدوس کا خطاب تھا؟ یا اس کے انوار فضل و کرم کی وہ موسلا دھار بارش تھی کہ جس کی ایک بوند اگر جہنم کے دہکتے ہوئے شعلوں پر پڑ جائے تو آگ میں ایسے ہرے بھرے باغ لگ جائیں کہ فردوسی چمن اور جنّتی گلشن اس سے سربزری و شادابی کی بھیک مانگنے لگیں، سبحان اللہ! ان جلسوں کے حسین مناظر پر جس کائنات کی دلفریبیاں تصدّق، اور اس خطاب خداوندی کی لذتوں پر غلّتی نعمتوں کی جان قربان۔ واللہ! اب ان مقدّس جلسوں کے نورانی مناظر کے دیدار کے لئے قیامت تک کائنات عالم کی مشتاق نگاہیں ترستی رہیں گی۔ اور بخدا اس خطاب خداوندی کی لذتوں کے لیے دنیا سے خواہ اس کی پیاس ہمیشہ تشنہ کام ہی رہے گی!

پڑھئے یہ آواز بلند ایک بار درود شریف وَصَلَّى اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ الْاَرْمَنِ وَالْاَلِهِ
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم صَلَوةً وَسَلَامًا عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ۔

بہر کیف اب میں روزِ ازل کے جلسہ توحید کی روداد سناتا ہوں اس
جلسہ توحید کے بعد جلسہ سیرت کی سرگزشت بھی ان شاء اللہ تعالیٰ آپ کے

سامنے پیش کر دوں گا۔

حضرت گرامی! حدیث شریف میں ہے کہ روز ازل میں پروردگار عالم نے حضرت آدم علیہ السلام کی پشت مبارک سے قیامت تک پیدا ہونے والے تمام انسانوں کو باہر نکالا۔ اور یہ سب ننھی ننھی چوٹیوں کی طرح ایک جگہ خدا کے حکم سے جمع ہو گئے۔ ظاہر ہے کہ یہ کتنا بڑا اجتماع عظیم ہو گا جس میں قیامت تک پیدا ہونے والے تمام اولین و آخرین۔ سبھی ایک جگہ ایک اجلاس میں جمع ہوں گے۔ اس عظیم الشان اجلاس کو خطاب فرماتے ہوئے حضرت حق جل جلالہ نے ارشاد فرمایا کہ ”اَنْتُمْ بِرَبِّكُمْ“ یعنی اے اولادِ آدم! بولو۔ اور جواب دو کہ کیا تم سب کا رب نہیں ہوں؟ تو تمام حاضرین اجلاس نے یک زبان ہو کر علی الاعلان یہ عرض کیا کہ ”بلیٰ“ یعنی کیوں نہیں۔ اے اللہ! ہم سب اس بات کا عہد و اقرار کرتے ہیں کہ بے شک تو ہی ہمارا رب ہے۔ خداوند قدوس نے ان انسانوں سے یہ اقراری بیان لے کر ہر انسان کو ایک دوسرے کے عہد و اقرار پر گواہ بنادیا۔ اور پھر اس کے بعد اس جلسہ اور اس عہد و میثاق کی وجہ اور اس کا سبب بھی حضرت حق نے بیان فرمادیا کہ ہم نے یہ جلسہ کے تمام انسانوں سے یہ عہد و اقرار اس لئے کر لیا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ تم لوگ قیامت میں یہ کہنے لگو۔ کہ اے اللہ! ہم تو اس سے غافل و نادان تھے اور ہم جانتے ہی نہیں تھے کہ تو ہمارا رب ہے اس لئے لاعلمی میں ہم شرک کر پٹھے۔ یا تم یہ کہنے لگو کہ اے اللہ! چونکہ ہمارے باپ دادا شرک کرتے تھے۔ اور ہم انہیں کی اولاد تھے۔ اس لئے ہم اپنے باپ دادا کے دھرم پر چل پڑے۔ لہذا اس میں ہمارا کوئی قصور نہیں۔ اصل مجرم تو ہمارے باپ دادا ہیں پھر ان کے گناہوں کی پاداش میں تو ہمیں کیوں عذاب دے رہا ہے؟ اس لئے اے انسانو! ہم نے تم پر اپنی حجت تمام کر لینے کے لیے اس جلسہ میں تم کو بلا کر تم سے اپنی ربوبیت اور توحید کا عہد لے لیا ہے تاکہ تمہارے لئے قیامت میں کسی قسم کے کسی عذر کی گنجائش باقی نہ رہ جائے!

حضرات! اب ذرا قرآن کی مقدس زبان سے بھی اس کا تفصیلی بیان سن لیجئے۔

ارشاد خداوندی ہے کہ

وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِي آدَمَ
یعنی اے محبوب! یاد کرو۔ جب تمہارے

مِنْ ظَهْمُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ
وَأَشْهَدَهُمْ عَلَى أَنْفُسِهِمْ
أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوا بَلَىٰ
شَهِدْنَا -

رب نے اولاد آدم کی پشت سے اتنی
نسل کو نکالا۔ اور انہیں خود ان کی ذاتوں پر
گواہ بنایا۔ اور یہ فرمایا کہ کیا میں تمہارا رب
نہیں ہوں؟ تو سب بولے کیوں نہیں۔ ہم
گواہ ہوئے۔

أَنْ تَقُولُوا يَوْمَ الْقِيَامَةِ
إِنَّا كُنَّا عَنْ هَذَا غَافِلِينَ
أَوْ تَقُولُوا إِنَّمَا أَشْرَكَ
آبَاؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا ذُرِّيَّةً
مِنْ بَعْدِهِمْ فَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ
الْمُبْطِلُونَ (اعراف)

یہ اس لئے ہوا کہ تم کہیں قیامت کے
دن یہ کہہ دو کہ ہمیں اس کی خبر نہ تھی۔
یا یہ کہہ دو کہ شرک تو پہلے ہمارے باپ
دادا نے کیا اور ہم ان کے بعد ان کے بچے
ہوئے۔ تو کیا (اے اللہ) تو ہم کو اس گناہ
پر ہلاک فرمائے گا جو اہل باطل نے کیا۔ ۶۰

برادرانِ اسلام! یہ تھی روز ازل کے جلسہ توحید کی روئداد کہ حضرت رب العزت
جل مجدہ نے تمام اولین و آخرین کو اس جلسہ میں بلا کر صرف دو مجلسوں میں تمام انسانوں سے
اپنی ربوبیت اور توحید کا عہد لیا۔ اور اپنی وحدانیت کا اقرار کرایا۔ اور وہ دونوں مجلس یہی
ہیں جن کو آپ سُن چکے کہ باری تعالیٰ نے "أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ" فرمایا۔ اور تمام انسانوں
نے بلی کہہ کر عہد کیا۔ پھر بانی اجلاس یعنی رب الناس جل جلالہ نے اس اجلاس کے
مقصد پر روشنی ڈال کر جلسہ کے اختتام کا اعلان فرمادیا!

جلسہ سیرت | حضرات! جلسہ توحید کی سرگزشت تو آپ نے سن لی۔ اب ذرا جلسہ
سیرت کی کارروائی بھی ملاحظہ فرمائیے۔ اس جلسہ میں خداوند عالم
نے تمام انسانوں کا عام اجتماع نہیں فرمایا۔ بلکہ انسانوں میں سے صرف ان مقدس اور
برگزیدہ نفوس قدسیہ کو مدعو فرمایا جو تمام کائناتِ عالم میں سب سے افضل و اعلیٰ ہیں اور
جن کے سروں پر رب العزت نے نبوت کا تاج رکھ کر اقلیم عظمت کا تاجدار بنایا ہے۔
چنانچہ تمام انبیائے کرام جب شریکِ اجلاس ہو چکے، تو حضرت حق جل و علّٰی نے ان

تاجدارانِ نبوت کو اپنے خطاب سے سرفراز فرماتے ہوئے یوں ارشاد فرمایا کہ اے
تاجدارانِ نبوت! سن لو۔ کہ میں تم لوگوں کو منصبِ نبوت کی عظمت سے سرفراز کروں
گا۔ اور تم لوگوں کو کتاب و حکمت کی انمول دولت سے مالا مال فرما کر تم کو اپنے بندوں
کی ہدایت کے لیے دنیا میں بھیجوں گا۔ پھر گلستانِ نبوت کا سب سے حسین پھول میرا
سب سے زیادہ پیارا رسول، جن کا نام نامی واسمِ گرامی ”محمد“ ہے وہ دنیا میں تشریف
لائیں گے۔ اور تمہاری نبوت و رسالت پر اور تمہاری کتاب و شریعت پر اپنی مہر تصدیق
ثبت فرما کر تمہاری صداقت کا علم بلند فرمائیں گے تو اے نبوت کے تاجدارو! تم میرے
اس دربار میں اس شہنشاہ رسالت کیلئے حلف و فاداری اٹھاؤ۔ اور عہد کرو کہ اگر وہ تمہارے
دور میں تشریف لائیں تو تم ضرور ضرور ان پر ایمان لاؤ گے اور ضرور ضرور ان کی امداد و
نصرت کے لیے کمر بستہ ہو کر تیار ہو جاؤ گے حضرت حق جل جلالہ کا یہ فرمانِ خداوندی
سن کر تمام انبیاء و مرسلین نے پورے پورے جذبہ اطاعت شناری کے ساتھ دربارِ
باری میں عہد و فاداری کا اعلان کیا۔ اور پھر خداوندِ قدوس نے طرح طرح سے اپنے فرمانِ
خداوندی کی ہیبت و جلال سے اس عہد و پیمان کو محکم و مستحکم فرمایا۔ اور کس کس طرح اس
عہد و میثاق پر تاکید کی مہر ثبت فرمائی۔ اس کا تفصیلی بیان ذرا قرآن کی مقدس زبان سے سنئے
حضرت حق مجل مجدہ، کا ارشاد ہے کہ۔

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيثَاقَ	یعنی اے محبوب! اس وقت کو یاد
النَّبِيِّينَ لَمَّا اَتَيْنٰكُمْ مِنْ	کہجئے جب اللہ تعالیٰ نے تمام نبیوں
كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ شَرْ	سے اس بات کا پختہ عہد لیا تھا کہ
جَاؤْكُمْ رُسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ	میں جو تم کو کتاب و حکمت دوں۔ پھر
يَمَّا مَعَكُمْ لَتَوْمِئْنَ	تمہارے پاس وہ رسول تشریف
بِهٖ وَكَتَبْنَا بَيْنَهُ	لائے۔ جو تمہاری کتابوں کی تصدیق

کہے تو تم ضرور ضرور ان پر ایمان
لانا۔ اور ضرور ضرور ان کی مدد کرنا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کیا تم لوگوں
نے اس کا اقرار کیا؟ اور اس پر میرا
بھاری عہد لیا۔

تو تمام نبیوں نے کہا کہ ہم نے
اس عہد کا اقرار کیا۔

خداوند تعالیٰ نے فرمایا کہ تو پھر
اس عہد کے اقرار پر تم لوگ ایک
دوسرے کے گواہ بن جاؤ اور میں
بھی تم لوگوں کیساتھ گواہوں میں ہوں
تو اب جو کوئی اس کے بعد
اقرار سے پھرے گا تو وہی لوگ
فاسق ہیں۔

قَالَ اَقْرَرْتُمْ وَا
اَخَذْتُمْ عَلٰی ذٰلِكُمْ
اٰصْرِيْ ط

قَالُوْا اَقْرَرْنَا۔

قَالَ فَاَشْهَدُوْا وَاَنَا
مَعَكُمْ مِّنَ الشَّاهِدِيْنَ ط

فَمَنْ كُوْنِيْ بَعْدَ ذٰلِكَ
فَاُوَلِّكَ هُوَ الْفٰسِقُوْنَ ط

(آل عمران)

مسلمانو! خطاب الہی کی اس پُر جلال عظمت پر ایک نگاہ ڈالو۔ کہ ابھی یہ انبیاء کرام
دنیا میں تشریف بھی نہیں لائے ہیں۔ نہ ابھی بنی آخر الزمان نے اس عالم رنگ و بو کو اپنے
مقدس قدموں سے پا مال فرمایا ہے۔ ابھی سب کے سب عالم ارواح کی دنیا میں آباد
ہیں مگر ابھی سے جناب باری عزّ اسمہ نے تمام نبیوں اور رسولوں سے حضور خاتم النبیین
صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق و وفاداری، اور نصرت و خدمت گزاری کا عہد محکم لے لیا۔
اور عہد بھی کیسا؟ ایسا عہد جس کا نام ”میثاق“ ہے یعنی اتنا مضبوط و محکم عہد اور وعدہ
جو کبھی ٹوٹ نہ سکے۔ پھر ذرا خداوند عالم کی شانِ تکلم کا پُر جلال تیور تو ملاحظہ فرمائیے
پہلے تو لام تاکید یا لون تاکید کے ساتھ یہ شہنشاہی آرڈر دیا جاتا ہے۔ کہ لَتُؤْمِنُنَّ

کہ ضرور ضروران پر ایمان لاتا اور صرف ایمان لانا ہی تمہارا فریضہ نہیں بلکہ و لتَنْصُوتَہ یعنی یہ بھی تمہاری ڈیوٹی کے ذرائع کا اہم ترین فریضہ ہے کہ تم جہاں بھی رہو جس حال میں بھی رہو جس کام میں بھی رہو بہر حال ہر دم ہر قدم پر نبی آخر الزمان کی نصرت و باری اور پوری پوری خدمت گزار رہی بھی کرتے رہو اور اپنے تن من دھن کے ساتھ ان کے چشم و ابرو کے ہر اشارہ پر وفاداری اور جان نثاری کے جذبہ سے اپنا سب کچھ قربان کرنے کیلئے تیار رہو۔

حضرات! خداوند ذوالجلال کا یہ پُر جلال فرمان ہی انبیائے کرام کے لیے بہت کافی تھا۔ کیونکہ یہ ممکن ہی نہیں تھا کہ معصوموں کی یہ مقدس جماعت فرمان الہی کی تعمیل سے ذرہ برابر بھی روگردانی یا کوتاہی کرتی۔ مگر حضرت حق کے جلال نے اپنے اس فرمان ہی پر اکتفا نہیں فرمایا۔ بلکہ اپنے اس فرمان والا شان کے بعد اپنے شہنشاہی آمرانہ انداز، اور حاکمانہ لہجہ میں انبیائے کرام سے سوال فرمایا کہ ”کیا تم لوگوں نے میرے اس فرمان کی اطاعت گزاری اور فرمان برداری کا اقرار کر لیا؟“ اس کے جواب میں تمام نبیوں اور رسولوں نے اپنے انتہائی جذبہ عبودیت و جوش اطاعت کے ساتھ ”آقَرَرْنَا“ کہہ خدا کے اس حکم کی فرمان برداری کا اقرار کیا۔ پھر اس اقرار عہد کے بعد بھی رب العزت نے جلسہ برخواست کرنے کا اعلان نہیں فرمایا۔ بلکہ ایک دوسرا آرڈر دیا کہ فَاشْهَدُوا وَآفَآءَ مَعَكُمْ مِنَ الشَّٰهِدِیْنَ ؕ یعنی اسے نبوت کے تاجدار و ائم نے اپنے سب سے بڑے شہنشاہ رسالت کی تصدیق و اطاعت کا حلف و فاداری تو اٹھایا لیکن اب تم لوگ اپنے اس عہد کے اقرار پر ایک دوسرے کے گواہ بن جاؤ۔ اور میں خود بھی تمہارے اس اقرار پر گواہ ہوں۔

حضرات گرامی! پروردگار عالم نے فرمان صادر فرمایا۔ پھر حضرات انبیائے کرام سے اس فرمان کی قبولیت و اطاعت کا اقرار بھی کرایا۔ پھر اس اقرار پر سب کو گواہ بھی بنا لیا۔ پھر خود بھی اپنے گواہ ہونے کا اعلان فرما دیا۔ مگر اب بھی خطاب الہی کا جلال ختم نہیں ہوا۔ بلکہ انبیائے معصومین کو جن سے معصیت و روگردانی کا کوئی امکان ہی نہیں تھا ایک وعید شدید سناتا کہ ایسی تاکید مزید فرمادی کہ رسول تو رسول، نبی تو نبی ان کا کوئی ادنیٰ امتی بھی نافرمانی کے تصور ہی سے لرزہ پر اندام ہو جائے۔ چنانچہ

استاد فرمایا کہ۔

فَمَنْ كُوِّنَ بَعْدَ ذَٰلِكَ
يَعْنِي جو کوئی اس کے بعد اپنے
عہد سے پھرے گا اس کا نام فاسقوں
کی فہرست میں لکھ دیا جائے گا۔

دونوں جلسوں کا فرق | برادران ملت! آپ نے روزِ ازل کے اجلاسِ توحید
اور جلسہ سیرت دونوں کی مفصل رپورٹ ملاحظہ فرمائی

”اجلاسِ توحید“ ایک دربارِ عام تھا جس میں انبیاء و مرسلین بھی شریک اجلاس تھے
اور دوسرے قیامت تک پیدا ہونے والے تمام انسان بھی حاضر تھے۔ مگر ”جلسہ
ایک دربارِ خاص“ تھا۔ جس میں انبیاء و مرسلین کے سوا کسی کا گزر نہیں تھا۔ اجلاسِ توحید میں
خداوند ذوالجلال نے تمام انسانوں سے اپنی توحید و ربوبیت کا عہد لیا۔ اور جلسہ سیرت
میں تمام انبیاء اور رسولوں سے حضور خاتم النبیین ﷺ کی تصدیق و نفرت کا عہد لیا۔

حضرات! اگر آپ نے میری تقریر کو غور سے سنا ہے تو یقیناً آپ نے خداوندِ عالم
کے طرزِ خطاب سے اندازہ لگایا ہو گا۔ کہ خلاقِ عالم نے انبیاءِ کرام سے اپنے
حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تصدیق و نفرت اور امداد و اعانت کے لئے کس شان کے
ساتھ عہد لیا؟ اور اس عہد و میثاق کے اتمام و استحکام میں کس قدر اور کتنا عظیم الشان
اہتمام فرمایا؟ یہ سب کچھ اس لئے تھا کہ حضرت حق جل جلالہ کو انبیاء کے کرام پر اس حقیقت
کو واضح کرنا تھا کہ اسے تاجدارانِ نبوت! تم کو اگرچہ میں نے منصبِ نبوت پر فائز فرمایا
ہے۔ مگر یاد رکھو کہ تم کو اپنے اُمّتیوں پر فضل و کمال کی جتنی فوقیت حاصل ہے اس سے
کہیں زیادہ بڑھ کر تمہارے اوپر شہنشاہِ رسالت کو افضلیت حاصل ہے تم انبیاء ہو تو
وہ امام الانبیاء ہیں۔ تم نبیین ہو تو وہ خاتم النبیین ہیں۔ تم مرسلین ہو تو وہ سید المرسلین
ہیں۔ وہ مراتب و درجات، اور فضائل و کمالات کے اتنے بڑے بادشاہ بلکہ شہنشاہ
ہیں کہ تمہاری نبوت کے تاج ان کے دربارِ جو و وسخا میں کاسہِ گدائی کی حیثیت رکھتے
ہیں، اس لئے تم پر لازم ہے کہ تم اپنے دلوں کی گہرائیوں میں ان کی تصدیق کے
چراغ روشن کر کے اپنی نبوت کے تاج کو عزت و عظمت کا آفتاب بنا لو۔ اور جذبہ

عقیدت و جوش اطاعت کے ساتھ ان کی حمایت و نصرت کا علم بلند کر کے اپنے عزت و وقار کے پرچم کو سر بلند کر لو!

حضرات گرامی! اسی عہد ربانی کا جلوہ ہے کہ ہر نبی و رسول اپنے اپنے دور میں حضور نبی آخر الزمان خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کا نقیب، اور ان کی مدد و ثنا کا خطیب رہا۔ چنانچہ حضرت آدم صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر حضرت عیسیٰ روح اللہ تک جتنے نبی و رسول دنیا میں تشریف لائے سبھی نبی آخر الزمان کی آمد کا مشرودہ سنانے رہے۔ اور طرح طرح سے بارگاہ عظمت میں اپنی نیاز مند یوں کا اندازہ عقیدت پیش کرتے رہے!

حضرت آدم کا وسیلہ | چنانچہ خدا کے سب سے پہلے نبی حضرت آدم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا مانگی تو جناب باری میں گریہ و زاری کے ساتھ یوں عرض کیا کہ یا رب! سَأَسْأَلُكَ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ أَنْ تَغْفِرَ لِي۔

یعنی اے میرے پروردگار! میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل میں اپنی مغفرت کی دعا کرتا ہوں۔ خداوند عالم نے ارشاد فرمایا کہ اے آدم! تم نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کیونکر اور کس طرح جانا اور پہچانا؟ میں نے تو انہیں ابھی پیدا بھی نہیں فرمایا ہے حضرت آدم نے عرض کیا کہ اے میرے پروردگار! جب تو نے مجھے پیدا فرمایا تو میں نے سرائٹھا کہ جو دیکھا تو مجھے عرش پر لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ کا کتبہ نظر آیا۔ تو میں نے اسی وقت یہ جان لیا تھا کہ تیرے نام کے ساتھ جس کا نام عرش پر لکھا ہوا ہے۔ یقیناً یہ وہ ہستی ہے کہ اس سے بڑھ کر کوئی تیرا محبوب نہیں ہو سکتا اس وقت خداوند عالم نے فرمایا کہ اے آدم! تم نے بالکل سچ کہا۔ إِنَّهُ أَحَبُّ الْخَلْقِ إِلَيَّ فَغَفَرْتُ لَكَ وَكَوَلَا مُحَمَّدٌ لَمَّا خَلَقْتُكَ۔ (روح البیان ض ۲۳۱ حزاب) یعنی بیشک وہ تمام مخلوق میں سب سے بڑھ کر میرا محبوب اور پیارا ہے۔ اور میں نے اے آدم! تم کو اپنی مغفرت کی ثنائیوں سے اس کے طفیل میں سرفراز فرمادیا اور اے آدم

سن لو، اگر محمد نہ ہوتے تو میں تم کو پیدا ہی نہیں فرماتا۔
 اگر نام محمد را بنادر دے شفیع آدم
 نہ آدم یافتے تو بہ نہ نوح از غرق بنجینا

یعنی اگر حضرت آدم علیہ السلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نام نامی کو اپنا شفیع
 نہ بناتے اور حضرت نوح علیہ السلام اپنی کشتی کے ماتھے پر محمد رسول اللہ کا طغریٰ نہ تحریر فرماتے
 تو نہ حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ مقبول ہوتی۔ اور نہ حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی طوفان کی
 موجوں سے ساحل نجات پر پہنچتی!

دُعائے خلیل اللہ | اسی طرح کعبہ کے بانی حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ
 والسلام نے بیت اللہ کی تعمیر سے فارغ ہو کر جو دعائے مانگی

اس میں نبی آخر الزمان کی تشریف آوری کے لئے خدا سے ان لفظوں میں التجا کی۔ اور
 رب البیت کی بارگاہ عظمت میں یوں عرضی پیش کی کہ وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا
 مِّنْهُمْ۔ یعنی اے کعبہ کے رب! میرے نورِ نظر حضرت اسماعیل کی اولاد میں اپنے
 عظمت والے رسول نبی آخر الزمان کو مبعوث فرما دے چنانچہ آپ کی یہ پیاری پیاری
 دعا جناب باری کی بارگاہ عالی میں مقبول ہوئی کہ

ہوئے پہلوئے آمنہ سے ہویدا

دُعائے خلیل اور نوید مسیحا

لحن داؤدی کا نغمہ | اسی طرح حضرت داؤد علیہ السلام پر زبور شریف میں یہ
 وحی نازل ہوئی جس کو حضرت داؤد علیہ السلام اپنی لحن

داؤدی کی لے میں تمام عمر بنی اسرائیل کو سناتے رہے۔

یعنی اے داؤد (علیہ السلام)

عنقریب تمہارے بعد وہ تشریف لائے

والے ہیں جن کا نام احمد اور محمد ہے

وہ خدا کے سچے نبی ہیں، میں ان پر

يَا دَاوُدُ إِنَّا جَعَلْنَاكَ

بَعْدَكَ مِنْ أُمَّةٍ أَحْمَدُ

وَمُحَمَّدٌ صَادِقًا نَّبِيًّا لَا

أَبْغَضُ عَلَيْكَ أَبَدًا وَلَا

بعضی بھی ناراض نہیں ہوں گا۔ اور

وَاِنِّیْ فَضَّلْتُ مُحَمَّدًا وَ

اُمَّتَهُ عَلٰی الْاُمَمِ كُلِّهَا۔

اور میں نے ان کو اور ان کی امت کو تمام امتوں پر فضیلت عطا فرمائی ہے (بیہقی)

حضرت سلیمان کا فرمان | حضرت! اسی طرح منقول ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام

ایک روز اپنے تخت پر رونق افروز ہو کر ہوا کے دوش پر سفر فرما رہے تھے کہ ناگہاں آپ کا گزر مدینہ منورہ کی فضا پر ہوا، تو آپ نے فرمایا کہ

هَذِهِ دَارُ هَجْرَةٍ بَنِي اِسْرٰی

الزَّمَانِ طُوْبِي لِمَنْ اٰمَنَ وَ

اَتَّبَعَهُ۔ (نصرۃ الواعظین)

یعنی یہ شہر نبی آخر الزمان کی ہجرت کا مقام ہے خوش نصیب اس شخص کا جو ان پر ایمان لائے اور ان کی پیروی کرے

سبحان اللہ۔ سبحان اللہ! سچ ہے

وہ جس کی شان میں داؤد نے نغمہ سرائی کی

وہ جس کی یاد میں شاہ سلیمان نے گدائی کی

حضرت موسیٰ کا نعرہ | حضرت! اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام پر توراۃ میں یہ وحی الہی اتری جس کو خدا کے کلیم نے عمر بھر اپنے پر جلال

لہجہ میں اپنی امت کو سنایا کہ۔

يٰمُوسٰی مَنْ كُوْنُ مِنْ بَا حَمْدٍ

مِنْ جَمِیْعِ الْمُرْسَلِیْنَ وَ كُوْ

یَصْدِیْقٍ كَانَتْ حَسَنَاتُهُ مُرْدُوْدَةً

عَلَيْهِ وَ مَنْعَتْهُ حِفْظُ الْحِكْمَةِ

وَلَا اَدْخِلُ فِیْ قَلْبِهِ نُوْرًا اِلٰهٰی

وَاَمْحُوْا سَمَهُ مِنَ النَّبُوَّةِ۔

(مطالع المسرت)

یعنی اے موسیٰ! تمام رسولوں

میں سے جو بھی احمد پر ایمان نہیں لائے گا

تو میں اس کی تمام نیکیوں کو مردود

کردوں گا اور اس کو نہ حکمت کے

حفظ کی توفیق دوں گا اور نہ اس کے

قلب میں ہدایت کا نور داخل کروں گا

بلکہ نبوت کے دفتر سے اس کا نام

مشادوں گا

حضرت عیسیٰ کی بشارت | حضرات ایلوں ہی حضرت عیسیٰ روح امیر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں قرآن کی علی الاعلان

شہادت موجود ہے کہ۔

مُبَشِّرًا ۲ بِرَسُولٍ يَأْتِيهِ
مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ
أَحْمَدُ ۝
یعنی حضرت مسیح علیہ السلام یہ خوشخبری
سناتے ہوئے تشریف لائے کہ میرے
بعد ایک عظمت والے رسول تشریف
لانے والے ہیں جن کا نام نامی واسم

گرامی "احمد" ہوگا۔

سبحان اللہ! اے جس کی ہر اول فوج سلیمان جس کے منادی موسیٰ مراں

جس کے مبشر عیسیٰ مریم صلی اللہ علیہ وسلم!

حضرات! انبیائے بنی اسرائیل میں ایک حضرت مسیح علیہ السلام
ہی نہیں بلکہ اولاد یعقوب علیہ السلام میں مبعوث ہونے

والے ہر ہر بنی نے حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح و ثنا کا خطبہ پڑھتے ہوئے
ان کی بعثت کی خوشخبری سنائی۔ اور اپنی اپنی اُمتوں کے دلوں میں حضور نبی آخر الزمان
کی عظمت و محبت کا ایسا سکھ بٹھا دیا کہ یہ لوگ دن رات، صبح و شام ان کی جلوہ گری کا انتہائی
بے قراری کے ساتھ انتظار کرتے رہے، اور غامضانہ ان کی جناب تقدس مآب میں
طرح طرح سے نذرانہ عقیدت پیش کرتے رہے، چنانچہ قرآن مجید گواہ ہے کہ۔

وَكَانُوا مِنْ قَبْلُ
يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الَّذِينَ
كَفَرُوا ۝
یعنی بنی اسرائیل جب مشرکین سے
جہاد فرماتے تھے تو نبی آخر الزمان
کا وسیلہ پیش کر کے بارگاہ خداوندی
سے اپنی فتح و نصرت کی دعائیں

مانگا کرتے تھے۔

اور گریہ و زاری کے ساتھ جناب باری کے حضور اس طرح فریاد و استغاثہ پیش کیا کرتے تھے کہ۔

اللَّهُمَّ انصُرْنَا بِالنَّبِيِّ الْمُبْعُوثِ
فِي اخِرِ الزَّمَانِ الَّذِي
تَجِدُ صِفَتَهُ فِي التَّوْرَةِ.
یعنی الہی! تو اس نبیؐ کے
طفیل میں ہم کو کفار پر فتح و نصرت
عطا فرما جن کی صفت ہم توراۃ میں پاتے
ہیں۔

برادرانِ ملت! یہی وہ مضمون ہے جس کو حضرت مولانا جلال الدین رومی علیہ الرحمہ
نے اپنی مثنوی میں بڑی شان و شوکت کے ساتھ تحریر فرمایا ہے چند اشعار آپ بھی سن
لیجئے۔

سجدہ می کردند کاسے رب بشر
در عیاں آریش اُورا زود تر
یعنی بنی اسرائیل سجدے میں سرگرد گرد گریوں دعائیں مانگا کرتے تھے کہ اے رب!
تو جلد سے جلد تران کو ظاہر فرما دے۔
تا بنام احمد آل یستفتحون
باغیان شاں می شدندے سرنگوں
یہاں تک کہ وہ لوگ جب احمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لے کر خدا سے فتح و
نصرت کی دُعا مانگتے تو ان کے دشمن کفار و مشرکین مغلوب و سرنگوں ہو جایا کرتے تھے۔
ہر کجا حرب مہول آمدے
خوش نشان کر آری احمد بدے

جہاں بھی ادر جب بھی کوئی ہولناک جنگ ہوتی۔ تو حضور احمد صلی اللہ علیہ وسلم کا
امدادی حملہ بنی اسرائیل کا فریاد رس بن جاتا تھا اور ان کو فتح مبین نصیب ہو جاتی تھی!
حضرات! اسی طرح عیسائیوں کا ایک گروہ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ
نام محمد کا بوسہ | وسلم سے اس قدر دالہا نہ حسن اعتقاد رکھتا تھا کہ یہ لوگ انجیل میں

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے نام نامی کو فرط عقیدت سے چوم لیا کرتے تھے اور ان کے اس عمل کی یہ برکت تھی کہ وہ ہر قسم کی ذلت و خواری، اور افلاس و بیماری وغیرہ کی بلاؤں سے محفوظ رہتے تھے۔ اس واقعہ کو بھی مولانا مثنوی نے بڑی دل کشی کے ساتھ بیان فرمایا ہے وہ فرماتے ہیں کہ ے

بود در انجیل نام مصطفیٰ

اں سر پیغمبر ال، بحر صفا

یعنی انجیل میں تمام پیغمبروں کے سرور، اور صدق و صفا کے سمندر، پیارے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام اظہر تحریر تھا۔ ے

طائفہ نصرانیاں بہر ثواب،

چوں رسیدندے بآن نام و خطاب،

بوسہ دادندے بآن نام شریف

رونہادندے براں وصف لطیف

یعنی نصرانیوں کی ایک جماعت جب اس نام و خطاب تک پہنچتی تھی۔ تو ثواب سمجھ کر اس نام شریف کو چومتے تھے۔ اور آپ کے اوصاف پر تعظیماً اپنا چہرہ رکھ دیا کرتے تھے۔ ے

ایمن از شہ امیران و وزیر

در پناہ نام احمد مستحیر

یعنی یہ لوگ اپنے اس عمل کی برکت سے بادشاہوں اور وزیروں کے شر و فساد سے

بے خوف اور نام احمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پناہ میں رہتے تھے۔

نسل ایشان نیز ہم بسیار شد

نور احمد ناصر آمد، یار شد

ان لوگوں کی نسل بھی بہت زیادہ بڑھ گئی۔ کیوں نہ ہو؟ کہ احمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نور ان کا

ناصر و مددگار بن گیا!

اللہ اکبر! کہاں ہیں وہ گستاخ و بے ادب لوگ جو اذان و اقامت میں حضور صلی اللہ

علیہ وسلم کا نام سن کر تغلیم و ادب سے انگوٹھ چومنے والوں کا مذاق اڑاتے رہتے ہیں۔ وہ آنکھ کھول کر دیکھ لیں کہ نام محمد کے چومنے والوں کو کیسی کیسی برکتیں ملا کرتی ہیں۔ چنانچہ اذان میں نام محمد سن کر انگوٹھ چومنے والوں کے لئے یہ بشارت ہے کہ اللہ تعالیٰ وہ کبھی اندھے نہیں ہوں گے۔ اس موضوع پر دیکھ لو اعلیٰ حضرت قبلہ کا رسالہ (منیر العینین) مگر مسلمانو! یہ سب دیکھنا، دکھانا ماننے والوں کے لئے ہے۔ نہ ماننے والوں کے لئے تو ہزاروں دفتر، اور دلائل و شواہد کے سیکڑوں آفتاب و ماہتاب بھی بیکار ہی ہیں۔ نہ ماننے والوں کا تو بجز انکار اور عیب جوئی کے کوئی کام ہی نہیں رہتا غالباً آپ لوگوں نے ایک ہٹ دھرم عورت کا قصہ تو سنا ہی ہوگا!

سناہتے کہ ایک بہت ہی باکرامت ولی تھے۔ جن کی ولایت و کرامت کی لطیفہ | دھوم مچی ہوئی تھی۔ مگر ان کی بیوی صاحبہ کو ان سے کچھ ایسی چڑ ہو گئی تھی۔ کہ وہ ہمیشہ ان کی عیب جوئی میں مصروف رہا کرتی تھی۔ اور کسی طرح ان کی ولایت و کرامت کی قائل ہی نہیں ہوتی تھی۔ ایک دن باکرامت ولی کو جو جلال آیا۔ تو وہ ہوا پر اڑنے لگے اور اپنے مکان کے اوپر فضا میں کئی چکر لگا کر زمین پر اتر پڑے۔ ان کی بیوی نے جو ایک انسان کو ہوا میں اڑتے ہوئے دیکھا۔ تو اس کو بھید تعجب ہوا۔ اور اس کے دل پر اولیاء اللہ کی عظمت کا سکہ بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد باکرامت ولی جو مکان میں آئے۔ اور اپنے مصطفیٰ پر بیٹھ کر ذلیفہ پڑھنے لگے۔ تو بیوی نے تڑپ کر کہا۔ کہ تم کیا بیٹھے تسبیح پھر رہے ہو اور ذلیفہ گھومتے جا رہے ہو، کیا دھرا ہے تمہاری تسبیح اور ذلیفہ میں؟ میں نے آج ایک بزرگ کو دیکھا کہ وہ ہوا میں اڑ رہے تھے ایک تم ہو کہ کسی کام کے نہیں، باکرامت ولی نے فرمایا کہ کیا تم نے ان بزرگ کو ہوا میں اڑتے ہوئے اپنی آنکھوں سے دیکھا، بیوی نے چلا کر کہا کہ ہاں ہاں میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ وہ بے تکلف ہوا میں اڑتے ہوئے میرے مکان کے ارد گرد چکر لگا رہے تھے۔ باکرامت ولی نے فرمایا کہ اے اللہ کی بندی! وہ میں ہی تو تھا۔ تم نے میرا عمامہ، اور جبہ دیکھ کر بھی مجھے نہیں پہچانا۔ میں نے تو اڑتے ہوئے تمہیں دکھا دکھا کر مکان کے گرد کئی چکر لگائے تھے تاکہ تم میری یہ کرامت

دیکھ کر میری بدگوئی سے باز آ جاؤ۔ بیوی نے یہ سُن کر کہا کہ اچھا، اچھا وہ تم ہی تھے۔
 ٹھیک ہے میں سمجھ گئی۔ وہ تم ہی تھے۔ اسی لئے ذرا ٹھٹھڑا رہے تھے!

مسلمانو! دیکھ لیا آپ نے؛ ہٹ دھرم بیوی نے باکرامت ولی کو ہوا میں اڑتے ہوئے
 اپنی آنکھ سے دیکھا۔ مگر انکار کا کٹڑا اس کے دماغ سے نہیں نکلا۔ اور وہ نکتہ چینی اور عیب
 جوئی سے باز نہیں آئی۔ بالکل ٹھیک یہی حال منکرین کا ہے کہ ہزاروں دلائل کے دفتران کے
 سامنے رکھ دو۔ مگر وہ ہٹ دھرمی اور انکار سے باز آنے والے نہیں!

بہر کیف مجھے یہ عرض کرنا ہے کہ حضرات انبیائے کرام نے روز ازل کے جلسہ سیرت
 میں جس عہد کا حلف اٹھایا تھا۔ انہوں نے پوری طرح اپنے عہد کو پورا کیا۔ اور ان کی امتوں
 نے بھی حضور نبی آخر الزمان کی آمد سے پہلے اپنے انبیاء کی بشارتوں کو اپنے دلوں کی گہرائیوں
 میں جگہ دی یہ اور بات ہے کہ نبی آخر الزمان کی تشریف آوری کے بعد متاع دنیا کی حرص و
 ہوس نے بہت سے یہودیوں اور نصرائیوں کو نبی آخر الزمان پر ایمان لانے سے روک دیا
 جس کا انجام یہ ہوا کہ وہ دونوں جہان کی ذلت و خواری میں گرفتار ہوئے۔ اور خداوند قہار
 و جبار کی لعنتوں کے سزاوار اور عذاب ناز کے حق دار ہو گئے چنانچہ رب تعالیٰ کا ارشاد
 ہے کہ۔

یعنی یہود و نصاریٰ حضور نبی آخر الزمان
 کی تشریف آوری سے پہلے ان کے نام
 پاک کا وسیلہ بنا کر خدا سے نفع و نصرت
 کی دعائیں مانگا کرتے تھے۔ لیکن جب
 ان کا جاننا پہچانا ہوا رسول ان کے پاس
 آیا تو انہوں نے ان کے ساتھ کفر کیا یہ
 کفار خدا کی لعنت میں گرفتار اور اس کے
 قہر و غضب کی مار اور چٹکار سے دونوں
 جہان میں ذلیل و خوار ہو گئے!

وَكَانُوا مِنْ قَبْلُ
 يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الَّذِينَ
 كَفَرُوا فَلَمَّا جَاءَهُمْ
 مَا عَرَفُوا كَفَرُوا بِهِ
 فَلَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى
 الْكَافِرِينَ ۝

(بقرہ)

بمادرانِ ملت! میں نے آپ کا بہت کافی وقت لے لیا۔ مگر مجھے امید ہے کہ میرے
 ان کلمات سے انشاء اللہ تعالیٰ آپ کے ایمانی قلوب میں عظمتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم
 کے بہت سے چراغ روشن ہو گئے ہوں گے۔ اور محبتِ جلیب کے انوار سے آپ کے دل
 و دماغ کا ہر گوشہ منور ہو گیا ہو گا۔ اور یہ وہ عظیم مقصد ہے جو ایک مومن کے ایمان کا سب سے
 بڑا نصب العین ہے کیونکہ صرف میرا ہی نہیں بلکہ ہر صاحبِ ایمان مسلمان کا یہی عقیدہ ہے کہ
 کافر ہے وہ بد بخت ہو اس دل کو کہے دل
 جس دل میں نہ ہو الفتن سرکارِ مدینہ

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد و آلہ وصحبہ اجمعین



تین سو سال و غلط

حضرت عیسیٰ قرآن کے آئینے میں

کسے بگفت کہ عیسیٰ ز مصطفیٰ اولیٰ است

کہ ایں بزریر زمین است واک براوج سما است

بگفتش کہ نہ ایں قول معتبر باشد

جواب بر سر آب و گہر تہ دریا است



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

نَحْمَدُهُ وَنُصَلِّي عَلَى رَسُولِهِ الْكَرِيمِ

أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

إِنَّ مَثَلَ عِيسَىٰ عِنْدَ اللَّهِ كَمَثَلِ آدَمَ ۖ خَلَقَهُ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ
كُنْ فَيَكُونُ ۚ أَتُحَقُّ مِنْ رَبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِنَ الْمُسَاهِرِينَ ۚ فَمَنْ حَاجَّكَ فِيمِ مِنْ بَعْدِ مَا
جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ أَبْنَاءَنَا وَأَبْنَاءَكُمْ وَنِسَاءَنَا وَنِسَاءَكُمْ وَأَنْفُسَنَا
وَأَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَعْنَةَ اللَّهِ عَلَى الْكَاذِبِينَ ۚ (آل عمران)

صبا! نجویہ شوقم بہ آل جناب رساں
سلام ذرۃ بہ دربار آفتاب رساں
برآں مقام کہ آرامگاہ حضرت دوست
زمین بوس و سلام من خراب رساں

حضرات گرامی! ایک مرتبہ یہ آواز بلند درود شریف کا مبارک ورد فرمائیے۔

اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِهِ وَاصْحَابِهِ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ أَبَدًا أَبَدًا ط

برادرانِ ملت! سورہ آل عمران کی یہ آیات بینات قرآن کی وہ تاریخی آیات ہیں۔

جو "آیات مبایہ" کہلاتی ہیں۔ ان آیتوں میں حضرت حق جل مجدہ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اس واقعی حقیقت کا انکشاف فرمایا ہے جس پر یہود و نصاریٰ کے احبار و رہبان نے پر سول سے کذب و بہتان کا ایسا دیزیر پڑھ ڈال رکھا تھا کہ درود انسان اس حقیقت واقعیہ سے ناواقف ہونے کی بنا پر جہالت اور گمراہی کے بیابانوں میں بھٹک رہے تھے۔ اور انہیں "صراطِ مستقیم" کی شاہراہ نہیں مل رہی تھی۔ حضرات! یہ آفتاب سے بھی زیادہ روشن حقیقت ہے کہ ہمارے حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کو رب العالمین نے رحمۃً للعالمین بنا کر بھیجا۔ اور جس طرح دونوں جہاں کی کائناتِ عالم کو آپ کی رحمت کے خزانوں سے حصّہ ملا۔ اسی طرح حضراتِ انبیائے سابقین پر بھی آپ کے بارانِ رحمت کی ایسی بارش ہوئی کہ ان کے دقار و عظمت کے گلشن میں باغِ بہشت کی بہاروں سے بھی بڑھ کر بہار آگئی۔ رحمتِ عالم تشریف لائے تو تمام نبیوں اور رسولوں کی عظمتِ شان کا پرچم بلند سے بلند تر ہو گیا۔ اور انبیائے کرام کے آفتابِ عظمت کو چھپانے کے لیے یہود و نصاریٰ نے جو کذب و افتراء کی دیواریں کھڑی کر رکھی تھیں رحمتِ عالم کے اعلانِ حق کی آنکھوں سے پاش پاش ہو کر گرد و غبار کی طرح اڑ گئیں۔ اور عظمتِ انبیاء کا دامنِ تقدس آفتابِ عالم تاب کی طرح صاف و شفاف نظر آنے لگا!

برادرانِ ملت! رحمتِ عالم کے ظہور سے پہلے یہودیوں نے یہ پروپیگنڈہ پھیلا رکھا تھا کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام معاذ اللہ یہودی تھے۔ عیسائی چلا کر کہا کرتے تھے کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ نصرانی تھے۔ مشرکین مکہ کا یہ دعویٰ تھا کہ کعبہ کے بانی

حضرت خلیل اللہ معاذ اللہ مشرک تھے۔ اسی طرح یہودی حضرت سلیمان علیہ السلام کو جادوگر کہتے تھے اور حضرت داؤد حضرت لوط علیہما السلام پر انتہائی رکیک بہتان لگاتے تھے۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں تو افراط و تفریط کا یہ عالم تھا کہ یہودی ان کی مقدس ذات پر بہتانوں اور تہمتوں کے کیچڑ اچھالتے تھے۔ اور عیسائی ان کو خدا یا خدا کا بیٹا کہتے تھے۔ غرض ان پروپیگنڈوں کے شور و غوغائیں حقیقت کی آواز اس طرح گم ہو کر رہ گئی تھی۔ کہ تمام دنیا ان مقدس پیغمبروں کی حقیقی پوزیشن، اور ان کے مراتب و درجات کی واقعی عظمت سے جاہل و غافل بن چکی تھی۔ مگر خدا کی قسم! رحمت عالم کا یہ احسان عظیم ہے کہ آپ نے اس دنیا میں تشریف لا کر ان تمام نبیوں کی عصمت، ان کی براءت ان کی طہارت، ان کی صداقت، ان کی عظمت کی کھلم کھلا شہادت دی۔ اور ان کی حقیقی پوزیشن کے نشان کو بلند فرما کر قرآن کی زبان سے سارے عالم کو یہ اعلان سنایا کہ

كُلُّ قَوْمٍ لِّلصَّٰدِقِیْنَ ؕ (انعام) یعنی یہ سب انبیاء صالحین میں سے ہیں۔ رحمت عالم نے سب نبیوں کے اوصاف کا بیان، اور سب کی عظمت شان کا پتا اور نشان بتایا اور ان کے وقار و عظمت کے پرچم کو اتنا سر بلند فرمادیا کہ آسمانوں کی سر بلندیاں ان کے آگے سرنگوں ہو گئیں۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ارفع و اعلیٰ مقام کی عظمت کا اعلان کرتے ہوئے رحمت عالم نے قرآن کی زبان سے خدا کا یہ فرمان سارے جہاں کو سنایا کہ۔

مَا كَانَ اِبْرٰهٖمُ يَهُودِیًّا وَّلَا نَصْرٰنِیًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِیْفًا مُّسْلِمًا وَّمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ؕ (آل عمران)

یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام نہ یہودی تھے نہ نصرانی۔ بلکہ وہ تو ایک حق پرست مسلم تھے اور وہ مشرکین میں سے نہیں تھے۔

اسی طرح حضرت سلیمان علیہ السلام کے بارے میں یہ شہادت دی کہ

وَمَا كَفَرَ سُلَیْمٰنُ وَّلٰكِنَّ الشَّیْطٰنَ كَفَرُوْا

یعنی حضرت سلیمان علیہ السلام نے کفر کا کام جادو کبھی نہیں کیا۔ بلکہ شیطانوں نے کفر کیا۔

اسی طرح حضرت داؤد علیہ السلام اور دوسرے پیغمبروں کی عصمت اور برکت و صداقت

کا اعلان فرماتے ہوئے خدا کا فرمان سنایا کہ
 وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِ دَاوُدَ وَسُلَيْمٰنَ ۚ
 اَيُّوبَ وَيُوسُفَ وَمُوسٰى وَهٰرُونَ
 وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۝
 زَكَرِيَّا وَيَحْيٰى وَعِيسٰى وَإِلْيَاسَ
 كُلًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ (انعام)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد
 میں داؤد و سلیمان، و ایوب، و یوسف
 و موسیٰ و ہارون ہیں، اور ہم نیکو کاروں
 کو ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں، اور ذکر کیا،
 و یحییٰ، و عیسیٰ و الیاس یہ سب صالحین
 میں سے ہیں۔

اس طرح حضرت لوط علیہ السلام کی نبوت کا اظہار فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ
 وَاسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَيُوشَعَ
 نُوْحًا ۚ وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلٰى
 الْاٰخَرِيْنَ ۝ (انعام)

یعنی اسمعیل و الیسع اور یونس و لوط
 علیہم السلام ہر ایک کو ہم نے اس وقت
 میں تمام جہان والوں پر فضیلت دی۔

الغرض تمام انبیاء و مرسلین کی عصمت و عظمت، اور ان کی صداقت و نبوت سے سارے
 عالم کو روشناس اور آگاہ کر دیا۔ یہ انبیاء سابقین پر رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ
 احسان عظیم ہے کہ قیامت تک تمام نبیوں اور رسولوں کی زبانوں پر اگر یہ نعت کا شعر
 جاری رہے پھر بھی رحمت عالم کے اس احسان کا شکریہ ادا نہیں ہو سکتا کہ ہے
 سرود کہ از ہمہ دلبراں ستانی باج

چرا کہ بر سرِ زبان عالمی چوں تناج

برادرانِ ملت! جب رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام نبیوں اور رسولوں
 کی صحیح صحیح پوزیشن کا اعلان فرماتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہ
 خدا ہیں۔ نہ خدا کے بیٹے بلکہ وہ خدا کے مقدس بندے، اور رسول برحق ہیں، اور وہ
 بنیرباب کے کنواری مریم کے شکم مبارک سے پیدا ہوئے ہیں۔ تو نبی آخر الزمان کا یہ اعلان
 قرآن جیسے ہی یہود و نصاریٰ کے کان میں پہنچا۔ تو ان کے احبار و رہبان میں غیظ و
 غضب کے مہجانب کا ایک طوفان برپا ہو گیا۔ اور وہ اپنے کذب و بہتان کا پر وہ چاک
 ہوتے دیکھ کر اس قدر حیران و پریشان ہو گئے کہ اپنے طیش و غصہ کے جنوں میں سرکش

اوتھوں، اور جنگلی گدھوں کی طرح اپنی جہالت کے میدان میں بدکنے لگے اور اس آفتاب حقیقت کو چھپانے کے لیے اپنی طاغوتی طاقتوں کے بل پر قسم قسم کے پلان بنانے لگے اور تکذیب و انکار کے شور و غوغا سے اس آواز حق کو دبائے لگے۔ اور طرح طرح کے ہتھکنڈوں اور پردہ پیگنڈوں سے اس اعلان حق کو بے اثر بنانے کے لئے مکر و فریب کا جال بچھانے لگے۔ یہاں تک کہ نصرانیوں کے پوپ اور پادریوں نے اپنے عوام کو اپنے قابو میں رکھنے کے لیے نبی برحق کو اس مسئلہ پر مناظرہ کا چیلنج دے دیا۔

شانِ نزول

پچنانچہ خطبہ کے بعد میں نے جن آیتوں کو تلاوت کیا ہے ان کے نازل ہونے کا سبب یہی ہے کہ شہرِ نجران کے نصرانی پادریوں کا ایک جتھا جن کا یہ عقیدہ تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام معاذ اللہ خدا کے بیٹے ہیں۔ یہ سب کے سب مناظرہ کرتے کے لئے مدینے آگئے۔ ان کا سب سے بڑا عالم "عبدالمسیح" جس کا لقب "عاقب" تھا اس جتھے کا سرغنہ تھا۔ یہ لوگ غیظ و غضب میں بھرے ہوئے رحمتِ عالم کے دربار میں پہنچے۔ اور یہ سوال کیا کہ آپ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ رحمتِ عالم نے جواب دیا کہ حضرت عیسیٰ، اللہ کے بندے اور اس کے مقدس رسول ہیں جو کنواری مریم کے بطن مبارک سے بحکمِ خداوندی، بغیر باپ کے پیدا ہوئے۔ یہ سن کر نجران کے نصرانی آگ بگولہ ہو گئے۔ اور غصے میں تڑپ کر بولے کہ اے محمد! آپ یہ کیا کہہ رہے ہیں؟ کیا جہلا یہ ممکن ہے کہ کوئی انسان بغیر باپ کے پیدا ہو جائے؟ یہ تو بالکل ہی ناممکن اور محال بات ہے کہ کوئی بچہ بغیر باپ کے پیدا ہو جائے؟

حضرات! ٹھیک اسی حالت میں جب کہ یہ نصاریٰ بحث و تکرار، اور عناد و انکار کے جوش میں مایہ زار یہ کہہ رہے تھے کہ بغیر باپ کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا پیدا ہونا ممکن ہی نہیں ہے۔ رب العزت جل جلالہ نے ان ظالموں کی دہن دوزی فرمائی اور ان کو لا جواب کرنے کے لئے ان مقدس آیتوں کو نازل فرمایا۔

حضرات! اب آپ ان آیتوں کی تلاوت اور ان کا ترجمہ سنئے۔ اور غور فرمائیے

کہ کس طرح حضرت حق جلّالہ نے اپنے رسول کی تکذیب کرنے والوں کا مٹہ بند کر دیا اور ان کو ایسا دندان شکن جواب دیا کہ ان کی بولتی بند ہو گئی اور وہ دم دبا کر مدینے سے بھاگ نکلے! خداوند عالم نے ارشاد فرمایا کہ —

إِنَّ مَثَلَ عِيسَىٰ عِنْدَ اللَّهِ كَمَثَلِ
آدَمَ ۖ خَلَقَهُ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ
قَالَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ۚ

یعنی حضرت عیسیٰ کی مثال اللہ کے
مزدک حضرت آدم کی طرح ہے کہ اللہ
تعالیٰ نے حضرت آدم کو مٹی سے بنایا۔
پھر فرمادیا کہ ”تو ہو جا“ تو وہ فوراً ہو جاتا

ہے۔

حضرات! اس کا مطلب یہ ہے کہ اے نصرائیو! تم اس بات پر تعجب کرتے ہو کہ
حضرت عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ کے کیونکر اور کس طرح پیدا ہو گئے؟ تو اس سے
بڑھ کر تعجب کی بات تو یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام بغیر ماں باپ کے پیدا ہو گئے
خدا نے ان کو مٹی سے پیدا فرمادیا۔ اور تم لوگ اس پر ایمان رکھتے ہو کہ حضرت آدم علیہ السلام
بغیر ماں باپ کے مٹی سے پیدا ہوئے۔ تو پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بغیر باپ
کے پیدا ہو جانے پر تمہیں کیوں تعجب ہو رہا ہے؟ اور کیوں اس کا انکار کر رہے ہو؟ حضرت
عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ کے اپنی ماں کے شکم سے پیدا ہو گئے۔ بیشک یہ ایک عجیب
اور نادر بات ہے۔ لیکن حضرت آدم علیہ السلام کے تو نہ ماں ہیں نہ باپ یہ بغیر ماں باپ
کے مٹی سے پیدا ہو گئے۔ ان کی پیدائش تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے
بدرجہ عجیب اور نادر سے نادر تر ہے۔ پھر اے نصاریٰ! جب تم حضرت آدم علیہ السلام
کی بغیر ماں باپ کے پیدائش پر اعتقاد و ایمان رکھتے ہو۔ تو پھر تمہیں کیا حق ہے کہ تم
حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بغیر باپ کے تنہا ماں سے پیدا ہونے پر اعتراض و انکار کرو
جو خدا حضرت آدم علیہ السلام کو بغیر ماں باپ کے مٹی سے پیدا کر دینے پر قادر ہے۔ وہ یقیناً
یہ قدرت بھی رکھتا ہے کہ بت عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر باپ کے پیدا فرمادے۔

کیف ابداً گلی آیت کا ترجمہ سنئے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِنَ
الْمُتَكَبِّرِينَ ۝

اے سننے والے! یہ تیرے رب کی طرف
سے ایک حق بات ہے۔ تو تم اس میں کوئی
شک مت کرو۔

فَمَنْ حَاجَّكَ فِيهِ مِنْ
بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ
فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ أَبْنَاءَنَا وَ
أَبْنَاءَكُمْ وَنِسَاءَنَا وَنِسَاءَكُمْ
وَأَنْفُسَنَا وَأَنْفُسَكُمْ ثُمَّ
نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلُ لَعْنَتَ اللَّهِ
عَلَى الْكَاذِبِينَ ۝

پھر اے محبوب! جو تم سے حضرت عیسیٰ
کے بارے میں جھگڑا کریں اس کے بعد کہ تمہارے
پاس اس کا علم آچکا۔ تو تم ان لوگوں سے فرما
دو۔ کہ آؤ۔ ہم بلائیں اپنے بیٹوں کو اور تمہارے
بیٹوں کو۔ اور اپنی عورتوں کو اور تمہاری عورتوں
کو اور اپنی جانوں کو اور تمہاری جانوں کو پھر
ہم لوگ مباہلہ کریں۔ اور بھوٹوں پر اللہ کی
لعنت ڈالیں۔

حضرات! جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نجران کے نصرا نیوں کو یہ آیتیں پڑھ کر سنا
چکے۔ اور ان لوگوں کو مباہلہ کرنے کی دعوت دے دی۔ کہ چلو میدان میں نکل کر اس طرح
مباہلہ کریں کہ ہم دونوں فریق گڑگڑا کر خدا سے یہ دعا مانگیں کہ جو ہم میں سے بھوٹا، ہو اس پر
خدا کی لعنت برے اور اس پر خدا کی مار اور پھٹکار پڑ جائے اور وہ ہلاک و برباد ہو جائے
تو نجران کے نصاریٰ حیران اور دم بخود ہو کر رحمت عالم کا منہ تیکنے لگے۔ اور فرط حیرت
اور کمال و ہشت سے ان کی آنکھیں پٹی کی پٹی رہ گئیں۔ بالآخر یہ سب کے سب حیرانی و پریشانی
کے عالم میں اپنے گرد گھٹٹال عبدالمسیح سے مشورہ کرتے لگے۔ کہ آخر ہم محمد کے اس
چیلنج مباہلہ کا کیا جواب دیں؟ اور مباہلہ کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے۔

حضرات! عبدالمسیح جس کا لقب ”عاقب“ تھا۔ یہ انجیل کا اپنے دور میں سب
سے بڑا عالم، اور پُرانا گھسا گھسیا ہوا بہت امی خزانہ پادری تھا۔ اس نے جواب دیا
کہ اے جماعت نصاریٰ! اس میں کوئی شک نہیں کہ تم لوگ خوب اچھی طرح جان پہچان چکے
کہ ”محمد“ بلاشبہ اور یقیناً نبی آخر الزمان اور خاتم النبیین ہیں۔ اس لئے اب اس

کے بعد اگر تم لوگوں نے ان سے مباہلہ کیا تو یقیناً تم اور تمہارے اہل و عیال ہلاک، بلکہ تمہاری جائیداد اور سارا مال قہر خداوندی سے پامال ہو کر تباہ و برباد ہو جائے گا لہذا اگر تم لوگ زندہ و سلامت رہ کر نصرا نیت پر قائم رہنا چاہتے ہو تو خیریت اسی میں ہے کہ ان کو ان کے حال پر چھوڑ دو اور چپکے سے یہاں سے بھاگ نکلو! چنانچہ یہ سب کے سب مشورہ کر کے جب بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ رحمت عالم اپنی مقدس گود میں حضرت امام حسین کو اٹھائے ہوئے ہیں۔ اور حضرت امام حسن کی انگلی تھامے ہوئے ہیں۔ اور حضرت علی و حضرت بنی بی فاطمہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے کھڑے ہیں اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ان لوگوں سے فرما رہے ہیں کہ حبیب میں دعا کروں تو تم لوگ "آمین آمین" کہتے رہنا۔ عبدالمسیح اور اس کے ساتھیوں نے جو یہ منظر دیکھا تو بے خوف و دہشت کے ان کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ اور عبدالمسیح لرزہ بر اندام ہو کر کہنے لگا کہ اے نصرائیو! خدا کی قسم میں ایسے مقدس اور نورانی چہرے دیکھ رہا ہوں کہ اگر یہ لوگ خدا سے کسی پہاڑ کے ہٹا دینے کی دعا مانگیں۔ تو ان کی دعا سے خداوند تعالیٰ پہاڑ کو بھی اس کی جگہ سے ہٹا دے گا۔ لہذا خبردار خبردار۔ کبھی ہرگز ہرگز۔ تم بھی لوگ مباہلہ نہ کرو۔ ورنہ ہلاک ہو کر نیست و نابود ہو جاؤ گے۔ اور تمام روئے زمین پر ایک نصرائی بھی باقی نہیں رہے گا۔ عبدالمسیح کی یہ لرزہ خیز تقریر سن کر تمام عیسائی خوف و دہشت سے کانپنے لگے ہوش اٹ گئے۔ اور سب کے سب خوف و ہراس کا ایک خاموش اور اس مجسمہ بن کر رہ گئے اور لرزتی ہوئی زبانوں سے یک زبان ہو کر سب یہ عرض کرنے لگے کہ اے محمد! ہم آپ سے مباہلہ کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ بلکہ آپ ہم سے کچھ جزیہ لے کر صلح کر لیجئے۔ چنانچہ خوشی خوشی ان نصرائیوں نے جزیہ دینا قبول و منظور کر لیا۔ مگر مباہلہ کے لئے تیار نہیں ہوئے اور دم دبا کر مدینہ سے فرار ہو گئے!

حضرات! نصرائیوں کا یہ حال دیکھ کر رحمت عالم نے کیا فرمایا؛ ذرا یہ بھی سن لیجئے آپ نے ارشاد فرمایا کہ

"میں اس ذات پاک کی قسم کھا کر کہتا ہوں جس کے قبضہ قدرت میں میری

جان ہے۔ کہ نجران والوں کے سروں پر قہر خداوندی کا غلاب بالکل ہی قریب آن پہنچا تھا۔ اگر وہ مجھ سے مباہلہ کرتے تو دم زدن میں ایک دم سب کے سب بندوں اور سوروں کی شکل میں مسخ کر دے جاتے۔ اور خدا کے قہر و غضب کی آگ سے سارا جنگل بھڑک اٹھتا اور تمام اہل نجران بلکہ اس سر زمین کے چرند و پرند تک سب جل بھس کر راکھ کا ڈھیر بن جاتے اور ایک سال کے عرصے میں تمام روئے زمین کے عیسائی ہلاک و برباد ہو کر ہمیشہ کے لئے نیست و نابود ہو جاتے۔“
(روح البیان و صاوی وغیرہ)

حق و باطل کا آخری فیصلہ | برادرانِ ملت! اہل نجران کا مباہلہ سے انکار و فرار اس حقیقت کا کھلا ہوا اقرار ہے کہ احمد مختار علی اسد علیہ وسلم یقیناً صداقت شعار نبی برحق اور برگزیدہ پروردگار ہیں اور قیامت تک کے لئے اس مسئلہ کا قطعی فیصلہ ہو گیا کہ حضرات عیسیٰ ہرگز ہرگز خدا یا خدا کے بیٹے نہیں ہیں بلکہ وہ خدا کے بندے، اور خدا کے رسول، اور خدا کے حکم سے کنواری مقدس مریم کی گود میں بغیر باپ کے پیدا ہوئے۔ اور اس طرح خالق کائنات نے اپنی ایک عظیم قدرت کی ایک بہت بڑی نشانی ظاہر فرمادی۔ جیسا کہ خود حضرت حق جل جلالہ کا ارشاد ہے کہ
وَلَنَجْجَعَكَ آيَةً لِّتُنَبِّئَ بِرَحْمَتِ رَبِّكَ اِذْ رَحِمْتَ مَرْيَمَ اِذْ رَزَقْنَاهَا مِنْ غَدَقَتِنَا وَتَمَّتْ بِهَا الْحَمْدُ لِمَا رَزَقْنَاهَا مِنْ غَدَقَتِنَا وَتَمَّتْ بِهَا الْحَمْدُ لِمَا رَزَقْنَاهَا مِنْ غَدَقَتِنَا
کے پیدا فرمادیا تاکہ ان کو لوگوں کے لیے اپنی قدرت کا ایک عظیم الشان نشان، اور اپنی رحمت کا ایک انوکھا سامان بنادیں!

حضرات! یہ دنیا کا ایک مسلم الثبوت اصول ہے کہ جب کسی شخص کو اس کے ذاتی دالے پوری تلاش و جستجو اور مکمل چھان بین کے بعد صادق اور سچا تسلیم کر لیں۔ تو پھر اس کے بعد کسی دور میں بھی اس شخص کی صداقت اور سچائی کے بارے میں بحث و متجسس کی گنجائش باقی ہی نہیں رہتی ہے۔ لہذا اس اصول کے مطابق جب نجران کے وہ نصاریٰ جن کی علمی قابلیت اور معلومات کی وسعت پر تمام عیسائی دنیا کا اتفاق ہے۔ سب نے دعوت مباہلہ قبول کرتے

سے انکار کے نبی آخر الزمان کی صداقت کا اعتراف و اقرار کر لیا تو اب قیامت تک کسی عیسائی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اس مسئلہ پر بحث و مناظرہ کرے۔ بلکہ اگر اس میں سچائی کا ذرہ برابر بھی شاہد ہوگا تو وہ بھی نجران کے نصاریٰ کی طرح نبی آخر الزمان کی صداقت کو تسلیم کرے گا کیونکہ آیت مباہلہ کے بعد نصرائیوں کا مباہلہ سے انکار و فرار اور جزیہ کا بار اٹھالینا یہ حق و باطل کا آخری فیصلہ ہے۔ جو بالکل قطعی اور یقینی ہے۔

حضرات گرامی! اسلام کا یہی وہ مقدس عقیدہ ہے جس کو قرآن نے بار بار علی الاعلان بیان فرمایا۔ چنانچہ سورہ مائدہ کی مسلسل تین آیتوں میں حضرت حق جل مجدہ نے ارشاد فرمایا کہ۔

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ
وَقَالَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ
أَعْبُدُوا اللَّهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ إِنَّهُ مَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ
الْجَنَّةَ وَمَأْوَاهُ النَّارُ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنْصَارٍ ۝

یعنی بیشک کافر ہیں وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ اللہ وہی مسیح مریم کا بیٹا ہے۔ حالانکہ مسیح نے تو یہ کہا تھا کہ اے بنی اسرائیل تم اللہ کی بندگی کرو۔ جو میرا اور تمہارا رب ہے۔ بیشک جو کوئی اللہ کا شریک ٹھہرائے۔ تو اللہ نے اس پر جنت حرام کر دی اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہے۔ اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ ثَالِثُ ثَلَاثَةٍ وَمَا مِنْ إِلَهٍ إِلَّا إِلَهٌ وَاحِدٌ ۝

یقیناً کافر ہیں وہ لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ اللہ تین خداؤں (اللہ۔ عیسیٰ۔ مریم) میں کا تیسرا ہے۔ حالانکہ ایک خدا کے سوا کوئی خدا نہیں۔

وَإِنْ لَمْ يَنْتَهُوا عَمَّا يَقُولُونَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝

اور اگر یہ نصاریٰ اپنے عقیدہ سے باز نہ آئے تو جو لوگ ان میں سے کفر کی حالت میں مریں گے۔ ان کو ضرور دردناک عذاب پہنچے گا۔

أَفَلَا يَتُوبُونَ إِلَى اللَّهِ وَ
يَسْتَغْفِرُونَ لَهُ وَاللَّهُ غَفُورٌ
رَّحِيمٌ ۝

تو یہ لوگ کیوں نہیں خدا کے دربار میں
توبہ کر کے اس سے مغفرت مانگتے۔ اور اللہ
بڑا بخشنے والا بہت مہربان ہے۔

مَا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ إِلَّا
رَسُولٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ
وَأُمَمٌ ۖ صِدْقُهُ ۚ كَانَ نَايًا عَنِ
الطَّعَامِ ۚ أَنْظُرْ كَيْفَ تُبَيِّنُ لَهُمُ
الْآيَاتِ ثُمَّ أَنْظُرْ أَتَى يُؤْفَكُونَ ۝

مسیح بن مریم ایک رسول ہی ہیں۔ ان سے
پہلے بہت رسول ہو گزرے۔ اور ان کی ماں حلقہ
ہیں۔ یہ دونوں کھانا کھاتے تھے دیکھو تو ہم
کیسی صاف صاف نشانیاں ان لوگوں کے
لیے بیان کرتے ہیں؛ پھر دیکھو وہ کیسے اذمہ

(دعا شدہ) ہو جاتے ہیں؛

حضرات گرامی! میں سورہ مائدہ کی ان تینوں آیتوں کا نہایت ہی واضح ترجمہ آپ کو سنا
چکا۔ اب غور فرمائیے کہ ان مقدس آیات میں خالق کائنات نے عیسائیت کے تمام فرقوں
کا کتنی واضح عبارتوں میں کتنا بلیغ رد فرمادیا ہے۔ سب سے پہلی آیت یعنی لَقَدْ كَفَرَ
الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ ۖ سے خداوند قدوس
نے نصاریٰ کے ”فرقہ رعیقوبیہ“ کا رد فرمایا۔ ہو یہ فاسد عقیدہ رکھتے تھے کہ (معاذ اللہ) ”خدا“
حضرت عیسیٰ کی ذات میں حلول کر گیا ہے۔ اس لئے حضرت عیسیٰ ہی خدا ہیں۔ پھر لَقَدْ
كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ ثَلَاثَةٌ ۖ سے نصاریٰ کے ”فرقہ رمرقومیہ“ اور فرقہ
نسطوریہ کے عقیدہ باطلہ کو بھی کلمۃ الحق کی بمباریوں سے نیست و نابود کر دیا۔ جو اس عقیدہ
پر جے ہوئے تھے کہ (معاذ اللہ) اللہ عیسیٰ۔ مریم تینوں خدا ہیں۔ قرآن مجید نے ان فرقوں
کے کافر ہونے کا اعلان فرمادیا۔ پھر وَقَالَ الْمَسِيحُ يَبْنِي لَكُمْ أَيْلًا سے
حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا وعظ نقل کر کے اس مسئلہ پر تصدیق مسیح کی مہر لگا دی کہ حضرت عیسیٰ
علیہ السلام خود بھی خدا کی عبادت کرتے تھے۔ اور بنی اسرائیل کو بھی خدا ہی کی عبادت کا
حکم دیتے تھے۔ پھر مَا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ إِلَّا رَسُولٌ ۚ فرما کتنی وضاحت
اور صفائی کے ساتھ بیان فرمادیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تمام گزشتہ رسولوں کی طرح

ایک رسول ہی ہیں۔ وہ خدا یا خدا کے بیٹے نہیں بلکہ وہ حضرت مریم کے بیٹے ہیں۔ پھر گانا
 یا کُلِّی الطَّعَامَ سے ایک سورج سے زیادہ روشن، اور پہاڑ سے زیادہ بڑی دلیل پیش کر دی
 کہ جب حضرت عیسیٰ اور ان کی والدہ دونوں کھانا کھاتے تھے۔ تو وہ بھلا خدا یا خدا کے بیٹے
 کیونکر ہو سکتے ہیں؛ کیونکہ خدا کی ذات تو کھانے پینے سے پاک ہے ﴿مُمَدِّ صِدْقَةٍ﴾
 فرما کر یہودیوں کے اس بہتانِ عظیم کا تار و پود بکھر کر اس طرح حضرت مریم کی پاکدامنی کا چراغ
 روشن کر دیا کہ تمام امتِ مسلمہ کا منہ اچالا اور ملعون یہودیوں کا منہ کالا ہو گیا پھر اُنظُر
 کَيْفَ نُبَيِّنُ لَكُمُ الْآيَاتِ سے تنبیہ فرمادی کہ اے انسانو! دیکھ لو کہ ہم حضرت عیسیٰ
 کے خدا کا بندہ اور خدا کا رسول ہونے پر کیسی کیسی دلیلیں اور واضح نشانیاں بیان کرتے
 ہیں۔ کہ ان نشانیوں کو دیکھنے والے، اور ان دلائل کو سننے والے کے لیے ممکن ہی نہیں
 ہے کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا یا خدا کا بیٹا کہہ سکے۔ مگر اس کا کیا علاج ہے کہ نصاریٰ
 اس قدر چشمِ بصیرت کے اندھے، اور عقل کے اوندھے ہیں کہ وہ ان نشانیوں اور واضح
 دلیلوں سے کوئی سبق ہی نہیں لیتے۔ اور کوئی عبرت و نصیحت حاصل ہی نہیں کرتے بلکہ
 اپنے باپ داداؤں کی اندھی تقلید کے چکر میں بالکل ہی گھن چکر بن چکے ہیں۔ اور گمراہی
 کے اتنے گہرے اور اندھیرے غار میں گر پڑے ہیں کہ ان کو ہدایت کا آفتاب نظر
 ہی نہیں آتا!

حضراتِ محترم! سورہ مائدہ کی صرف انہی آیات میں نہیں بلکہ قرآن مجید کی بہت سی
 آیات مبارکہ میں حضرت حق جل جلالہ نے نصاریٰ کے عقائدِ باطلہ کا شدید رد فرماتے ہوئے
 ان لوگوں پر سخت زجر و توبیخ فرمائی ہے۔ چنانچہ سورہ توبہ میں ارشاد فرمایا کہ

وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرٌ ابْنُ
 اللَّهِ وَقَالَتِ النَّصَارَى الْمَسِيحُ ابْنُ اللَّهِ
 ذَلِكَ قَوْلُهُمْ بِآفْوَاهِهِمْ جَبْضَاهُمْ
 قَوْلَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِن قَبْلُ قَاتَلَهُمُ
 اللَّهُ أَتَى يَوْمَهُمُ ۖ

یعنی یہودیوں نے یہ کہا کہ حضرت عزیر
 علیہ السلام خدا کے بیٹے ہیں۔ اور نصاریٰ
 نے یہ کہا کہ حضرت مسیح علیہ السلام خدا کے
 بیٹے ہیں۔ یہ باتیں وہ اپنے منہ سے
 بکھتے ہیں۔ اگلے کافروں کی سی بات بناتے

ہیں۔ اللہ ان کو مارے یہ کہاں اوندھے
جاتے ہیں۔

اسی طرح ان لوگوں پر وعید شدید فرماتے ہوئے سورہ مریم میں ارشاد فرمایا کہ

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمَنُ

یعنی کافروں نے یہ کہا کہ رحمن نے

وَلَدًا ۚ لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا

کچھ لوگوں کو اولاد بنا لیا ہے۔ اے کافرو! تم بہت ہی بھاری بات لائے ہو۔ قریب

إِذَا ۚ تَكَادُ السَّمُوتُ يَتَفَطَّرْنَ

ہے کہ اس سے آسمان پھٹ پڑیں۔ اور

مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْأَرْضُ ۚ وَ

زمین شق ہو جائے۔ اور پہاڑ ڈھکڑھک کر

تَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًا ۚ أَتِ

جائیں اس بات پر کہ ان لوگوں نے

دَعَا لِلرَّحْمَنِ وَلَدًا ۚ

رحمن کے لیے اولاد بتائی۔

ۚ

حالانکہ یہ رحمن کی شان کے لائق

وَمَا يَنْبَغِي لِلرَّحْمَنِ

ہی نہیں ہے کہ وہ کسی کو اولاد بنا لے

أَنْ يَتَّخِذَ وَلَدًا ۚ

حضرات گرامی! غور فرمائیے کہ یہود و نصاریٰ ہوں یا مشرکین جن جن لوگوں نے خدا

کے لیے بیٹیا یا بیٹی ہونا بتایا۔ سب کو قادرِ مطلق نے کافر قرار دے کر اپنے تازیانہ عذاب

کی دہشت سے خوفزدہ فرمایا اور بڑے بڑے دلائل و براہین سے ثابت فرمادیا کہ خدا نے

کسی کو بھی اپنا بیٹیا یا بیٹی نہیں بتایا ہے۔ کیونکہ اس کی ذات کو یَدٌ وَكُوْنٌ وَكَوْنٌ

ہے یعنی نہ اس کی کوئی اولاد ہے۔ نہ وہ کسی کا بیٹا ہے۔

حضرات! بہر حال اب ذرا فجران سے آنے والے عیسائیوں کے سامنے قرآن

کے طرزِ استدلال پر غور فرمائیے کہ کتنا واضح؛ اور کس قدر دلکش انداز بیان ہے۔ کہ

سبحان اللہ۔ سبحان اللہ!

دوستو! اور بزرگو! دیکھو کسی نادر الوجود اور عجیب چیز کے انکار کرنے والے کو

قائل کرنے کی بہترین دلیل یہی ہے کہ اس کے سامنے اس کے مسلمات میں سے اس

سے بڑھ کر کوئی نادر الوجود اور عجیب چیز پیش کر دی جائے۔ یہ وہ طریقہ استدلال ہے

کہ اس کا جواب ہی ممکن نہیں ہے۔ غور فرمائیے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بغیر باپ کے پیدا ہونا نصرانیوں نے اس کو نادر الوجود، اور عجیب بلکہ تعجب خیز چیز سمجھ کر اس کا انکار کیا۔ تو قاطعاً السموات والارض نے ان لوگوں کے سامنے حضرت آدم علیہ السلام کے پیدا ہونے کا واقعہ پیش کر دیا۔ اور فرمایا کہ جب تم لوگ حضرت آدم علیہ السلام کا بغیر ماں باپ کے مٹی سے پیدا ہو جانا تسلیم کرتے ہو۔ اور اس پر ایمان رکھتے ہو۔ تو پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بغیر باپ کے پیدا ہو جانا تمہارے نزدیک قابلِ انکار کیوں ہے؟ حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے کہیں زیادہ عجیب تر ہے۔ پھر تم لوگوں سے بڑھ کر بے وقوف اور کم عقل کون ہو گا؟ کہ عجیب تر اور زیادہ نادر الوجود چیز پر تو ایمان رکھتے ہو۔ اور اس سے کم درجے کی عجیب چیز کا انکار کرتے ہو؟

حضرات! قرآن کی یہ وہ دلیل و برہان ہے کہ نجران کے نصاریٰ حیران رہ گئے۔ مگر افسوس کہ پھر بھی ایمان نہیں لائے۔ اور اپنی سرکشی اور طغیان کا مظاہرہ کرتے رہے تو پھر حضرت حق جل مجدہؑ نے ان کو مباہلہ کی دعوت دی۔ جس کا انجام آپ سُن چکے کہ نصرانیوں نے مباہلہ سے انکار کر دیا۔ کیونکہ مباہلہ کی زلزلہ انگن ہیبت سے ان منکرین کے دل و دماغ کا گوشہ گوشہ دہل گیا۔ اور وہ شکست کھا کر بھاگ نکلے۔ اس طرح قیامت تک کے لیے حق کا بول بالا اور باطل پرستوں کا منہ کالا ہو گیا!

حضرات! چاہیے تو یہ تھا کہ قیامت تک کوئی نصرانی سر نہ اٹھاتا۔ اور ہمیشہ کے لیے عیسائیوں کا یہ باطل عقیدہ دفن ہو جاتا۔ مگر افسوس کہ آج تک عیسائی اپنے اس عقیدہ فاسدہ پر اتنی مضبوطی کے ساتھ قائم ہیں کہ معاذ اللہ! خدا کو خدا بھی اسی طور پر مانتے ہیں کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا باپ ہے۔ اس کے سوا خدا کو اس کی کسی صفت کے ساتھ گویا جانتے پہچانتے ہی نہیں! تو بہ نعوذ باللہ

حضرات! اس موقع پر مجھے اکبر الہ آبادی کا ایک بڑا ہی دلچسپ لطیفہ یاد آگیا۔ وہ بھی سُن لیجئے۔

لطیفہ اکبر الہ آبادی جج تھے۔ ججی سے ریٹائرڈ ہوتے کے بعد اپنے صاحبزادے۔

عشرت حسین صاحب کے یہاں تشریف لے گئے بوڑھی کلکڑ تھے۔ ان کی کوٹھی پر بہت سے رئیس صاحبان ڈپٹی صاحب کی ملاقات کی اس لگائے بیٹھے ہوئے تھے اور ڈپٹی صاحب بنگلہ کے اندر سو رہے تھے۔ اکبر الہ آبادی نے کوڑ کھول کر دیکھا تو نوکر نے رئیسوں سے کہا کہ یہ اکبر الہ آبادی ریٹائرڈ جج ہیں۔ رئیسوں نے کوئی توجہ نہیں کی۔ پھر نوکر نے کہا کہ یہ اکبر الہ آبادی مشہور طنز گو شاعر ہیں۔ یہ سُن کر بھی رئیسوں نے اکبر کی طرف رخ نہیں کیا پھر نوکر نے بتایا کہ ڈپٹی صاحب کے والد ماجد ہیں۔ یہ سننا تھا کہ ہر رئیس اپنی اپنی کرسی سے اس طرح ہڑبڑا کر مصافحہ کے لیے دوڑا کہ گویا صور پھونک دیا گیا۔ اور مردے قبروں سے نکل نکل کر میدان محشر کی طرف دوڑ پڑے۔ اکبر الہ آبادی نے ہاتھ کھینچ لیا اور فرمایا کہ مجھے آپ لوگوں کی یہ حرکت دیکھ کر عیسائیوں کا ایک قصہ یاد آ گیا۔ ایک مرتبہ گر جاگھر میں بہت سے عیسائی کھڑے کھڑے عبادت کر رہے تھے کہ ایک دم پوپ نے کہا کہ اے لوگو! خداوند ذوالجلال نے تجلی فرمائی۔ عیسائیوں نے اس پر کوئی توجہ نہیں کی پھر پوپ نے کہا کہ اے لوگو! آسمان وزمین کے خالق کا جلوہ نظر آ گیا۔ یہ سُن کر بھی عیسائی ٹس سے مس نہیں ہوئے۔ پھر پوپ نے کہا کہ اے عیسائیو! دیکھو حضرت عیسیٰ کے باپ آگئے۔ یہ سُن کر سب عیسائی سجدے میں گر پڑے اور روتے روتے ان کی آنکھیں سوچ گئیں زذرا غور تو کرو کہ خداوند ذوالجلال اور آسمان وزمین کے خالق کا نام سُن کر تو عیسائیوں پر کوئی رقت طاری نہیں ہوئی۔ اور حضرت عیسیٰ کے باپ کا نام سنا تو سجدے میں گر کر رونے لگے۔ یہی حال آپ لوگوں کا ہے کہ اکبر الہ آبادی ریٹائرڈ جج سُن کر آپ نے میری طرف کوئی توجہ نہیں کی۔ پھر اکبر الہ آبادی شاعر کا نام سُن کر آپ لوگوں کو میری ملاقات کا ذرہ برابر اشتیاق نہیں پیدا ہوا۔ اور جب آپ لوگوں نے یہ سنا کہ میں ڈپٹی صاحب کا باپ ہوں تو آپ لوگ اس طرح دانت نکال کر اور ہاتھ بٹھا کر میری طرف بھپٹ کر لپکے کہ گویا مجھے ہاتھ سے پکڑ کر کاٹ کھائیں گے۔ کیا ڈپٹی صاحب کا باپ ہونا بڑا کمال ہے یا جج اور شاعر ہونا؟ یہ سُن کر مارے شرم و خجالت کے رئیسوں کا ایسا منہ بکڑ گیا جیسے ان کے چہروں پر دس بیس جوتے پڑے ہوں!

بہر حال برادرانِ ملت! اب میں ایک آخری بات عرض کر کے اللہ تعالیٰ
بہت جلد اپنی تقریر ختم کر دوں گا۔ ایک ایک بار یہ آواز بلند و درود شریف کا نعرہ بتدریج
اللہم صل وسلم وبارک علی سیدنا محمد وعلی آلہ واصحابہ صلاۃ وسلاماً علیک یا رسول اللہ!

پنجتن پاک

حضرات! میں عرض کر چکا کہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم چیلنج
مباہلہ دینے کے بعد جن مبارک ہستیوں کو اپنے ہمراہ لے کر مباہلہ
کیلئے میدان میں تشریف لائے۔ وہ حضرت علی، حضرت فاطمہ اور حسن و حسین رضی اللہ عنہم
تھے۔ اس آیت سے ان تقدس مآب ہستیوں کی عظمتِ شان اور ان کی مقبولیت و محبوبیت
کا پتہ چلتا ہے کہ یہ وہ نفوسِ قدسیہ ہیں جن کے مستجاب الدعوات، اور مقبول بارگاہِ الہی
ہونے پر محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو پورا پورا اعتماد ہے۔ سبحان اللہ۔ سبحان اللہ
کیوں نہ ہو کہ حضرت فاطمہ اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم وہ قدسی صفت اور تقدس مآب
نفوسِ طاہرہ ہیں کہ ان کے بدن کی بوٹی بوٹی، اور ان کے خون کے قطرے قطرے میں رسول
کا گوشت اور خون شامل ہے اور فاتحِ خیر، علی حیدر، اسد اللہ الغالب علی بن ابی طالب
تو وہ مقرب بارگاہِ رسالت ہیں کہ ان کے لیے حضور سرورِ انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان چکا
سَیِّدُ عَلِیٍّ کَحَبْلِکَ لَحْمِیِّ د
یعنی اے علی! تیرا گوشت میرا گوشت

دَمِّکَ دَحِیِّ۔ اور تیرا خون میرا خون ہے۔

اللہ اکبر! جس ذاتِ اقدس کے گوشت اور خون کو رسول نے اپنا گوشت اور خون فرما دیا
تو ان کے درجات و مراتب کی عظمت کا کیا کہنا؟

حضرات! اپنے تو بہر حال اپنے ہوتے ہی میں۔ ماننے والے تو ماننے والے ہوتے
ہی ہیں۔ کمال تو یہ ہے کہ اَنْفَضُّ مَا شَهِدْتُ بِہِ الْاَعْدَاءُ۔ یعنی فضیلت کا
کمال تو یہ ہے کہ دشمن بھی اس کی فضیلت کی شہادت دے۔ چنانچہ آپ سُن چکے کہ جب
حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم آسمانِ اہلبیت کے چاند اور سورج اور دونوں ستاروں
کو ساتھ لے کر میدانِ مباہلہ میں جلوہ گر ہوئے۔ تو عیسائیوں کا پیشوا نے اعظم ”عبدالمسیح“ ان
نورانی چہروں کی نورانیت کا جلوہ دیکھ کر بے اختیار بول اٹھا کہ خدا کی قسم! میں ایسے چہروں

کو دیکھ رہا ہوں کہ اگر یہ لوگ خدا سے کسی پہاڑ کے بارے میں یہ دعا مانگیں کہ یہ پہاڑ
اپنی جگہ سے ہٹ کر کسی دوسری جگہ چلا جائے تو ان کے لبہائے مبارک سے نکلی ہوئی
دعاؤں کو خداوند کریم کبھی رو نہیں فرمائے گا۔ بلکہ ان کی دعاؤں سے قادر مطلق اس پہاڑ
کو اس جگہ سے ہٹا دے گا۔

ایک وجد آفرین نکتہ | حضرات گرامی! حضور رحمت عالم کے مقدس خاندان بنی
عبدال مطلب میں بہت سے روشن ستارے تھے مگر

خصوصیت کے ساتھ مباہلہ کے وقت رحمت عالم نے حضرت علی، فاطمہ حسن، حسین ہی کو کیوں
منتخب فرمایا؟ اس میں ایک بڑا ہی وجد آفرین نکتہ، اور کیف آور راز بھی ہے۔ اور وہ یہ
ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے اور حضرت فاطمہ کو حضرت
مریم سے ایک بڑی ہی خاص مناسبت و مشابہت ہے اسی طرح حضرات حسین کریمین
کو بھی عیسیٰ ابن مریم سے ایک خاص قسم کی مناسبت حاصل ہے۔ اس لئے حضرت عیسیٰ
علیہ السلام کے بارے میں مباہلہ کے لئے ان چاروں سے بہتر دوسرا کوئی تھا ہی نہیں
جس کو رحمت عالم اپنے ساتھ لے کر مباہلہ کے میدان میں نکلتے حضرت علی شیر خدا کو جناب علیہ السلام
سے کیا خاص مناسبت و مشابہت ہے؟ اس کو خود رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان
مبارک سے سنئے!

حضرت شیر خدا کو مخاطب فرماتے ہوئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد

فرمایا کہ —

یعنی اے علی! تم کو حضرت عیسیٰ علیہ
السلام سے ایک خاص قسم کی مماثلت اور
مشابہت ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ یہود کو
نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ایسا
بغض رکھا۔ اور اتنی دشمنی کی کہ ان کی والدہ
پر بہتان تک لگا دیا۔ اور نصرا نیوں نے

فَبَكَرَ مَثَلٌ مِّنْ عِيسَىٰ ابْنِ مَرْيَمَ
الْيَهُودُ حَتَّىٰ بَهَتُوا أُمَّهُ وَ
أَحَبَّهُ النَّصَارَىٰ حَتَّىٰ
أَنْزَلُوهُ بِالْمَنَزِلَةِ الَّتِي
لَيْسَتْ لَهُ ثُمَّ قَالَ يَهْدِكُمْ
فِي مَحَبِّ مَفْرِطٍ يُفَرِّطُنِي

بِمَا كُنْتَ فِيَّ وَمُبْغِضٌ بِمُحِبَّةٍ
حُكْمَتِي عَلَى أَنْ يُبْهَتَتِي -

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے اس قدر
محبت کی کہ ان کو اس درجے تک بڑھا دیا

کہ وہ اس درجے کے ہو ہی نہیں سکتے
تھے۔ یعنی ان کو خدا کا بیٹا بنا دیا۔

(مشکوٰۃ باب مناقب علی)

اس حدیث کو حضرت مولائے کائنات جناب علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمانے
کے بعد پھر خود یہ ارشاد فرمایا کہ میرے بارے میں دو گروہ ہلاک ہو جائیں گے ایک وہ جو
محبت میں مجھے اس حد تک بڑھائیں گے۔ جس حد تک میں نہیں پہنچا ہوں اور ایک وہ جن
کو میری دشمنی اس بات پر آمادہ کر دے گی کہ وہ مجھ پر تہمت لگائیں گے۔

چنانچہ مولائے کائنات کا ارشاد حرف بحرف پورا ہو گیا کہ رافضیوں نے حضرت
علی کی محبت میں اس قدر غلو کیا کہ معاذ اللہ ان کو نبیوں سے افضل ماننے لگے۔ اور
خارجیوں نے حضرت علی سے ایسی دشمنی کی کہ معاذ اللہ ان پر طرح طرح کی جھوٹی تہمتیں لگانے
لگے۔ (معاذ اللہ)

حضرات! اسی طرح حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو حضرت بی بی مریم سے
ایک بڑی خاص مشابہت یہ ہے کہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ ایک دن حضرت بی بی
فاطمہ ایک بوٹی گوشت اور دو روٹیاں لے کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ اقدس
میں حاضر ہوئیں۔ تو رحمت عالم نے اس تحفہ کو قبول فرما کر ارشاد فرمایا کہ اے لختِ جگر
تم اس طباق کو اپنے گھر ہی میں لے کر چلو۔ پھر خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت
سیدہ فاطمہ کے مکان پر رونق افروز ہو کر فرمایا کہ بیٹی! اب تم اس طباق کو کھولو۔ چنانچہ حضرت
بی بی فاطمہ نے طباق کو کھولا۔ تو سب گھر والے یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ وہ طباق روٹیوں
اور بوٹیوں سے بالکل بھرا ہوا تھا۔ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ
اِنِّیْ کَلِیْ هٰذَا - اے بیٹی! یہ سب تمہارے لیے کہاں

سے آیا؟

یہ سن کر حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا کہ۔

هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ يَزُوقُ
یعنی یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آیا
مَنْ يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ
ہے وہ جس کو چاہتا ہے بغیر حساب
روزی دیتا ہے۔

سبحان اللہ! رحمتِ عالم نے اپنی نورِ نظر کا یہ نورانی جواب سن کر ارشاد فرمایا کہ!
الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي جَعَلَ
یعنی اے بیٹی! خدا کا شکر ہے کہ
شَبِيهَةً لِّسَيِّدَةِ بَنِي
اس نے تجھ کو بنی اسرائیل کی سیدہ جناب
إِسْرَآءِيلَ -
مریم کے مشابہ اور مثل بنایا ہے۔

کیونکہ انہوں نے نبی اپنی محرابِ عبادت میں بے موسم کے مچلوں کو دیکھ کر یہی کہا تھا۔
هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يَزُوقُ مَنْ يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ
پھر رحمتِ عالم نے حضرت فاطمہ، حضرت علی، حضرات حسین اور دوسرے اہلبیت کو جمع فرما
کر اس طباق میں سے تناول فرمایا۔ پھر بھی اس میں ایسی معجزانہ برکت ظاہر ہوئی کہ پورا طباق
روٹیوں اور بوٹیوں سے بھرا ہوا باقی رہ گیا۔ تو حضرت بی بی فاطمہ نے اپنے پڑوسیوں اور
دوسرے مسکینوں کو کھلایا۔
(روح البیان آل عمران ص ۳۳)

حضرت گرامی! اسی طرح حضرات حسین کریمین کو بھی جناب عیسیٰ بن مریم سے ایک
خاص مشابہت یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے گہوارہ ہی میں جب کہ شیر خوار بچے تھے
کلماتِ نبوت سے سرفراز ہوئے وَ يُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَ كَهْلًا۔
اور لوگوں سے اپنے گہوارہ طفولیت میں کلام فرمایا اسی طرح حضرات حسین بھی اپنے بچپن
ہی میں کلماتِ دلایت سے سرفراز ہو گئے اور ایامِ طفلی ہی میں ان دونوں سے خوارقِ عادت
و کرامات کا ظہور ہونے لگا!

بہر حال حضرت علی، فاطمہ، حسن، حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو چونکہ حضرت عیسیٰ اور حضرت
مریم سے کچھ خاص مناسبت و مشابہت ہے اسی لئے بوقتِ مہاجرۃ حضور اکرم صلی اللہ علیہ
وسلم نے انہی مقدس نفوس کو منتخب فرمایا!

حضرت گرامی! بہر کیف ان چاروں اہلبیتِ نبوت کی فضیلت و عظمت اس آیت

میاہ سے اس طرح واضح اور ظاہر ہو رہی ہے۔ جس طرح آفتاب نصف النہار اپنے
 انوار کے ساتھ عالم آشکار ہوا کرتا ہے۔ خداوند قدوس ہم کو اور آپ کو ان کے اعلیٰ درجات
 کی معرفت و عقیدت اور حفظ مراتب کی توفیق بخیر رفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

وما علینا الا البلاغ و صلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ

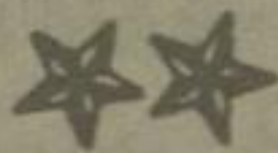
محمد و آلہ وصحبہ اجمعین و



اسباب زوال

سب کچھ اور ہے تو جس کو خود سمجھتا ہے

زوال بندہ مومن کا بے زری سے نہیں



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
نَحْمَدُهُ وَنُصَلِّي عَلَى رَسُولِهِ الْكَرِيمِ
أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ
بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَ
تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَوْ آمَنَ أَهْلُ
الْكِتَابِ لَكَانَ خَيْرًا لَهُمْ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُونَ وَأَكْثَرُهُمُ الْفَاسِقُونَ

(آل عمران)

حضرات گرامی! سب سے پہلے عاشقانہ درود و سلام کے فلک شگاف نعروں
سے اپنے دلوں کی دنیا میں ایمانی ولولہ اور اسلامی جوش و خروش پیدا کر لیجئے۔ اور بلند
آواز سے پڑھیے: اللہ صلی علی سیدنا و مولانا محمد و آلہ و صحبہ
و بارک و سلم۔

حضرات! تقریر سے پہلے ایک نعت شریف کے چند اشعار پیش کرتا ہوں۔ ایمانی
جوش عقیدت اور اسلامی جذبہ محبت کے ساتھ سماعت فرمائیے!

نعت شریف

در رسول سے ہرگز میں ٹل نہیں سکتا
مٹے رسول کا ایسا سرور ہے جس پر
ہزاروں فلسفے بگڑے، بنے، بدل بھی گئے
ہے تیز گام بہت، می یہ آفتاب مگر
ہزار آتش دوزخ لپک لپک کے بڑھے
وہ کہیں شب کو کہ دن ہے تو دن نکل آئے
نہ جس میں بھول ہوں حب رسول کے لے دل
خدا کا قہر ہے۔ ان کی نگاہ کا پھرنا
سکینہ حب نبی کا ہو جس کے سینے میں
یہ بہشت سے بھی مراد مل نہیں سکتا
خرد کی ترشی کا جادو بھی چل نہیں سکتا
مگر رسول کا قرآن بدل نہیں سکتا
نہ پائے اُن کا اشارہ تو چل نہیں سکتا
نبی کی شمع کا پروانہ جل نہیں سکتا
ہو دن کو شب کہیں، سورج نکل نہیں سکتا
وہ نخل آرزو تا حشر پھل نہیں سکتا
گرا جو اُن کی نظر سے سنبھل نہیں سکتا
ہزار حشر ہو، وہ دل دہل نہیں سکتا۔

کرم ہے ہر مدینہ کا اعظمی چھپرے،
مرے عروج کا خورشید ڈھل نہیں سکتا

حضرات محترم! یہ تین اصول یاد رکھئے۔ اوّل یہ کہ ہر چیز کے وجود و ہستی کی ایک
غرض، اور اس کی بقا کا ایک مقصد ہوا کرتا ہے۔ دوسرے یہ کہ کوئی چیز جب تک
اپنے وجود کی غرض و غایت کو پورا کرتی رہتی ہے اس کی قدر و قیمت باقی رہتی ہے۔
اور جب وہ اپنے مقصد وجود و بقا کو کھو دیتی ہے تو اس کی قدر و قیمت گھٹ جاتی
ہے یا بالکل، ہی ختم ہو جاتی ہے۔ تیسرے یہ کہ جب کسی چیز کی قدر و قیمت بالکل ختم ہو
جاتی ہے۔ تو اس چیز کا مالک اس کی حفاظت و نگہداشت چھوڑ دیتا ہے!

مثلاً پنڈال کا شامیانہ اس کے وجود و بقا کا یہ مقصد ہے کہ دھوپ یا شبنم سے

بچائے اور جلسہ گاہ کو زینت دے۔ اسی طرح بلب کی ہستی اور اس کی موجودگی کا یہ مقصد ہے کہ وہ روشن ہو کر ساری مجلس میں اجالا پھیلاتا رہے۔ اسی طرح ایٹیج پر اگالداں اسی مقصد سے رکھا گیا ہے کہ لوگ اس میں پان کی پیک ڈالتے ہیں تاکہ فرش گندہ اور خراب نہ ہونے پائے۔ اب ظاہر ہے کہ جب تک شامیانہ، بلب، اور اگالداں اپنے مقصد وجود کو پورا کرتے رہیں گے ان کی قدر و قیمت باقی رہے گی۔ اور جب یہ اپنی موجودگی کی غرض و غایت فنا کر دیں گے تو ان کی قدر و قیمت یقیناً بہت کم یا بالکل ہی ختم ہو جائے گی۔ اور ان کی نگہداشت و حفاظت بھی چھوڑ دی جائے گی!

مثال کے طور پر اگر شامیانہ پھٹ پھٹا کر پتھروں کا ڈھیر بن جائے۔ اور اپنی غرض و غایت اور اپنے وظیفہ وجود کو کا حقہ، پورا کرنے کے قابل نہ رہے، نہ دھوپ اور شبنم سے بچائے، نہ جلسہ گاہ کی زینت بننے کے لائق رہے، تو یہی شامیانہ جس کی قدر و قیمت کا یہ عالم ہے کہ ہم اس پر کافی رقم خرچ کر کے اس کو اپنے سروں کے اوپر جگہ دیتے ہیں اس کی قدر و قیمت اس قدر گھٹ جائے گی کہ ہم اس کو نہایت حقارت کے ساتھ لپیٹ لپاٹ کر کسی پرانے مکان کی دقیا نوسی کو ٹھہری میں ڈال دیں گے۔ جہاں اس سے زیادہ اس کی قدر و منزلت نہیں ہوگی کہ اس میں چوہوں اور چھپچھوندروں کا راج محل بنے گا، یا مچھروں کی بات اس میں چھپ کر سارنگی بجائے گی۔ اور تھینگروں کا غول اس میں مٹی کر برساتی بہا لگائے گا۔ اور اس کی حفاظت کا کوئی انتظام نہیں کیا جائے گا۔ اسی طرح یہ بلب جس کو ہم سنبھال سنبھال کر رکھتے ہیں۔ اگر فیوز ہو جائے۔ تو ہم اس کو نہایت حقارت کے ساتھ اٹھا کر کوڑوں کے ڈھیر پر پھینک دیتے ہیں۔ یوں ہی اگالداں جو نہایت اعزاز کے ساتھ علماء اور مشائخ کے پہلو میں ہمیشہ ہر ایٹیج پر بٹھایا جاتا ہے۔ اگر اس کے پینڈے میں سوراخ ہو جائے۔ اور یہ فرش کو گندہ کرنے لگے تو فوراً ہی اس کو ایٹیج سے اٹھا کر کسی گندی جگہ رکھ دیا جاتا ہے۔ غرض اس کی ہزاروں مثالیں ہیں کہ جب بھی کوئی چیز اپنے مقصد وجود، اور اپنی ہستی کی غرض و غایت کو ضائع کر دیتی ہے تو اس کی قدر و قیمت گھٹ جاتی ہے۔ یا بالکل ہی ختم ہو جاتی ہے۔ اور اس کی حفاظت

کا کوئی اہتمام نہیں کیا جاتا۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے کہ اس کو بوڑھے تو بوڑھے، جوان تو جوان، بچے بھی اچھی طرح جانتے ہیں۔ چنانچہ آپ نے بچوں کی کہانیوں میں سنا ہوگا۔

کچھ بھی نہیں | کہ ایک چوڑی فروش اپنی پیٹھ پر چوڑیوں کی گٹھری لاد کر چلا جا رہا تھا۔ ایک ڈاکو نے اس کی گٹھری پر ایک لٹھ مار کر پوچھا کہ ابے بول! اس میں کیا

ہے؟ چوڑی فروش نے نہایت متانت کے ساتھ جواب دیا کہ صاحب! اگر اس پر ایک لٹھ اور مار دیجئے تو پھر اس میں کچھ بھی نہیں ہے۔ مطلب یہ تھا کہ چوڑیاں جب تک ٹوٹی نہیں ہیں۔ ان کی قدر و قیمت ہے، لیکن اگر چوڑیاں ٹوٹ جائیں تو پھر ان کی کوئی قیمت ہی نہیں رہتی!

سر کے بال پاؤں تلے | حضرات! کون نہیں جانتا کہ ہمارے سروں کے بال جب تک ہمارے سروں کی زینت بنے رہتے ہیں۔ ان کی

قدر و قیمت کا کیا عالم رہتا ہے؟ ہم ان بالوں کو صابون سے دھوتے ہیں۔ تیل ڈالتے ہیں۔ گتنگھی کر کے ان کو سنوارتے رہتے ہیں۔ ان کو جلنے، ٹوٹنے، گرنے سے بچاتے رہتے ہیں۔ اور ان کی حفاظت میں سر دھڑکی بازی لگا دیتے ہیں۔ لیکن ہمارے سروں کے یہی بال جب حجام کاٹ کر اپنے رومال میں رکھ لیتا ہے۔ تو باوجودیکہ اب بھی یہ ہمارے ہی سروں کے بال ہیں۔ مگر ہم ان بالوں کی طرف کوئی توجہ نہیں کرتے۔ نہ ان کی حفاظت کی کوشش کرتے ہیں۔ حجام ان بالوں کو کوڑے کچرے کے ڈھیر پر پھینک دیتا ہے اور یہ ہر ایک کے پاؤں سے روندے جاتے ہیں۔ اور ہمیں اس پر کوئی افسوس نہیں ہوتا کیوں اسی لئے تو کہ اب ان بالوں نے اپنے مقصد وجود کو کھو دیا۔ اور اپنے فرائض، مستی کو ادا کرنے کے قابل نہیں رہے!

حضرات گرامی! بہر کیف ان تینوں اصولوں کی روشنی میں دور حاضر کے دو نہایت ہی اہم سوال جو ہر مسلمان کے دل کی گہرائی میں سراٹھاتے رہتے ہیں۔ بلکہ دلوں کا کاشا بن کر کھٹکتے رہتے ہیں۔ بڑی آسانی کے ساتھ اس طرح حل ہو جاتے ہیں کہ اس میں کسی غور و فکر یا بحث و تمحیص کی حاجت ہی نہیں پڑتی۔ پہلا سوال تو یہ ہے کہ اس زمانے میں

مسلمانوں کی قدر و قیمت کیوں بالکل ہی ختم ہو گئی؛ اور دوسرا سوال یہ ہے کہ تائیدِ خداوندی مسلمانوں کی نصرت و اعانت اور نگہداشت و حفاظت کیوں نہیں فرماتی؟ ہم سے پہلے کے مسلمانوں کی قدر و قیمت، اور ان کی سطوت و شوکت کا یہ عالم تھا کہ ے
 ٹل نہ سکتے تھے اگر جنگ میں اڑ جاتے تھے
 پاؤں شیروں کے بھی میدان میں اکھڑ جاتے تھے
 تجھ سے سرکش ہوا کوئی تو بکڑ جاتے تھے
 تیغ کیا چیز ہے؟ ہم توپ سے لڑ جاتے تھے
 نقشِ توحید کا ہر دل پہ بٹھایا ہم نے
 زیرِ خنجر بھی یہ پیغام سنایا ہم نے
 یا یوں سمجھیے کہ ے

مسماں دہ مسماں تھے کہ میداں میں نکل آئے
 تو کسریٰ اور اس کے ساتھ قیصر کو کچل آئے،
 جہاں پہنچے زمین کو آسماں سے کر دیا اونچا،
 جہاں ٹھہرے دردِ دیوار کا نقشہ بدل آئے
 سمندر میں بھی ان کے دوڑ کی راہیں نکل آئیں،
 پہاڑوں میں بھی ان کے فیض کے چشے اُبل آئے،
 اور نصرتِ خداوندی کا یہ عالم تھا کہ جنگِ بدر ہوا جنگِ احد، جنگِ خندق ہوا جنگِ حنین ہر جگہ جب کفار کے لشکروں کا دل باذل مسلمانوں کو نیست و نابود کرنے کے عزم سے حملہ آور ہوا تو تائیدِ ربانی نے مسلمانوں کی اس طرح حفاظت و نگہبانی فرمائی کہ آسمانوں سے فرشتوں کا قدسی لشکر زمین پر بھیج دیا۔ چنانچہ قرآن مجید گواہ ہے کہ
 يُهْدِي ذِكْرُ رَبِّكُمْ بِخَمْسَةِ آلَافٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ مُسَوِّمِينَ ۝ (آل عمران)
 یعنی پانچ پانچ ہزار فرشتوں کی فوج رب العالمین مومنین کی امداد و نصرت کے لئے زمین پر اتار دیتا تھا اور یہ آسمانی لشکر مسلمانوں کی امداد و نصرت میں اپنی ملکوتی طاقت کے

وہ جو ہر دکھاتا تھا کہ کفار کے دلوں کی دنیا میں زلزلہ پیدا ہو جاتا تھا۔ اور مسلم مجاہدین کا حوصلہ اتنا بلند ہو جاتا تھا۔ کہ جب لشکر کفار اپنی زبردست یلغار کے ساتھ مسلمانوں کے سامنے نمودار ہوتا تھا۔ تو مجاہدین اسلام نعرۂ تکبیر کی للکار کے ساتھ جوش جہاد میں بھرے ہوئے اپنی تیر اندازی اور شمشیر بازی کا یہ منظر پیش کرتے تھے کہ

کہ فوج کفر اگر پھرے ہوئے فیلوں کا لشکر تھا

تو پھر تیروں کی بارش بھی ابا بیلوں کا لشکر تھا

نہ پائی دیکھنے والی نگاہوں نے بھی آگاہی

کب اٹھی، کب گری، کیسے پھری تیغِ یٰ اللہ

اٹھی اٹھ کر کھینچی، کھینچ کر گری لوہے کے منفر پر

یہ منفر کٹ گیا، آئی ہوئی اب آگئی سپر

سیر خود سر کو توڑا، چہرہ کاٹا خلق سے نکلی

صدائے "المحذر" ہر سوز بانِ خلق سے نکلی

مگر افسوس! صد افسوس! کہ آج یہ انقلاب ہو گیا کہ مسلمانوں کی قدر و قیمت بالکل ہی

ختم ہو گئی۔ ان کی سطوت و شوکت کی روح اس طرح فنا ہو گئی۔ کہ ایک جزدل اور

ذلیل و خوار قوم کے چند خونخوار غنڈے، اپنی تلواروں سے سیکڑوں مسلمانوں کو بھیڑ بکری

کی طرح ذبح کر ڈالتے ہیں۔ مسلمانوں کے ننھے ننھے بچوں کو ان کے ماں باپ کی نظروں

کے سامنے انتہائی بے پردی کے ساتھ قتل کر ڈالتے ہیں۔ ان کے مال و دولت کو

ڈاکوؤں کی طرح لوٹتے ہیں۔ ان کے مکالوں اور دکانوں کو غارت کر کے جلا ڈالتے ہیں

ان کی مسجدوں، مزاروں اور خانقاہوں کو توڑ پھوڑ کر آگ کے شعلوں کے حوالے کر

دیتے ہیں۔ ان کی مستورات پر ہاتھ ڈال کر ان کی عزت و ناموس کے پرچمِ عظمت کی دھجیاں

فضائے آسمانی میں بکھر دیتے ہیں۔ قرآن مجید اور مقدس دینی کتابوں کی ہولی جلا کر اس

راکھ کو اپنے ناپاک قدموں سے روندتے ہیں۔ غرض یہ انسان نما شیطانِ ظلم و طغیان

کے ایسے ایسے جیاسوز، اور دل دوز رقصِ ابلیس کا نظارہ پیش کرتے ہیں کہ جنگیز و

ہلا کوئی رو نہیں بھی اس کے تصور سے کانپ اٹھتی ہیں۔ مگر مجبور و لاچار مسلمان ان تمام مظالم کے طوفانوں میں اپنے سفینہ حیات کو غرق ہوتے ہوئے حسرت بھری نگاہوں سے دیکھتا رہتا ہے۔ اور خونخوار و بزدل ظالموں کے ناپاک قدموں پر اپنی مقدس پیشانی کو جھکا کر اپنا سر کٹا رہتا ہے۔ مگر نہ تو اس کو خود یہ توفیق ہوتی ہے کہ وہ اپنے جذبہ ایمانی اور جوش اسلامی کا مظاہرہ کرتے ہوئے لغزہ تکبیر کی للکار کے ساتھ مجاہدین کو ان ظالموں کی کلاٹیاں موڑ دے۔ اور مردانہ وار خدا کی راہ میں لڑتا ہو یا غازی بن کر زندہ رہے۔ یا جام شہادت نوش کر کے دونوں جہان میں اپنی سرخروٹی کا سامان کرے نہ اس بیکسی و بے بسی کے عالم میں کسی جاں باز مسلمان، یا کسی اسلامی سلطنت کے سلطان کی رگوں میں اسلامی خون کی حرارت جوش میں آتی ہے کہ وہ منتقمانہ جذبات کے ساتھ اپنی آتش غیظ و غضب سے ان ظالموں کے طاغوتی نیشن کو پھونک دے۔ اور مظلوموں کو ان کے پنجہ ظلم و استبداد سے نجات دلائے۔ نہ آسمان سے فرشتوں کی کوئی فوج اتر کر ان مظلوم مسلمانوں کی امداد و نصرت کرتی ہے۔ غرض ملت اسلامیہ، اور قوم مسلم کی قدر و قیمت بالکل ہی ختم ہو گئی۔ اور خداوند عالم کی امداد و نصرت، اور اس کی اعانت و حفاظت نے بھی اس قوم سے بالکل ہی اپنا رخ پھیر لیا ہے اور اب اس قوم کا سفینہ نجات لاچاری و مجبوری اور بیکسی و بے بسی کے ایسے ہوش رُبا طوفانوں کی بھینس میں پھنس گیا ہے۔ کہ اب اس کے سوا کچھ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ ہے

اب خدا ہی میری کشتی کو بچائے تو بچے

ظلمتیں یاس کی ہیں، شام ہے طوفانوں کی،

بہر کیفیت اب یہ دونوں سوال کہ مسلمانوں کی قدر و قیمت کیوں ختم ہو گئی؟ اور

ان کی منجانب اللہ امداد و نصرت، اور اعانت و حفاظت کیوں نہیں ہوتی؟

برادرانِ ملت! ان دونوں سوالوں کا بس ایک ہی جواب ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ

مسلمان کا ایک مقصد حیات، اور اس کے وجود کی ایک غرض تھی جس کو قوم مسلم نے منالغ

کر دیا اور آپ یہ اصول سن چکے کہ جب کوئی چیز اپنے مقصد وجود، اور اپنی، ہستی و بقا کی غرض و غایت کو برباد و غارت کر دیتی ہے۔ تو لا محالہ اس چیز کی قدر و قیمت ختم ہو جاتی ہے اور اس کی حفاظت جی بھوڑ دی جاتی ہے !

اب صاف صاف سن لیجئے کہ اس دنیا میں مسلمان کا مقصد وجود، اور اس کی حیات و بقا کی غرض و غایت کیا ہے ؟

برادران اسلام! خطبہ کے بعد میں نے جس آیت مبارکہ کی تلاوت کا شرف حاصل کیا ہے۔ وہ اسی مضمون کی طرف اشارہ کر رہی ہے کہ مسلمان کے وجود و بقا کا مقصد، اور اس کی زندگی کی غرض و غایت کیا ہے ؟ سنئے۔ اور ذرا توجہ کے ساتھ سنئے۔ خلاق عالم جل جلالہ کا مقدس فرمان ہے۔ کہ

گُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ
لِلنَّاسِ تَامِرُونَ بِالْمَعْرُوفِ
وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ
تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ۔

یعنی اے قوم مسلم! تم بہترین امت
ہو جو لوگوں کے لئے ظاہر کیے گئے ہو۔
تم لوگوں کو ابھی باتوں کا حکم دیتے
ہو اور بُری باتوں سے منع کرتے

ہو، اور تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

حضرات گرامی! اب ذرا مسلمانوں کے ان چاروں مقاصد وجود کو قدرے تفصیل کے ساتھ سن لیجئے!

خیر الامم | حضرات! سب سے پہلا مقصد زندگی ایک مسلمان کے لئے خیر الامم
یعنی بہترین امت ہونا ہے۔ یعنی صفحہ ہستی پر آج تک جتنی امتیں نمودار
ہوئیں، مسلمان کو اپنے عقائد و اعمال، اخلاق و کردار، رفتار و گفتار غرض تمام محاسن افعال
کے ساتھ اس طرح مزین ہونا ضروری ہے کہ دوسری امتوں میں جو افراط و تفریط
کے بدنامہ داغ دھبے تھے۔ مسلمان ان بدنامہ داغوں کو انسانیت کی پیشانی سے
دور کر دے۔ اور اپنی زندگی کے ہر موڑ، اور اپنی حیات کے ہر نشیب و فراز میں
عدل و اعتدال کا دامن تھامے ہوئے صراطِ مستقیم پر چلتا رہے۔ تاکہ ماضی و حال، بلکہ

دور استقبال کی انسانیت مسلمان کی اعتقادی و عملی زندگی کو دیکھ کر بے اختیار پکار اٹھے کہ
یہی وہ ہیں کہ جن کے واسطے ختم الرسل آئے

انہی پر ختم ہے ”خیر الامم“ کی جلوہ سامانی،

برادران ملت! خیر الامم ہونا ایک مسلمان کا سب سے پہلا اور بنیادی مقصد حیات
ہے اور یہ ایک مسلمان کے لیے ایک ایسا لازمی خاصہ ہے کہ جس طرح گلاب کے لیے
خوشبو، آگ کے لیے گرمی، موتی کے لیے چمک، آفتاب کے لیے روشنی لازم ہے۔ اسی
طرح ایک مسلمان کے لیے اپنے اعمال و افعال کے لحاظ سے تمام امتوں میں سب سے
اعلیٰ سب سے افضل، سب سے بہتر ہونا لازمی اور ضروری ہے۔ عبادات و معاملات
ہوں، یا اخلاق و عادات غرض زندگی کے ہر شعبہ حیات میں عمر کے آخری لمحات تک خیر
ہی نہ ہو۔ یہ ایک مسلمان کا وہ طرہ امتیاز ہے جو اس کو تمام اقوام عالم کی صفوں میں ممتاز
کر کے خیر الامم کے تاج کرامت سے سرفراز کرتا ہے۔ کیوں نہ ہو کہ مسلمان توحید الہی کی عظمت
کا پرستار، اور مدنی تا جدار کی محبت و اطاعت کا جان نثار ہوتا ہے۔ وہ خدا کے آخری
پیغام یعنی قرآن مجید، اور خدا کے آخری پیغمبر یعنی شہنشاہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس سیرت
و سنت کو اپنی زندگی کا نصب العین بنا کر اسی کے لیے جیتا ہے۔ اور اسی کے لیے
مرتا ہے اور اپنی حیات و لمحات کے ہر لمحات میں خالق کائنات کے آئین و قوانین کا
فرمانبردار اور رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے محاسن اخلاق و سیرت مقدسہ کا علمبردار ہوتا
ہے۔ لہذا امت مسلمہ کا تمام امتوں اور قوموں میں بہترین ہونا اتنا ہی یقینی ہے جتنا
آگ کے لیے گرم ہونا۔ برف کے لیے ٹھنڈا ہونا، شکر کے لیے میٹھا ہونا لازمی اور
یقینی ہے۔ مگر افسوس کہ آج ہم مسلمانوں کے تمام اعمال صالحہ، اور اخلاق حسنہ اس
طرح غارت و برباد ہو گئے۔ کہ مسلمان خیر و صلاح سے غالی، اور شر و فساد کا دالی بن گیا۔
عبادت و ریاضت، کسب و تجارت، ایفاء عہد و صداقت، رزق حلال صدق مقال۔
خوف ذوالجلال غرض تمام اچھے اچھے افعال، اور نیک اعمال مسلمانوں کی کتاب ہستی
سے حرف غلط کی طرح مٹ گئے۔ اور بد اعمالی و حرام کاری، دھوکہ بازی و مکاری

عہد شکتی و غداری، الحاد و بیدینی کی گرم بازاری، امثال و رسول سے انحراف اور دین و مذہب سے بیزاری کے سیلابوں نے مسلمانوں کو خس و خاشاک کی طرح بہا کر ہلاکت و بربادی کے ایسے گہرے سمندروں میں غرق کر دیا ہے کہ جہنم کی گہرائی بھی اس سے پناہ مانگتی ہے ہائے افسوس! وہ مسلمان جو ”خیر الامم“ تھا آج ”شر الامم“ نظر آتا ہے۔ جو بہترین تھا وہ بدترین ہو گیا۔ جو افضل تھا وہ ارذل بن گیا۔ جو اعلیٰ تھا وہ ادنیٰ سے بھی بدتر ہو گیا۔ اے زمین بتا! اے آسمان بول! کیا صفحہ ہستی پر انقلاب حال کی ایسی کوئی مثال بھی تمہاری نظروں سے گزری ہے؟ ہائے افسوس! بالکل سچ کہا شاعر مشرق نے کہ ہے

شور ہے ہو گئے دنیا سے مسلمان نابود
ہم یہ کہتے ہیں کہ تھے بھی کہیں مسلم موجود؟
تم ہو صورت میں نصاریٰ، تو تمدن میں ہنود
یہ مسلمان ہیں جنہیں دیکھ کے شر مابیش یہود

یوں تو سیّد بھی ہو، مرزا بھی ہو، افغان بھی ہو
تم سمجھی کچھ ہو بتاؤ تو مسلمان بھی ہو

ایک انگریز مفکر کا جواب | عزیزانِ ملت! مجھے ایک انگریز مفکر کی بات بار بار یاد آتی ہے۔ اس سے کسی مسلمان نے کہا کہ تم ایسے صاحبِ نظر ہوتے ہوئے مسلمان کیوں نہیں ہو جاتے؟ تو اس نے ایسا عبرت خیز جواب دیا کہ اس کو سس کر ہر غیرت مند مسلمان کی پیشانی پر عرقِ مذمت کا سیلاب اُمنڈ پڑتا ہے اس نے کہا کہ بھائی! میں جب اس اسلام پر نظر کرتا ہوں جو مسلمانوں کی کتابوں میں لکھا ہوا ہے۔ تو اسلام کی حقانیت کے سیکڑوں آفتاب میرے دل کی دنیا میں جلوہ گر ہو جاتے ہیں۔ اور میرا جی چاہتا ہے کہ میں اسلام کی مقدس کتابوں پر اپنا سر رکھ کر فطرۂ عقیدت سے عمر بھر اس کے تلوے چاٹتا رہوں۔ لیکن جب میں اس اسلام کو دیکھتا ہوں۔ جس پر آج کل کے مسلمان عمل کر رہے ہیں تو میرے دل میں اسلام سے ایسی نفرت

اور بیزاری پیدا ہو جاتی ہے کہ گویا پاپ کا ایک پہاڑ، یا وحشت و بربریت کا ایک اژدہا ہے۔ جو میری طرف پک رہا ہے۔ اور میں اس سے بھاگ رہا ہوں۔

مسلمانو! اس غیر مسلم انگریز مفکر کے جواب سے عبرت پکڑو۔ اور سوچو کہ تم کو کیا ہونا چاہیئے تھا۔ اور تم کیا ہو گئے؟ ہائے ہائے افسوس سے

بن گئے تنکے نشیمن کے قفس کی تیلیاں

بن گیا کیا؟ ہم چلے تھے کیا بنانے کے لئے

مسلمانو! سچ کہا ہے کسی اہل بصیرت نے کہ ”مسلمانان در گور و مسلمانی در کتاب“

یعنی مسلمان قبروں میں چلے گئے۔ اور اسلام کتابوں میں رہ گیا ہے!

مسلمانو! اسی طرح میں ایک بوڑھے بنیے کی بات کو عمر بھر

فراموش نہیں کر سکتا۔ وہ مجھ سے کہنے لگا کہ مولانا صاحب! میں مسلمانوں کو ادھار سودا دینے میں کبھی پس و پیش نہیں کرتا تھا۔ کیونکہ مجھے جس طرح سوچ

کی روشنی کا یقین ہے۔ اسی طرح مجھے اس بات کا یقین تھا کہ مسلمان کبھی بھی میری رقم

نہیں مار سکتا۔ کبھی نہ کبھی ضرور میرا قرض ادا کرے گا اور اگر یہ نہ دے گا تو اس کا بیٹیا

پوتا ضرور دے گا۔ کیونکہ میں نے اپنے بڑے بوڑھوں سے یہ سنا تھا کہ مسلمانوں کے

پیغمبر اس مسلمان کی نماز جنازہ نہیں پڑھتے تھے جو قرضدار ہو کر مر جاتا تھا۔ لیکن آج مسلمانوں

کی بد عہدی۔ اور بد دیانتی کا حال دیکھ کر میں ہرگز ہرگز کسی مسلمان کو ادھار سودا دینا گوارا

نہیں کرتا۔

اللہ اکبر! مسلمانو! سچ سچ بتاؤ کیا ہم نے اپنی بد عہدیوں اور بد دیانتیوں سے غیر

مسلموں کی نگاہوں میں اسلامی وقار کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچایا ہے یا نہیں؟ سوچو تو

پہی کہ ہم نے اپنے کرتوتوں سے اسلام کی عزت و عظمت کا کس طرح جنازہ نکال دیا؟

اور کس طرح ہم نے ملتِ اسلامیہ اور قومِ مسلم کے قومی دہلی پرچم وقار کو تار تار کر ڈالا۔

افسوس۔ صد ہزار افسوس! سے

حضرات! تقریر سے پہلے ایک نعت شریف کے چند اشعار پیش کرتا ہوں۔ ایمانی
جوش و عقیدت اور اسلامی جذبہ محبت کے ساتھ سماعت فرمائیے!

نعت شریف

درِ رسول سے ہرگز میں ٹل نہیں سکتا
مٹے رسول کا ایسا سرور ہے جس پر
ہزاروں فلسفے بگڑے، بنے، بدل بھی گئے
ہے تیز گام بہت، می یہ آفتاب مگر
ہزار آتش و دوزخ لپک لپک کے بڑھے
وہ کہیں شب کو کہ دن ہے تو دن نکل آئے
نہ جس میں پھول ہوں حبِ رسول کے لے دل
خدا کا قہر ہے۔ ان کی نگاہ کا پھرنا
سکینہ حبِ نبی کا ہو جس کے سینے میں
بہشت سے بھی مراد مل نہیں سکتا
خرد کی ترشی کا جادو بھی چل نہیں سکتا
مگر رسول کا قرآن بدل نہیں سکتا
نہ پائے اُن کا اشارہ تو چل نہیں سکتا
نبی کی شمع کا پروانہ جل نہیں سکتا
ہو دن کو شب کہیں، سورج نکل نہیں سکتا
وہ نخل آرزو تا حشر پھل نہیں سکتا
گرا جو اُن کی نظر سے سنبھل نہیں سکتا
ہزار حشر ہو، وہ دل دہل نہیں سکتا۔

کرم ہے ہر مدینہ کا اعظمی مجھ پر،
مرے عروج کا خورشید ڈھل نہیں سکتا

حضرات! محترم! یہ تین اصول یاد رکھئے۔ اوّل یہ کہ ہر چیز کے وجود و ہستی کی ایک
غرض، اور اس کی بقا کا ایک مقصد ہوا کرتا ہے۔ دوسرے یہ کہ کوئی چیز جب تک
اپنے وجود کی غرض و غایت کو پورا کرتی رہتی ہے اس کی قدر و قیمت باقی رہتی ہے۔
اور جب وہ اپنے مقصد و وجود و بقا کو کھو دیتی ہے تو اس کی قدر و قیمت گھٹ جاتی
ہے یا بالکل ہی ختم ہو جاتی ہے۔ تیسرے یہ کہ جب کسی چیز کی قدر و قیمت بالکل ختم ہو
جاتی ہے۔ تو اس چیز کا مالک اس کی حفاظت و نگہداشت چھوڑ دیتا ہے!

مثلاً پنڈال کا شامیانہ اس کے وجود و بقا کا یہ مقصد ہے کہ دھوپ یا شبنم سے

بچائے اور جلسہ گاہ کو زینت دے۔ اسی طرح بلب کی ہستی اور اس کی موجودگی کا یہ مقصد ہے کہ وہ روشن ہو کر ساری مجلس میں اجالا پھیلاتا رہے۔ اسی طرح ایسٹج پر اگالداں اسی مقصد سے رکھا گیا ہے کہ لوگ اس میں پان کی پیک ڈالتے ہیں تاکہ فرش گندہ اور خراب نہ ہونے پائے۔ اب ظاہر ہے کہ جب تک شامیانہ، بلب، اور اگالداں اپنے مقصد وجود کو پورا کرتے رہیں گے ان کی قدر و قیمت باقی رہے گی۔ اور جب یہ اپنی موجودگی کی غرض و غایت فنا کر دیں گے تو ان کی قدر و قیمت یقیناً بہت کم یا بالکل ہی ختم ہو جائے گی۔ اور ان کی نگہداشت و حفاظت بھی بھوڑ دی جائے گی!

مثال کے طور پر اگر شامیانہ پھٹ پھٹا کر پتھڑوں کا ڈھیر بن جائے۔ اور اپنی غرض و غایت اور اپنے وظیفہ وجود کو کا حقہ، پورا کرنے کے قابل نہ رہے، نہ دھوپ اور شبنم سے بچائے، نہ جلسہ گاہ کی زینت بننے کے لائق رہے۔ تو یہی شامیانہ جس کی قدر و قیمت کا یہ عالم ہے کہ ہم اس پر کافی رقم خرچ کر کے اس کو اپنے سروں کے اوپر جگہ دیتے ہیں۔ اس کی قدر و قیمت اس قدر گھٹ جائے گی کہ ہم اس کو نہایت حقارت کے ساتھ لپیٹ لپاٹ کر کسی پرانے مکان کی دقیا نوی کو ٹھہری میں ڈال دیں گے۔ جہاں اس سے زیادہ اس کی قدر و منزلت نہیں ہوگی کہ اس میں چوہوں اور چھپو ندروں کا راج محل بنے گا، یا مچھروں کی بہات اس میں چھپ کر سارنگی بجائے گی۔ اور جھینگروں کا غول اس میں بیٹھ کر برساتی برہا لگائے گا۔ اور اس کی حفاظت کا کوئی انتظام نہیں کیا جائے گا۔ اسی طرح یہ بلب جس کو ہم سنبھال سنبھال کر رکھتے ہیں۔ اگر فیوز ہو جائے۔ تو ہم اس کو نہایت حقارت کے ساتھ اٹھا کر کوڑوں کے ڈھیر پر پھینک دیتے ہیں۔ یوں ہی اگالداں جو نہایت اعزاز کے ساتھ علماء اور مشائخ کے پہلو میں ہمیشہ ہر ایسٹج پر بٹھایا جاتا ہے۔ اگر اس کے پینڈے میں سوراخ ہو جائے۔ اور یہ فرش کو گندہ کرنے لگے تو فوراً ہی اس کو ایسٹج سے اٹھا کر کسی گندی جگہ رکھ دیا جاتا ہے۔ غرض اس کی ہزاروں مثالیں ہیں کہ جب بھی کوئی چیز اپنے مقصد وجود، اور اپنی ہستی کی غرض و غایت کو ضائع کر دیتی ہے تو اس کی قدر و قیمت گھٹ جاتی ہے۔ یا بالکل ہی ختم ہو جاتی ہے۔ اور اس کی حفاظت

کا کوئی اہتمام نہیں کیا جاتا۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے کہ اس کو بوڑھے تو بوڑھے، جوان تو جوان، بچے بھی اچھی طرح جانتے ہیں۔ چنانچہ آپ نے بچوں کی کہانیوں میں سنا ہوگا۔

کچھ بھی نہیں کہ ایک چوڑی فروش اپنی پیٹھی پر چوڑیوں کی گٹھری لاد کر چلا جا رہا تھا۔ ایک ڈاکو نے اس کی گٹھری پر ایک لٹھ مار کر پوچھا کہ ابے بول! اس میں کیا ہے؟ چوڑی فروش نے نہایت متانت کے ساتھ جواب دیا کہ صاحب! اگر اس پر ایک لٹھ اور مار دیجئے۔ تو پھر اس میں کچھ بھی نہیں ہے۔ مطلب یہ تھا کہ چوڑیاں جب تک ٹوٹی نہیں ہیں۔ ان کی قدر و قیمت ہے، لیکن اگر چوڑیاں ٹوٹ جائیں تو پھر ان کی کوئی قیمت ہی نہیں رہتی!

سر کے بال پاؤں تلے حضرات! کون نہیں جانتا کہ ہمارے سروں کے بال جب تک ہمارے سروں کی زینت بنے رہتے ہیں۔ ان کی قدر و قیمت کا کیا عالم رہتا ہے؟ ہم ان بالوں کو صابون سے دھوتے ہیں۔ تیل ڈالتے ہیں۔ گنگھی کر کے ان کو سنوارتے رہتے ہیں۔ ان کو چلنے، لٹھنے، گرنے سے بچاتے رہتے ہیں۔ اور ان کی حفاظت میں سر دھڑکی بازی لگا دیتے ہیں۔ لیکن ہمارے سروں کے یہی بال جب حجام کاٹ کر اپنے رومال میں رکھ لیتا ہے۔ تو باوجودیکہ اب بھی یہ ہمارے ہی سروں کے بال ہیں۔ مگر ہم ان بالوں کی طرف کوئی توجہ نہیں کرتے۔ نہ ان کی حفاظت کی کوشش کرتے ہیں۔ حجام ان بالوں کو کوڑے کچرے کے ڈھیر پر پھینک دیتا ہے اور یہ ہر ایک کے پاؤں سے روندے جاتے ہیں۔ اور ہمیں اس پر کوئی افسوس نہیں ہوتا کیوں اسی لئے تو کہ اب ان بالوں نے اپنے مقصد وجود کو کھو دیا۔ اور اپنے فرائض، مستی کو ادا کرنے کے قابل نہیں رہے!

حضرات گرامی! بہر کیف ان تینوں اصولوں کی روشنی میں دور حاضر کے دو نہایت ہی اہم سوال جو ہر مسلمان کے دل کی گہرائی میں سراٹھاتے رہتے ہیں۔ بلکہ دلوں کا کاشا بن کر کھٹکتے رہتے ہیں۔ بڑی آسانی کے ساتھ اس طرح حل ہو جاتے ہیں کہ اس میں کسی غور و فکر یا بحث و تمحیص کی حاجت ہی نہیں پڑتی۔ پہلا سوال تو یہ ہے کہ اس زمانے میں

مسلمانوں کی قدر و قیمت کیوں بالکل ہی ختم ہو گئی؟ اور دوسرا سوال یہ ہے کہ تائیدِ خداوندی مسلمانوں کی نصرت و اعانت اور نگہداشت و حفاظت کیوں نہیں فرماتی؟ ہم سے پہلے کے مسلمانوں کی قدر و قیمت، اور ان کی سطوت و شوکت کا یہ عالم تھا کہ وہ ٹل نہ سکتے تھے اگر جنگ میں اڑ جاتے تھے پاؤں شیروں کے بھی میدان میں اکھڑ جاتے تھے تجھ سے سرکش ہوا کوئی تو بکڑ جاتے تھے تیغ کیا چیز ہے؟ ہم توپ سے لڑ جاتے تھے نقشِ توسیع کا ہر دل پہ بٹھایا، ہم نے زیرِ خنجر بھی یہ پیغام سنایا، ہم نے یایوں سمجھیے کہ

سماں دہ سماں تھے کہ میدان میں نکل آئے
تو کسریٰ اور اس کے ساتھ قیصر کو کچل آئے،
جہاں پہنچے زمین کو آسماں سے کر دیا اونچا،
جہاں ٹھہرے دردِ دیوار کا نقشہ بدل آئے
سمندر میں بھی ان کے دودھ کی راہیں نکل آئیں،
پہاڑوں میں بھی ان کے فیض کے چٹھے اُبل آئے،

اور نصرتِ خداوندی کا یہ عالم تھا کہ جنگِ بدر ہو یا جنگِ احد، جنگِ خندق ہو یا جنگِ حنین ہر جگہ جب کفار کے لشکروں کا دل بادل مسلمانوں کو نیست و نابود کرنے کے عزم سے حملہ آور ہوا تو تائیدِ ربانی نے مسلمانوں کی اس طرح حفاظت و نگہبانی فرمائی کہ آسمانوں سے فرشتوں کا قدسی لشکر زمین پر بھیج دیا۔ چنانچہ قرآن مجید گواہ ہے کہ
يُنْزِلُ ذِكْرُ رَبِّكُمْ بِخَمْسَةِ آلَافٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ مُسَوِّمِينَ (آل عمران)
یعنی پانچ پانچ ہزار فرشتوں کی فوج رب العالمین مومنین کی امداد و نصرت کے لئے زمین پر اتار دیتا تھا اور یہ آسمانی لشکر مسلمانوں کی امداد و نصرت میں اپنی ملکوتی طاقت کے

وہ جو ہر دکھاتا تھا کہ کفار کے دلوں کی دنیا میں زلزلہ پیدا ہو جاتا تھا۔ اور مسلم مجاہدین کا حوصلہ اتنا بلند ہو جاتا تھا۔ کہ جب لشکر کفار اپنی زبردست بلغار کے ساتھ مسلمانوں کے سامنے نمودار ہوتا تھا۔ تو مجاہدین اسلام نعرۂ تکبیر کی للکار کے ساتھ جوش جہاد میں بھرے ہوئے اپنی تیر اندازی اور شمشیر بازی کا یہ منظر پیش کرتے تھے کہ

کہ فوج کفر اگر پھرے ہوئے فیلوں کا لشکر تھا

تو پھر تیروں کی بارش بھی ابا بیلوں کا لشکر تھا

نہ پائی دیکھنے والی نگاہوں نے بھی آگاہی

کب اٹھی، کب گری، کیسے پھری تیغِ یٰ اللہ

اٹھی اٹھ کر کھینچی، کھینچ کر گری لوہے کے منقر پر

یہ منقر کٹ گیا، آئی ہوئی اب آگئی سپر

سپر خود سر کو توڑا، چہرہ کاٹا خلق سے نکلی

صدائے "المحذر" ہر سوز بانِ خلق سے نکلی

مگر افسوس! صد افسوس! کہ آج یہ انقلاب ہو گیا کہ مسلمانوں کی قدر و قیمت بالکل ہی

ختم ہو گئی۔ اور ان کی سطوت و شوکت کی روح اس طرح فنا ہو گئی۔ کہ ایک بزدل اور

ذلیل و غوار قوم کے چند فوجوار غنڈے، اپنی تلواروں سے سیکڑوں مسلمانوں کو بھیڑ بکری

کی طرح ذبح کر ڈالتے ہیں۔ مسلمانوں کے ننھے ننھے بچوں کو ان کے ماں باپ کی نظروں

کے سامنے انتہائی بے پردی کے ساتھ قتل کر ڈالتے ہیں۔ ان کے مال و دولت کو

ڈاکوؤں کی طرح لوٹتے ہیں۔ ان کے مکانات اور دکانوں کو غارت کر کے جلا ڈالتے ہیں

ان کی مسجدوں، مزاروں اور خانقاہوں کو توڑ پھوڑ کر آگ کے شعلوں کے حوالے کر

دیتے ہیں۔ ان کی مستورات پر ہاتھ ڈال کر ان کی عزت و ناموس کے پرچمِ عظمت کی دھجیاں

فضائے آسمانی میں بکھیر دیتے ہیں۔ قرآن مجید اور مقدس دینی کتابوں کی ہولی جلا کر اس

راکھ کو اپنے ناپاک قدموں سے روندتے ہیں۔ غرض یہ انسان نما شیطانِ ظلم و طغیان

کے ایسے ایسے جیاسوز، اور دل دوز رقصِ ابلیس کا نظارہ پیش کرتے ہیں کہ چنگیز و

ہلا کوئی روحیں بھی اس کے تصور سے کانپ اٹھتی ہیں۔ مگر مجبور و لاچار مسلمان ان تمام مظالم کے طوفانوں میں اپنے سفینہ حیات کو غرق ہوتے ہوئے حسرت بھری نگاہوں سے دیکھتا رہتا ہے۔ اور خونخوار و بذل ظالموں کے ناپاک قدموں پر اپنی مقدس پیشانی کو جھکا کر اپنا سر کٹا رہتا ہے۔ مگر نہ تو اس کو خود یہ توفیق ہوتی ہے کہ وہ اپنے جذبہ ایمانی اور جوش اسلامی کا مظاہرہ کرتے ہوئے لغزہ تکبیر کی للکار کے ساتھ مجاہدین کو ان ظالموں کی کلاٹیاں موڑ دے۔ اور مردانہ وار خدا کی راہ میں لڑتا ہوا یا غازی بن کر زندہ رہے۔ یا جام شہادت نوش کر کے دونوں جہان میں اپنی سرخروئی کا سامان کرے نہ اس بیکیسی و بے بسی کے عالم میں کسی جاں باز مسلمان، یا کسی اسلامی سلطنت کے سلطان کی رگوں میں اسلامی خون کی حرارت جوش میں آتی ہے کہ وہ منتقامانہ جذبات کے ساتھ اپنی آتش غیظ و غضب سے ان ظالموں کے طاغوتی نشیمن کو پھونک دے۔ اور مظلوموں کو ان کے پنجہ ظلم و استبداد سے نجات دلائے۔ نہ آسمان سے فرشتوں کی کوئی فوج اتر کر ان مظلوم مسلمانوں کی امداد و نصرت کرتی ہے۔ غرض ملت اسلامیہ، اور قوم مسلم کی قدر و قیمت بالکل ہی ختم ہو گئی۔ اور خداوند عالم کی امداد و نصرت، اور اس کی اعانت و حفاظت نے بھی اس قوم سے بالکل ہی اپنا رخ پھیر لیا ہے اور اب اس قوم کا سفینہ نجات لاچاری و مجبوری اور بیکیسی و بے بسی کے ایسے ہوش رُبا طوفانوں کی بھتور میں پھنس گیا ہے۔ کہ اب اس کے سوا کچھ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ

اب خدا ہی میری کشتی کو بچائے تو بچے

ظلمتیں یاس کی ہیں، شام ہے طوفانوں کی،

بہر کیفیت اب یہ دونوں سوال کہ مسلمانوں کی قدر و قیمت کیوں ختم ہو گئی؟ اور

ان کی منجانب اللہ امداد و نصرت، اور اعانت و حفاظت کیوں نہیں ہوتی؟

برادرانِ ملت! ان دونوں سوالوں کا بس ایک ہی جواب ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ

مسلمان کا ایک مقصدِ حیات، اور اس کے وجود کی ایک غرض تھی جس کو قوم مسلم نے منالغ

کر دیا اور آپ یہ اصول سن چکے کہ جب کوئی چیز اپنے مقصد وجود، اور اپنی، مستی و بقا کی غرض و غایت کو برباد و غارت کر دیتی ہے۔ تو لا محالہ اس چیز کی قدر و قیمت ختم ہو جاتی ہے اور اس کی حفاظت جی بھوڑ دی جاتی ہے !

اب صاف صاف سن لیجئے کہ اس دنیا میں مسلمان کا مقصد وجود، اور اس کی حیات و بقا کی غرض و غایت کیا ہے ؟

برادران اسلام ! خطبہ کے بعد میں نے جس آیت مبارکہ کی تلاوت کا شرف حاصل کیا ہے۔ وہ اسی مضمون کی طرف اشارہ کر رہی ہے کہ مسلمان کے وجود و بقا کا مقصد، اور اس کی زندگی کی غرض و غایت کیا ہے ؟ سنئے۔ اور ذرا توجہ کے ساتھ سنئے۔ خلاق عالم میل جلالہ کا مقدس فرمان ہے۔ کہ

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ
لِلنَّاسِ تَا مَرُونِ بِالْمَعْرُوفِ
وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ
تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ

یعنی اے قوم مسلم ! تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لئے ظاہر کیے گئے ہو۔ تم لوگوں کو اچھی باتوں کا حکم دیتے ہو اور بُری باتوں سے منع کرتے

ہو، اور تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

حضرات گرامی ! اب ذرا مسلمانوں کے ان چاروں مقاصد وجود کو قدر سے تفصیل کے ساتھ سن لیجئے !

خیر الامم | حضرات ! سب سے پہلا مقصد زندگی ایک مسلمان کے لئے خیر الامم یعنی بہترین امت ہونا ہے۔ یعنی صفحہ ہستی پر آج تک جتنی امتیں نمودار ہوئیں ہیں مسلمان کو اپنے عقائد و اعمال، اخلاق و کردار، رفتار و گفتار غرض تمام محاسن افعال کے ساتھ اس طرح مزین ہونا ضروری ہے کہ دوسری امتوں میں جو افراط و تفریط کے بد نما داغ دھبے تھے۔ مسلمان ان بد نما داغوں کو انسانیت کی پیشانی سے دور کر دے۔ اور اپنی زندگی کے ہر موڑ، اور اپنی حیات کے ہر نشیب و فراز میں عدل و اعتدال کا دامن تھامے ہوئے صراطِ مستقیم پر چلتا رہے۔ تاکہ ماضی و حال، بلکہ

دور استقبال کی انسانیت مسلمان کی اعتقادی و عملی زندگی کو دیکھ کر بے اختیار پکار اٹھے کہ یہی وہ ہیں کہ جن کے واسطے ختم الرسل آئے

انہی پر ختم ہے "خیر الامم" کی جلوہ سامانی،

برادران ملت! خیر الامم ہونا ایک مسلمان کا سب سے پہلا اور بنیادی مقصد حیات ہے اور یہ ایک مسلمان کے لیے ایک ایسا لازمی خاصہ ہے کہ جس طرح گلاب کے لیے خوشبو، آگ کے لیے گرمی، موتی کے لیے چمک، آفتاب کے لیے روشنی لازم ہے۔ اسی طرح ایک مسلمان کے لیے اپنے اعمال و افعال کے لحاظ سے تمام اُمّتوں میں سب سے اعلیٰ، سب سے افضل، سب سے بہتر ہونا لازمی اور ضروری ہے۔ عبادات و معاملات ہوں، یا اخلاق و عادات غرض زندگی کے ہر شعبہ حیات میں عمر کے آخری لمحات تک خیر ہی خیر ہو۔ یہ ایک مسلمان کا وہ طرہ امتیاز ہے جو اس کو تمام اقوام عالم کی صفوں میں ممتاز کر کے خیر الامم کے تاج کرامت سے سرفراز کرتا ہے۔ کیوں نہ ہو کہ مسلمان توحید الہی کی عظمت کا پرستار، اور مدنی تا جدار کی محبت و اطاعت کا جان نثار ہوتا ہے۔ وہ خدا کے آخری پیغام یعنی قرآن مجید، اور خدا کے آخری پیغمبر یعنی شیعہ محشر صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس سیرت و سنت کو اپنی زندگی کا نصب العین بنا کر اسی کے لیے جیتا ہے۔ اور اسی کے لیے مرتا ہے اور اپنی حیات و لمحات کے ہر لمحات میں خالق کائنات کے آئین و قوانین کا فرمانبردار اور رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے محاسن اخلاق و سیرت مقدسہ کا علمبردار ہوتا ہے۔ لہذا اُمت مسلمہ کا تمام اُمّتوں اور قوموں میں بہترین ہونا اتنا ہی یقینی ہے جتنا آگ کے لیے گرم ہونا۔ برف کے لیے ٹھنڈا ہونا، شکر کے لیے میٹھا ہونا لازمی اور یقینی ہے۔ مگر افسوس کہ آج ہم مسلمانوں کے تمام اعمالِ صالحہ، اور اخلاقِ حسنہ اس طرح غارت و برباد ہو گئے۔ کہ مسلمان خیر و صلاح سے غالی، اور شر و فساد کا دالی بن گیا۔ عبادت و ریاضت، کسب و تجارت، ایفاء و عہد و صداقت، رزقِ حلال صدق مقال۔ خوفِ ذوالجلال غرض تمام اچھے اچھے افعال، اور نیک اعمال مسلمانوں کی کتاب ہستی سے حرفِ غلط کی طرح مٹ گئے۔ اور بد اعمالی و مکاری، دھوکہ بازی و مکاری

عہد شکنی و غداری، الحاد و بیدینی کی گرم بازاری، امٹد و رسول سے انحراف اور دین و مذہب سے بیزاری کے سیلابوں نے مسلمانوں کو خس و خاشاک کی طرح بہا کر ہلاکت و بربادی کے ایسے گہرے سمندروں میں غرق کر دیا ہے کہ جہنم کی گہرائی بھی اس سے پناہ مانگتی ہے ہائے افسوس! وہ مسلمان ہو "خیر الامم" تھا آج "شر الامم" نظر آتا ہے۔ جو بہترین تھا وہ بدترین ہو گیا۔ جو افضل تھا وہ ارذل بن گیا۔ جو اعلیٰ تھا وہ ادنیٰ سے بھی بدتر ہو گیا۔ اے زمین بتا! اے آسمان بول! کیا صفحہ ہستی پر انقلاب حال کی ایسی کوئی مثال بھی تمہاری نظروں سے گزری ہے؟ ہائے افسوس! بالکل سچ کہا شاعر مشرق نے کہ ہے

شور ہے ہو گئے دُنیا سے مسلمان نابود
ہم یہ کہتے ہیں کہ تھے بھی کہیں مسلم موجود؟
تم ہو صورت میں نصاریٰ، تو تمدن میں ہنود
یہ مسلمان ہیں جنہیں دیکھ کے شر مابیش یہود

یوں تو سیّد بھی ہوا مرزا بھی ہوا، افغان بھی ہو
تم سبھی کچھ ہو بتاؤ تو مسلمان بھی ہو

ایک انگریز مفکر کا جواب | عزیزانِ ملت! مجھے ایک انگریز مفکر کی بات بار بار یاد آتی ہے۔ اس سے کسی مسلمان نے کہا کہ تم ایسے صاحبِ نظر ہوتے ہوئے مسلمان کیوں نہیں ہو جاتے؟ تو اس نے ایسا عبرت خیز جواب دیا کہ اس کو سن کر ہر غیرت مند مسلمان کی پیشانی پر عرقِ مذمت کا سیلاب اُمنڈ پڑتا ہے اس نے کہا کہ بھائی! میں جب اس اسلام پر نظر کرتا ہوں جو مسلمانوں کی کتابوں میں لکھا ہوا ہے۔ تو اسلام کی حقانیت کے سیکڑوں آفتاب میرے دل کی دنیا میں جلوہ گر ہو جاتے ہیں۔ اور میرا جی چاہتا ہے کہ میں اسلام کی مقدس کتابوں پر اپنا سر رکھ کر فطرتِ عقیدت سے عمر بھر اس کے تلوے چاٹتا رہوں۔ لیکن جب میں اس اسلام کو دیکھتا ہوں۔ جس پر آج کل کے مسلمان عمل کر رہے ہیں تو میرے دل میں اسلام سے ایسی نفرت

اور بیزاری پیدا ہو جاتی ہے کہ گویا پاپ کا ایک پہاڑ، یا وحشت و بربریت کا ایک اژدہا ہے۔ جو میری طرف لپک رہا ہے۔ اور میں اس سے بھاگ رہا ہوں۔

مسلمانو! اس غیر مسلم انگریز مفکر کے جواب سے عبرت پکڑو۔ اور سوچو کہ تم کو کیا ہونا چاہیئے تھا۔ اور تم کیا ہو گئے؟ ہائے ہائے افسوس سے

بن گئے تنکے نشیمن کے قفس کی تیلیاں

بن گیا کیا؟ ہم چلے تھے کیا بنانے کے لئے

مسلمانو! سچ کہا ہے کسی اہل بصیرت نے کہ ”مسلمانان در گور و مسلمانان در کتاب“

یعنی مسلمان قبروں میں چلے گئے۔ اور اسلام کتابوں میں رہ گیا ہے!

مسلمانو! اسی طرح میں ایک بوڑھے بیٹے کی بات کو عمر بھر

ایک بیٹے کی بات

فراموش نہیں کر سکتا۔ وہ مجھ سے کہنے لگا کہ مولانا صاحب! میں مسلمانوں کو ادھار سودا دینے میں کبھی پس و پیش نہیں کرتا تھا۔ کیونکہ مجھے جس طرح سوچ کی روشنی کا یقین ہے۔ اسی طرح مجھے اس بات کا یقین تھا کہ مسلمان کبھی بھی میری رقم نہیں مار سکتا۔ کبھی نہ کبھی ضرور میرا قرض ادا کرے گا اور اگر یہ نہ دے گا تو اس کا بیٹا یا پوتا ضرور دے گا۔ کیونکہ میں نے اپنے بڑے بوڑھوں سے یہ سنا تھا کہ مسلمانوں کے

پیغمبر اس مسلمان کی نماز جنازہ نہیں پڑھتے تھے جو قرضدار ہو کر مرا جاتا تھا۔ لیکن آج مسلمانوں

کی بد عہدی۔ اور بد دیانتی کا حال دیکھ کر میں ہرگز ہرگز کسی مسلمان کو ادھار سودا دینا گوارا

نہیں کرتا۔

اللہ اکبر! مسلمانو! سچ سچ بتاؤ کیا ہم نے اپنی بد عہدیوں اور بد دیانتیوں سے غیر

مسلموں کی نگاہوں میں اسلامی وقار کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچایا ہے یا نہیں؟ سوچو تو

سہی کہ ہم نے اپنے کرتوتوں سے اسلام کی عزت و عظمت کا کس طرح جنازہ نکال دیا؟

اور کس طرح ہم نے ملتِ اسلامیہ اور قومِ مسلم کے قومی دہلی پرچم وقار کو تار تار کر ڈالا۔

افسوس۔ صد ہزار افسوس! سے

جن کے ہنگاموں سے تھے آباد ویرانے کبھی
شہران کے مٹ گئے، آبادیاں بن ہو گئیں

سطوتِ توحید قائم جن نمازوں سے ہوئی
وہ نمازیں ہند میں نذرِ برہمن ہو گئیں

خود تجلی کو تمنا جن کے نظاروں کی تھی

وہ نگاہیں نا اُمید نورِ ایمن ہو گئیں

امر بالمعروف | بہر کیف اب آئیے مسلمان کے مقصدِ حیات اور اس کے وجود کی
غرض و غایت کی دوسری کڑی پر بھی ایک نظر ڈال لیجئے۔ خداوندِ عالم
نے ارشاد فرمایا کہ **يَا مَرْدُوتَ يَا لَمَعْرُوفَ** - یعنی قومِ مسلم کی حیات
و زندگی کا دوسرا مقصد یہ ہے کہ وہ ہمیشہ خدا کے بندوں کو اچھی اچھی باتوں کا حکم دیتا
رہے۔ اور اس نیک مقصد کی ادائیگی میں مسلمان اپنی بڑی سے بڑی قربانی سے بھی
دریغ نہ کرے۔

برادرانِ ملت! گلشنِ رسالت کے سب سے حسین پھول، یعنی ہمارے اور تمہارے
رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ حسنہ ہماری نگاہوں کے سامنے ہے کہ جب تمام
ملکِ عرب ہی نہیں بلکہ سارے عالم کی انسانیت بد اعمالیوں، اور بد کرداریوں کے
خوفناک سمندر میں غرق ہو رہی تھی۔ اور ہر طرف سبھاہ کاریوں کے بادل گناہ اور پاپ
کی موسلا دھار بارش برسا رہے تھے۔ خدا کے بندے خدا کے باغی اور اس قدر سرکش
اور طاغی ہو چکے تھے کہ کائنات کا ذرہ ذرہ ان کی بربریت و ہیبت کے ترو فساد
سے لرزہ بر اندام ہو رہا تھا۔ گمراہیوں اور بیدینیوں کے ابلیس نے انسانوں کے کانوں
آنکھوں اور دلوں پر ایسی شقاوت کی ہر لگادی تھی کہ حق کو سننے، حق کو دیکھنے حق
کو سوچنے کا بھی روادار نہیں تھا اور ہر انسان اسی ایک نعمت کی دھن پر قفسِ ابلیس کرتا ہوا
نظر آتا تھا کہ **ناصحا! مت کر نصیحت دل مرا گھراٹے ہے**
اس کو دشمن جانتا ہوں، جو مجھے سمجھاٹے ہے

مگر رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی جبرائیل ایمیانی کے قربان جاسیے۔ کہ ایسے پُر آشوب
 ماحول، اور اتنے ہوش ربا حالات میں بھی امر بالمعروف کا پرچم حق بلند کیا، کہ تمام عزیز و
 اقارب، بلکہ گھر والوں نے بھی آپ کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیا۔ آپ کا بائیکاٹ کیا
 کیا۔ شعبِ ابی طالب کی تنگ و تاریک گھاٹی میں محصور کر دیا۔ اور دانہ پانی بند کر کے اپنی
 دانست میں ہر طرح مجبور کر دیا یہاں تک کہ آپ کے مشفق و شفیق چچا ابوطالب کے
 قدم بھی ڈگمگانے لگے۔ اور انہوں نے بھی اپنی قوم کی دھمکیوں سے مرعوب و خائف ہو کر
 ایک دن یہ کہہ دیا۔ کہ اے میرے پیارے بھتیجے! تم خدا کے لئے مجھ بوڑھے چچا کی سفید
 داڑھی پر رحم کھاؤ۔ اور چند دنوں کے لئے تبلیغِ حق اور امر بالمعروف کا وعظ بند کر دو، ورنہ
 میں پورے ملکِ عرب کے علم بغاوت بلند کر دینے کی تاب نہیں لاسکتا۔ چچا جان کی گریہ وزاری
 اور بے قراری کو دیکھ کر اگر کوہِ ہمالیہ بھی ہوتا تو شاید اس کے پاسے استقامت میں بھی تزلزل
 پیدا ہو جاتا اگر رستمِ عالم بھی ہوتا تو وہ بھی غالباً لرزہ بر اندام ہو کر سہم جاتا۔ قدم اکھڑ جاتے
 دل بیٹھ جاتا۔ زبان بند ہو جاتی مگر خدا کی خدائی گواہ ہے کہ ایسے ہوشِ عریا، اور وصلہ
 شکن حالات میں بھی خدا کے مقدس رسول نے اپنی پیغمبرانہ استقامت کے ساتھ اپنے
 چچا جان کو یہ جواب دیا کہ اے مہربان چچا! اگر ملکِ عرب ولے میرے ایک ہاتھ میں
 سورج، اور دوسرے ہاتھ میں چاند لا کر رکھ دیں۔ اور اس کے بدلے میں مجھ سے
 یہ مطالبہ کریں کہ میں ایک لمحہ کے لئے بھی امر بالمعروف اور تبلیغِ حق کا وعظ بند کر دوں تو یہ
 غیر ممکن اور محال ہے۔ سبحان اللہ۔ سبحان اللہ! سچ ہے

بنائے آسمان بھی جس زمیں پر ڈگمگاتی تھی
 محمد تھے کہ ان کے پاؤں میں لغزش نہ آتی تھی
 خوشی تھی فتح کی ان کو نہ کوئی ہزیمت کا
 مثالِ عرشِ قائم تھا قدم ان کی عزیمت کا،
 فلک نے بار بار انسان کو جنگ آزما پایا،
 نہ قائم اس طرح کوئی محمد کے سوا پایا،

برادرانِ اسلام! اسی طرح اگر تم صحابہ کرام کی مقدس زندگی کا مطالعہ کرو گے تو تمہیں یہی نظر آئے گا کہ ہر صحابی نے اپنی حیات کے آخری لمحات تک امر بالمعروف اور تبلیغ شریعت کے فرائض کو ادا کرتے ہوئے دنیا سے آخرت کا سفر کیا۔ اللہ اکبر! مسلمانوں اس موقع پر مجھے حضرت امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آخری زندگی کا ایک واقعہ یاد آگیا۔ جس کو سن کر دل تڑپ جاتا ہے!

امر بالمعروف بستر موت پر | حضرات! آپ نے بارہا علمائے کرام سے سنا ہوگا کہ امیر المومنین حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس طرح شہید ہوئے کہ عین حالتِ نماز میں جب کہ آپ مصلیٰ پر نماز فجر کی امامت فرما رہے تھے۔ ایک ازلی شقی ابو لؤلؤ و فیروز مجوسی کافر نے آپ کے شکم مبارک میں خنجر مارا۔ لوگ امیر المومنین کو مسجد سے اٹھا کر کاشانہ خلافت میں لائے۔ طبیب نے کھجور کا شربت پلایا۔ تو وہ آنٹوں سے نکل کر باہر آگیا۔ پھر دودھ پلایا تو وہ بھی آنٹوں سے بہہ نکلا۔ اس کے بعد طبیب نے کہہ دیا کہ اے امیر المومنین! آپ اب وصیت شروع کر دیجئے اب آپ کا علاج غیر ممکن ہے۔ اور یہ آپ کا آخری وقت ہے۔ یہ سن کر امیر المومنین وصیت فرماتے لگے عین اسی حالت میں ایک انصاری نوجوان کو آپ نے دیکھا کہ اس کا تہمتخونوں سے نیچے زمین پر گھسٹ رہا ہے۔ آپ اس حالت میں بھی ایک مسلم نوجوان کی اتنی سی خلاف شرع بات کو برداشت نہیں کر سکے۔ باوجودیکہ زخموں کی تکلیف سے لبوں پر دم اچکا ہے مگر اس حال میں بھی امر بالمعروف کا جذبہ کم نہیں ہوا۔ بلکہ آپ نے اس نوجوان کو مخاطب فرما کر اس طرح ارشاد فرمایا کہ۔

یعنی اے میرے بھتیجے! اپنے کپڑے
کو ٹخنوں سے اوپر اٹھا لے۔ کیونکہ ایسا
کرنے سے تیرے کپڑے بھی زمین کے
گرد و غبار سے صاف ستھرے رہیں گے
اور تو اپنے رب کا پرہیزگار بندہ بھی

يَا ابْنَ أَخِي اِرْفَعْ ثَوْبَكَ
فَإِنَّهُ أَتَقَى لِيْثُوْبِكَ
وَأَتَقَى لِيْرَبِّكَ۔

بن جائیگا

مسلمان بھائیو! دیکھ لیا آپ نے حضرت فاروق اعظم کے امر بالمعروف کا جذبہ؟
کیوں نہ ہو؟ کہ **يَا مَرْوَنَ يَا مُعَرَّوَنَ** ایک مومن کا مقصد حیات اور اس
کی زندگی کا ایک اہم نصب العین ہے!

نہی عن المنکر | اچھا۔ برادران ملت! اب آئیے مومن کے مقصد حیات کی تیسری کڑی
یعنی **يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ** کی بھی کچھ تجلیاں دیکھ لیجئے۔ اچھی
باتوں کا حکم دینا "امر بالمعروف" ہے۔ اور بُری باتوں سے منع کرنا یہ "نہی عن المنکر" ہے
جس طرح اچھی باتوں کا حکم دینا مسلمان کی ہستی کا مقصدِ عظیم ہے۔ اسی طرح بُری باتوں سے
روکنا بھی مسلمان کی زندگی کا ایک بڑا نصب العین ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بارہا آپ نے
یہ حدیث شریف سنی ہوگی کہ۔

مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَرًا
فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ فَإِنْ
لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ وَ
مَّا بَعْدَ ذَلِكَ حَبْسٌ
خَرَدَلٍ مِنَ الْإِيمَانِ .
یعنی تم میں سے جو کوئی کسی برائی کو دیکھے
تو اس پر لازم ہے کہ اپنے ہاتھ سے روک
دے اور اگر اتنی طاقت نہ ہو کہ اپنے ہاتھ
سے روک دے تو اپنی زبان سے منع کرے
اور اگر یہ بھی نہ کر سکتا ہو تو کم سے کم اس
برائی کو اپنے دل سے برا سمجھ کر اس سے
بیزاری ظاہر کرے۔ اور اگر کوئی اتنا بھی نہ
کر سکا۔ تو پھر سمجھ لو کہ اس کے دل میں رائی
کے دانے کے برابر بھی ایمان نہیں ہے۔

حضرات! حقیقت یہ ہے کہ اچھی باتوں کا حکم دینا اور بُری باتوں سے منع کرنا یہ
درحقیقت جہاد فی سبیل اللہ کا ایک بہت بڑا شاہکار ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس راہ
میں جان قربان کرنے والے شہادتِ کبریٰ کی اتنی بلند ترین منزل پر فائز ہوتے ہیں کہ ان کی
کرامتوں کو دیکھ کر مومن تو مومن، کفار و مشرکین کے سینوں میں پتھروں سے زیادہ سخت

دل بھی موم سے زیادہ نرم ہو جاتے ہیں۔

ایک عجیب کرامت | حضرات! اس وقت مجھے حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ

تعالیٰ عنہ کی ایک کرامت یاد آگئی۔ یہ ان مقدس جاں باز مجاہدین اسلام میں سے ہیں جن کو رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار کی بستیوں میں تبلیغ اسلام کے لیے بھیجا تھا۔ ان کے ساتھ ۹۰ دوسرے صحابہ کرام بھی تھے۔ یہ لوگ جب عسفان و مکہ کے درمیان پہنچے۔ تو قبیلہ بنو لحيان کے مشرکوں نے ناگہاں ان لوگوں پر حملہ کر دیا۔ اس جنگ میں حضرت عاصم اور دوسرے سات صحابہ کرام شہید ہو گئے اور حضرت خنسیب اور حضرت زید بن وثنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما زندہ کفار کے ہاتھوں میں گرفتار ہو گئے۔ اور مکہ لائے گئے۔ اور کفار مکہ نے ان دونوں کو تختہ دار پر نیزہ مار مار کر شہید کر دیا۔ پھر حیب کفار مکہ کو یہ خبر ملی کہ حضرت عاصم بن ثابت عسفان و مکہ کے درمیان شہید کر دئے گئے ہیں۔ تو چونکہ حضرت عاصم جنگِ بدر کے دن بڑے بڑے کفار مکہ کو قتل کر چکے تھے۔ اس لئے ان ظالموں نے جوشِ انتقام میں چند لوگوں کو بھیجا کہ حضرت عاصم کے بدن کا کوئی ٹکڑا کاٹ کر لائیں۔ جس سے یہ شناخت ہو جائے کہ واقعی یہ اسلام کا جاں باز بہادر قتل ہو گیا ہے۔ چنانچہ اس بُرے ارادے سے جب کفار مکہ ان کی لاش کو تلاش کرتے ہوئے قریب پہنچے تو کیا دیکھا کہ خداوند تعالیٰ نے لاکھوں شہید کی مکھیوں کا لشکر بھیج دیا ہے۔ جنہوں نے حضرت عاصم کی لاش کو چاروں طرف سے گھیر لیا ہے۔ چنانچہ ہزاروں کوششوں کے باوجود کفار مکہ ان کا کوئی عضو تو کیا کاٹ سکتے۔ ان کی مقدس لاش تک بھی نہیں پہنچ سکے اور نامراد واپس لوٹ گئے۔ (بخاری ج ۲ ص ۵۸۶)

سبحان اللہ۔ سبحان اللہ! حضرت محترم دیکھ لیجئے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی راہ میں جان قربان کرنے والوں کا درجہ اور رتبہ کہ شہید کی مکھیوں کی شکل میں خداوند قدوس نے آسمانی لشکروں کو ان کی لاشوں کی حفاظت کے لئے بھیج دیا اور اس کی رحمت نے یہ گوارا نہیں فرمایا کہ کوئی کافر اس شہید فی سبیل اللہ کی لاش مبارک کی بے ادبی کر سکے۔ اللہ اکبر کیوں نہ ہو۔

جہاد فی سبیل اللہ پر ہو کر کمر بستہ

لیا ہو جس مجاہد نے شہادت کا رستہ

خدا و مصطفیٰ کے دشمنوں پر موت برسا کر

وہ گر جائے اگر میدان میں تیرا جل کھا کر

وہ زندوں سے زیادہ زندہ ہے پھر اس کاظم کیسا

بہت مسرور ہے وہ اس پر رونا اور الم کیسا؛

پس کو دے جو بہر دین دلت سر بھی سینہ بھی

مبارک اس کا مرنا بھی، مبارک اس کا جینا بھی

حضرات! یہ کیفیت امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ایک مسلمان کا مقصد حیات، اور

اس کی زندگی کا نصب العین ہے۔ اور خدا کی قسم! ان مبلغین اور واعظین کو بہت ہی

قابل قدر سمجھتا ہوں۔ جو اُمتِ مسلمہ کو اپنے وعظوں اور تقریروں سے صراطِ مستقیم پر چلنے

کی ہدایت فرماتے رہتے ہیں۔ درحقیقت یہ لوگ اس دور میں جہاد فی سبیل اللہ کا اجر و

ثواب پانے کے مستحق ہیں۔ خداوند کریم ان کے فیوض و برکات میں ترقی عطا فرمائے

(آمین)

لیکن ہاں ایک اور ضروری بات بھی اس موقع پر عرض کر دینا مناسب
واعظ کی شان سمجھتا ہوں۔ اور وہ یہ کہ دوسروں کو اچھی باتوں کا حکم دینے

والا، اور بُری باتوں سے منع کرنے والا، اس کی کیا شان ہونی چاہیئے؛ تو برادران

ملت! یہ بہت ہی ضروری ہے کہ وعظ کہنے والا خود بھی علم کے ساتھ ساتھ عمل کی

دولت سے بھی مالا مال ہو۔

کیونکہ حضرت حق جل جلالہ کا ارشاد ہے کہ

یعنی اے لوگو! تم دوسروں کو

أَتَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبِرِّ

تو اچھی باتوں کا حکم دیتے ہو لیکن

وَتَنْسَوْنَ أَنْفُسَكُمْ

خود اپنی ذاتوں کو بھولے بیٹھے

أَنْتُمْ تَنْسَوْنَ الْكِتَابَ

أَفَلَا تَعْقِلُونَ ۝

ہوئے ہو۔ حالانکہ تم لوگ کتاب
کی تلاوت کرتے ہو۔ تو کیا تم لوگ
اپنے اس کرتوت کو بُرائی نہیں
سمجھتے ہو؟

(بقرہ)

برادرانِ ملت! دیکھا آپ نے خداوندِ قہار و جبار کے قہر و جلال کا تیور؟ جو لوگ
دوسروں کو خیر اور نیکی کا حکم دیتے ہیں۔ مگر خود خیر اور نیکی کے کاموں سے دُور رہتے
ہیں۔ ان کو خداوندِ قادر و قیوم نے زبرد و توینح فرماتے ہوئے ”بے عقل“ اور ”نا سمجھ“
جیسے خطابوں کے ساتھ موردِ عقاب فرمایا۔

اس لئے واعظینِ کرام کو لازم ہے کہ وہ خود بھی اپنے اعمال و افعال کو شریعتِ مقدسہ
کی تعلیم کے مطابق درست رکھیں۔ اور بخاری شریف کی اس حدیث پر نظر رکھیں جو بہت
ہی عبرت خیز ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن
ایک شخص جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ اور وہ اس طرح جہنم میں چکی پیستا ہوگا جس طرح
گدھا چکی چلایا کرتا ہے۔ یہ دیکھ کر جہنمی لوگ اس کے پاس آئیں گے اور اس سے
کہیں گے۔ کہ اے فلاں! ارے تو بھی جہنم کے اندر عذاب میں مبتلا ہے؟ حالانکہ تو
وہ شخص ہے کہ دنیا میں تو لوگوں کو اچھی باتوں کا حکم دیا کرتا تھا۔ اور بُری باتوں سے
منع کیا کرتا تھا۔ تو وہ شخص یہ جواب دے گا کہ۔

إِنِّي كُنْتُ أَمْرًا لِّمَعْرُوفٍ
وَلَا أَفْعَلُهُ وَأَنْهَى عَنِ
الْمُنْكَرِ وَأَفْعَلُهُ۔
یعنی میں لوگوں کو تو اچھی باتوں
کا حکم دیا کرتا تھا۔ مگر خود اچھے کام
نہیں کرتا تھا۔ اور میں دوسروں کو بُری
باتوں سے منع کرتا تھا۔ مگر میں خود

(بخاری، جلد ۲، صفحہ ۱۰۵۲)

ان برے کاموں کو کرتا تھا؟

مگر افسوس! کہ آج کل تو یہ حال ہے کہ بعض مقررین اور واعظین نے اپنے عمل و
کردار، اور ذہنیت کی پستی سے عوام کے ذہنوں کو اس قدر بدظن کر دیا ہے۔ کہ عوام ان

لوگوں کی پُرسوزش تقریروں کو سن کر زبانِ قاتل سے نہیں تو زبانِ حال سے اتنا ضرور کہہ دیتے ہیں کہ

واعظ کا ہر اک ارشاد بجا، تقریر بہت دلچسپ بھی ہے۔

آنکھوں میں سرورِ عشق نہیں، چہرے پر یقین کا نور نہیں

بلکہ مجھے صاف فرما دیجئے تو کہہ دوں کہ اب تو ایسے واعظوں کی کمی نہیں جو اپنے تھوک سے ہزاروں روپے کما لیتے ہیں۔ غالباً آپ لوگوں نے تھوک سے ہزاروں روپے کمانے والے واعظ کا قصہ تو سنا ہی ہو گا اور اگر نہیں سنا ہے۔ تو مجھ سے سُن لیجئے۔

حضرات! سنا ہے کہ ایک مولوی صاحب بہت ہی آتش بیان واعظ **تھوک کا روپیہ** تھے۔ مگر بہت ہی کاہل اور عہدی مزاج تھے۔ دن بھر گھر میں بیٹھے روٹی اور پلنگ توڑتے رہتے تھے۔ ان کی بیوی جب ان سے کہتی کہ خدا کے لئے کچھ کما بیٹے تو ڈانٹ کر کہہ دیتے تھے۔ کہ چپ رہو۔ میں وہ باکمال شخص ہوں کہ میں اگر چاہوں تو اپنے تھوک سے ہزاروں روپے کما سکتا ہوں۔ ایک دن بیوی نے حل کر کہہ دیا کہ نوج۔ نہیں قسم ہے کہ اپنے تھوک سے ہزاروں روپے تو کجا؛ ذرا سو ہی روپیہ کما کر دکھا دو تو میں مان لوں گی کہ واقعی تم صاحبِ کمال ہو۔ ورنہ میں تو یہی سمجھوں گی کہ بقول کسی شاعر کے

مرے اشعار اڑ جائیں تو اس میں کیا تعجب ہے۔

جناب شیخ! تو اکثر اڑا دیتے ہیں بے پر کی۔

بیوی کا یہ خون کھولا دینے والا طعنہ سُن کر مولوی صاحب بلبلا گئے۔ اور جھٹ پٹ پلنگ سے کود کر باہر نکل گئے۔ اور گھر سے سیکڑوں میل دور جا کر داڑھی مونچھ کا صفایا کر ڈالا اور ایک تہ بند اور بنیان پہن کر ایک چھوٹے سے گاؤں میں شیعوں کی مسجد میں جھاڑو دینے کی نوکری کرنے لگے۔ مسجد میں جھاڑو دیتے۔ حوض صاف کرتے، چٹائی اٹھاتے پچھاتے اور روزانہ ہر شخص سے یہی کہتے کہ بائے افسوس! میں نے کچھ بھی نہیں پڑھا۔ بالکل ہی جاہل رہ گیا ورنہ میں بھلا مسجد میں جھاڑو دیتا؟ اپنی

جہالت کا پروپیگنڈہ کرنے کے لئے ایک دن بازار سے قاعدہ بغدادی لائے۔ اور
مکتب میں جا کر مکتبہ جی سے الفت۔ بے پڑھنا شروع کر دیا۔ مگر دال جال کے سوا کبھی دال
ڈال نہیں پڑھا۔ غرض ساری بستی کو پورا پورا یقین دلادیا کہ مسجد کا بھنڈاری بالکل ہی
جاہل مطلق اور زادیہاتی گنوار ہے۔ مگر ایک دن بالکل اچانک فجر کی نماز کے بعد
اعلان کر دیا کہ سب لوگ ٹھہر جائیں۔ میں آج دھڑ پڑھوں گا۔ چنانچہ چٹ منبر پر چڑھ گیا۔
شعلہ بیان مقرر تو تھا ہی۔ چند منٹوں میں اپنی آتش بیانی اور تقریر کی روانی سے سامعین
کو محو حیرت بنا دیا۔ مناقب و مثالب بیان کرتے کرتے ایک دم جو اہلبیت کے مصائب
پر دل ہلا دینے والی تقریر کر دی۔ تو سامعین روتے روتے آنسوؤں میں لت پت ہو گئے
اور بھنڈاری صاحب منبر سے بھٹ پٹ دھم سے کود کر فرش پر کھڑے ہو گئے۔ اور علی مولیٰ
”حیدر مولیٰ“ کا نعرہ لگانے لگے۔ سامعین نے حیران ہو کر دریافت کیا کہ بھنڈاری صاحب
خدا کے لئے جلد بتائیے کہ یہ کیا معاملہ ہے؟ کہ آپ جیسے جاہل گنوار رات بھر میں
اتنے بڑے مقتدر عالم ہو گئے کہ بڑے بڑے قبلہ و کعبہ بھی آپ کی گرد کو نہیں پہنچ سکتے
اس سوال کو سن کر بھنڈاری صاحب چیخ مار کر روتے لگے۔ اور کہا کہ بھائیو! تم لوگ
جانتے ہی ہو کہ میں کتنا بڑا جاہل تھا مگر آج رات جب میں نو سو ننادے مرتبہ۔
”ناد علی“ پڑھ کر سویا تو خواب میں حضرت مولیٰ علی کی زیارت نصیب ہو گئی۔ مولائے کائنات
نے مجھ سے خوش ہو کر فرمایا کہ ”منہ کھول“ چنانچہ میں نے اپنا منہ کھول دیا۔ تو حضرت مولیٰ
علی نے میرے منہ میں اپنا لعاب دہن ڈال دیا۔ بس ایک دم میرا سینہ کھل گیا۔ اور میں
دم زندہ میں تمام علوم و فنون کا ماہر بن گیا۔ یہ سن کر پورا مجمع علی مولیٰ۔ حیدر مولیٰ کہہ کر نزار راز
رونے لگا۔ اور ہر شخص اپنا سینہ کوٹنے پیٹنے لگا۔ گھنٹوں ماتم ہوتا رہا پھر ایک شخص
نے عرض کیا کہ بھنڈاری صاحب واسطہ۔ آپ بڑے ہی خوش نصیب ہیں کہ حضرت مولیٰ
نے آپ کے منہ میں اپنا لعاب دہن ڈالا۔ اب خدا کیلئے آپ ہم لوگوں کے منہ میں
اپنا لعاب دہن ڈال دیجیئے۔ تاکہ ہمارے منہ بھی طیب و طاہر ہو جائیں۔ بھنڈاری نے تڑپ
کہہا کہ ہرگز نہیں۔ میں یوں ہی مفت میں تم لوگوں کو اس سعادت سے سرفراز نہیں کر سکتا

ہاں اگر کوئی صاحب ایک سو روپیہ حضرت مولیٰ کی نذر و نیاز کا پیش کئے تو میں اس کی یہ تمنا پوری کر دوں گا۔ یہ سنتا تھا کہ سب ایک ایک سو روپیہ لے کر حاضر ہو گئے بھنڈاری صاحب ہر ایک سے سو روپیہ لیتے۔ اور یہ کہتے کہ منہ کھولو۔ وہ غریب جو بچ پھاڑ کر منہ کھولتا تو بھنڈاری صاحب چوتھ بھر متھوک اس کے منہ میں ”آخ تھو“ کہہ کر متھوک دیتے۔ اسی طرح آخ تھوک کے سب کے منہ میں تھوکا۔ اور ہزاروں روپیہ لے کر رات کی تاریکی میں چپکے سے چھپت ہو گئے۔ اور گھر میں اگر نوٹوں کی گڈیاں بیوی کے قدموں پر ڈال کر کہا کہ لو بیگم! وائٹ اگر تم کہو تو میں کعبہ کے اندر قرآن شریف سر پر رکھ کر قسم کھا لوں کہ یہ ساری رقم میرے متھوک کی کمائی ہے۔ یہ سن کر بیوی نے کہا کہ وہ کیسے؟ تو مولوی صاحب نے اپنے بھوپ کی پوری کہانی سنائی۔ داستان سن کر ہنستے ہنستے۔ بیوی لوٹ پوٹ ہو گئی اور کہنے لگی کہ واہ مولوی صاحب! آپ میں مان گئی کہ واقعی ہے

ع۔ بہت باریک ہیں واعظ کی چالیں

اور بالکل سچ کہا ہے شاعر مشرق ڈاکٹر اقبال نے کہ ہے

عقل عیار ہے سو بھیس بنا لیتی ہے۔

عشق بے چارہ نہ ملتا ہے، نہ واعظ، نہ حکیم

حضرات! بہر حال میں اپنے مقصد سے بہت دُور چلا گیا۔ مگر کیا کروں؟

بات آگئی تو کہنا ہی پڑتا ہے

ہر چند ہو مشاہدہ حق کی گفتگو،

نہی نہیں ہے بادۂ دساغر کہے بغیر

”خیر“ اب میں پھر اپنے مقصد کی طرف آتا ہوں۔ ذرا غور سے سنئے۔ اور ایک مرتبہ

درود شریف کا ورد کر لیئے۔ اللہ صلی علی سیدنا محمد وعلی آل سیدنا

محمد وبارک وسلم۔

حضرات گرامی! میں یہ عرض کر رہا تھا کہ مسلمان کا مقصد حیات چار چیزیں ہیں۔ خیر الامم

ہونا۔ امر بالمعروف۔ نہی عن المنکر۔ ان یمنوں۔ مقاصد کو تو میں ایک حد تک عرض کر چکا

اب چوتھا اور آخری مقصد بھی سن لیجئے۔ ارشاد خداوندی ہے کہ **وَتُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ** یعنی اللہ پر ایمان رکھنا۔

حضرات! ”ایمان باللہ“ یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات پر ایمان رکھنا۔ یہ لفظ ہر ایک مختصر سا جملہ ہے مگر اگر غور کیجئے تو پورا اسلام اسی ایک جملے میں سمایا ہوا ہے۔ اس لئے کہ اسلام کے تمام عقائد و اعمال کا محور، اور دار و مدار اسی ایمان باللہ کی حقیقت پر ہے۔ رسولوں پر ایمان، ملائکہ پر ایمان، آسمانی کتابوں پر ایمان، قیامت پر ایمان، تقدیر پر ایمان، غرض تمام ایمانیات پر ایمان اسی حیثیت سے فرض ہے کہ ان سب کا تعلق خداوند تعالیٰ کی ذات سے ہے۔ اسی طرح نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، تمام فرائض و واجبات، سنن و مستحبات غرض تمام اعتقادات و عملیات کا مقصد اعلیٰ خدا ہی کی رضا اور اسی کے رضوان و غفران کی تمنا ہے۔ اس لئے ”ایمان باللہ“ ایک مومن کا وہ مقصد حیات، اور مقصود زندگی ہے۔ جو تمام مقاصد حسنہ کی صفِ اوّل میں سب سے ممتاز سب سے افضل، سب سے اعلیٰ اور سب پر بالا ہے۔

برادرانِ اسلام! آپ حیران ہوں گے کہ صرف ”ایمان باللہ“ کے مختصر سے لفظ میں پورا اسلام کیوں کر سمایا ہوا ہے؟ تو برادرانِ اسلام! میں آپ کے سامنے ایک ایسی مثال پیش کر دیتا ہوں۔ جس سے ان شاء اللہ تعالیٰ بڑی آسانی کے ساتھ یہ حقیقت۔ آپ کے ذہن میں اتر جائے گی کہ ایک لفظ ”ایمان باللہ“ میں پورا اسلام کیونکر سمٹاؤں سمٹایا ہوا ہے؟

ارے بھائیو! آپ نے نکاح ہوتے تو دیکھا ہی ہو گا؟ شادی میں نے قبول کیا | کے وقت دولہا میاں کا تیور دیکھنے کے قابل ہوتا ہے جب برائت روانہ ہوتی ہے، تو دولہا میاں اپنے کو نو شہ سمجھ کر مارے خوشی کے پھولے نہیں سماتے۔ پھر قاضی صاحب آتے ہیں۔ اور خطبہ پڑھ کر جب ایجاب و قبول کرتے ہیں۔ تو یہی تو کہتے ہیں کہ فلاں کی لڑکی فلاں نام کی میں نے اتنے مہر کے عوض تمہارے ساتھ اس کا نکاح کر دیا۔ کیا تم نے قبول کیا؟ تو دولہا میاں خوش ہو کر کہتے ہیں کہ میں

نے قبول کیا۔ "مجمع میں یہ کہہ کر دو لہامیاں مارے خوشی کے اتنا پھول جاتے ہیں۔ کہ اس موقع پر کبھی کبھی شیروانی کے ساتوں ٹن ٹوٹ جاتا کرتے ہیں اور کھڑے ہو کر مسکراتے ہوئے حاضرین کو سلام کرتے ہیں۔ بس اسی دہلول کا نام نکاح ہے؛

لیکن نکاح کے بعد جب دھن رخصت ہو کر دو لہامیاں کے گھر آتی ہے اور گھر گرہستی سنبھالتی ہے۔ تو پھر صبح ہوتے ہی فرمائشوں کا ایک طومار بندھ جاتا ہے۔ دھن صاحبہ کہتی ہیں کہ میاں! بازار جائیے۔ آٹا، چاول، دال، تیل، مصالحہ، گوشت، مچلی، لکڑی لائیے اور چٹنی کے لئے ذرا سویا، ہر ادھنیا، پودینہ اور لیموں بھی لیتے آئیے گا، اور ہاں تو ا، کڑاہی، دیگچی، چچہ اور طشتری، پیالے بھی خرید لیجئے گا اور میرے لیے دو پٹہ شلوار، ذراک کا کپڑا بھی لائیے گا، اور میرے لئے منجن، برش، پوڈر، لالی، کابل سنو بھی ضرور لیتے آئیے گا بیوی کے ان مطالبات کی شیطانی آنت جیسی لمبی فہرست سن کر دو لہامیاں کے ہوش اڑ گئے۔ لہا لہا سانس آنے جانے لگا۔ اور کہنے لگے کہ بیگم صاحبہ! میں یہ سب سامان کیوں لاؤں؟ نکاح کے وقت قاضی صاحب کے سامنے تو ان چیزوں کا کوئی ذکر نہیں آیا تھا۔ میں نے تو صرف اتنا ہی کہا تھا کہ "میں نے قبول کیا"۔ بیگم صاحبہ تڑپ کر بولیں کہ نوچ اچی جب تم نے قبول کیا تھا۔ تو اسی قبول کیا کے اندر یہ سارے سامان آگئے۔ آٹا، چاول، دال تیل مصالحہ، اور گھر کے سارے سامان تمہارے اسی قبول کیا کے لفظ میں سمٹے اور سمائے ہوئے ہیں۔ ابھی کیا ہوا؟ ابھی تو کچھ بھی نہیں ہوا۔ چند دنوں میں میرے بچے پیدا ہوں گے تو ان بچوں کے لئے دودھ کا پوڈر، چاکلیٹ، کھلونے بھی اسی قبول کیا میں رکھے ہوئے ہیں۔ پھر ان بچوں بچیوں کے مونڈن، عقیقے، تختے، سب کی شادیاں ان سارے مطالبات کے لشکر تمہارے اسی "قبول کیا" کے کیمپ میں چھپے ہوئے ہیں بیوی کی یہ تقریر سن کر دو لہامیاں عین عین ہونے لگے۔ اور بھرائی ہوئی آواز میں کہنے لگے کہ بیگم! میں ہر گز ہر گز تمہاری ان فرمائشوں کو پورا نہیں کر سکتا۔ میں نے تو صرف قبول کیا ہے۔ ان مطالبات کے پورا کرنے کا عہد تو نہیں کیا ہے اب جب میاں

بیوی میں جوتی کے اندر دال بٹنے لگی۔ تو محلے کے پُرانے پرانے خزانہ قسم کے گھاگ چودھریوں کی پنچایت جمع ہوئی۔ اور بیوی کے جائز مطالبات کو سُن کر سب نے یہی فیصلہ کیا۔ کہ دولہا میاں! ہوش کی دوا کرو۔ جب تم نے قبول کیا ہے تو پھر اس قبول کیا کی ذمہ داریوں سے بھاگتے کیوں ہو؟ بیگم صاحبہ سمجھ رہی ہیں کہ اسی قبول کیا میں میاں بیوی کی زندگی کے تمام لوازم، اور ضروریات آگئے۔ لہذا تم کو بیگم صاحبہ کے تمام مطالبات پورے کرتے ہی پڑیں گے یہی پنچوں کا فیصلہ ہے۔ بلکہ تمام دنیا کے لوگوں کا یہی فیصلہ ہے اور یہ وہ قطعی فیصلہ ہے کہ اس کو نہ پارلیمنٹ بدل سکتی ہے۔ نہ ہائی کورٹ، یا سپریم کورٹ میں اس کے خلاف اپیل ہو سکتی ہے۔

برادرانِ ملت! دیکھ لیا آپ نے؟ کہ صرف ایک جملہ ”میں نے قبول کیا“ میں زندگی بھر کی ہزاروں لاکھوں چیزیں جس طرح سمٹی اور سمائی ہوئی ہیں۔ اسی طرح ”ایمان“ کے ایک لفظ میں پورا اسلام سمٹا اور سمایا ہوا ہے۔ جی! اسی لئے تو کہا گیا ہے کہ یہ شہادت کہ الفت میں قدم رکھنا ہے۔
لوگ آسان سمجھتے ہیں، مسلمان ہونا۔

بہر کیفیت عزیزو اور دوستو! مسلمان کی زندگی کے چاروں مقاصد پر میں کافی روشنی ڈال چکا۔ اور اب یہ مسئلہ صاف ہو چکا لہذا اب اس اصول پر ایک نظر ڈالئے کہ جب تک کوئی چیز اپنے مقاصد وجود، اور اپنی ہستی کے اغراض و مقاصد کو پورا کرتی رہتی ہے۔ اس کی قدر و قیمت باقی رہتی ہے۔ اور جب کوئی چیز اپنے مقاصد حیات اور اپنے وجود کی غرض و غایت کو ضائع کر دیتی ہے۔ تو اس کی قدر و قیمت گھٹ جاتی ہے۔ یا بالکل ہی ختم ہو جاتی ہے۔ اب اس زیر اصول کے پیش نظر یہ مسئلہ آئیٹے کی طرح صاف ہو گیا۔ کہ مسلم قوم پہلے زمانے میں کیوں قدر و قیمت دالی تھی؟ اور اب یہ قوم کیوں اس قدر بے وقعت ہو گئی کہ اس کی کوئی قدر و قیمت ہی باقی نہیں رہی؟ اور پہلے زمانے میں کیوں مسلمانوں کی حمایت و حفاظت کے لئے آسمانوں سے فرشتوں کی فوج اترتی تھی؟ اور اب اس دور میں آسمانی شکر کی امداد و اعانت نے کیوں مسلمانوں

سے اپنا منہ پھیر لیا؟

تو براہِ راست بات بالکل صاف ہے کہ ہمارے سہل و آسان، اور پرانے زمانے کے مومنین چونکہ اپنے چاروں مقاصدِ وجود اور اپنی حیاتِ دنیا کی چاروں غرضوں اور غایتوں کو پورا کرتے رہے۔ یعنی بیزارِ لائم ہونے کا ہر وقت احساسِ امر بالمعروف نہی عن المنکر، ائمہ پر ایمان ان مقاصد کو ہمیشہ علی وجہ الکمال پورا کرتے رہے۔ اس لئے خلق اور خالق کے نزدیک ان کی قدر و قیمت تھی۔ اور چونکہ یہ قیمتی تھے اس لئے ان کا مالک یعنی خداوندِ عالم ان کی ہمیشہ حمایت و حفاظت فرماتا تھا۔ اور آج کل کے مسلمان چوں کہ اپنے ان چاروں مقاصدِ حیات کو براہِ غارت کر چکے۔ اس لئے نہ مخلوق کی نگاہوں میں ان کی کوئی عزت و وقعت رہی۔ نہ خالق کے دربار میں ان کی کوئی قدر و قیمت باقی رہ گئی۔ اور جب یہ قیمتی نہیں رہے۔ تو ان کے مالک خداوندِ عالم نے ان کی حفاظت بھی چھوڑ دی۔ لہذا اے مسلمان بھائیو! سن لو۔ اگر تم اس دنیا میں قدر و قیمت والے بن کر رہنا چاہتے ہو۔ اور عزت و نصرت کے خواستگار اور خدا کی حمایت و حفاظت کے طلبکار ہو۔ تو اگلے مسلمانوں کی طرح اپنے مقاصدِ حیات کو پورا کرو۔ اور سچے مسلمان بن کر جو۔ اور سچے مسلمان بن کر مرد۔ ورنہ یاد رکھو کہ اگر تم خدا کی امداد و نصرت سے محروم ہو گئے۔ تو گردشِ لیل و نہار تمہیں اس طرح پیس ڈالے گی کہ تمہارے وجود کی ہڈیاں تک گرد و غبار بن کر فضا نے عالم میں اڑ جائیں گی۔ اور تمہارے وجود و ہستی کی دردناک داستان کتابوں کے صفحات میں آنے والی نسلوں کے لئے عبرت کا سامان بن کر باقی رہ جائے گی۔ مسلمانوں تم سنو یا نہ سنو۔ مگر گردشِ لیل و نہار کی لٹکار، اور زمانے کی پیکار تمہیں بیدار و ہوشیار کر رہی ہے۔

غلط روی سے منازل کا بعد بڑھتا ہے مسافر! روش کارواں بدل ڈالو

جگا جگا کے تمہیں سو گئے ہیں، نشاط و لذتِ خوب گراں بدل ڈالو

سفینہ اب بھی کنارے پہ لگ تو سکتا ہے ہوا کے رخ پہ چلو بادِ باں بدل ڈالو

وما علینا الا البلاغ و صلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد و آلہ و صحبہ اجمعین۔

پینتیسواں وعظ
۳۵

جنگِ تبرک اور تین صحابہؓ



بنائے آسماں بھی جس میں پر ڈمکاتی تھی
مٹتے تھے کہ اُن کے پاؤں میں لغزش نہ آتی تھی



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

كَقَدْ تَابَ اللّٰهُ عَلٰی النَّبِیِّ وَالْمُهَاجِرِیْنَ وَالْاَنْصَارِ
الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُ فِیْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْۢ بَعْدِ مَا كَادَ
یَزِیْغُ تُلُوْبُ فَرِیْقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَیْهِمْ اِنَّ اللّٰهَ
بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ۝ وَ عَلٰی الثَّلَاثَةِ الَّذِیْنَ خَلَفُوْا
حَتّٰی اِذَا ضَاكَّتْ عَلَیْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَ
ضَاكَّتْ عَلَیْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوْۤا اَنْ لَا مَلْجَا
مِّنَ اللّٰهِ اِلَّا اِلَیْهِ ثُمَّ تَابَ عَلَیْهِمْ لَیْسُوْبُوْۤا اِنَّ
اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ ۝ (نوبہ)

حضرات گرامی! یہ مقدس و باوقار اجلاس درحقیقت مدینے کے تاجدار احمد مختار
صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر جمیل کا ایک با عظمت دربار ہے۔ لہذا اس کے نورانی ماحول
اور ایمانی جاہ و جلال کا تقاضا ہے کہ ہم سب محبت رسول کے جذبات سے سرشار ہو کر
آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب تقدس آرب میں بار بار صلوٰۃ و سلام کا تذکرہ عقیدت
پیش کرتے رہیں!

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَا
بَارِكْ وَسَلِّمْ۔

حضرات! تقریر سے پہلے دو نعتیہ قطعات پیش کرتا ہوں۔ انتہائی توجہ اور حضور قلب
کے ساتھ سماعت فرمائیے! اے
قلب کو عشق کا پیام آیا
روح مومن کی جھوم جھوم اٹھی
دوسرا قطعہ عرض کرتا ہوں۔ بنور سنئے! اے
اپنا اونچا نصیب دیکھ لیا
جب بھی سر جھک گیا تصور میں
یاد جس دم شبیہ نام آیا
جب محمد کالب پہ نام آیا
ہم نے روٹے حبیب دیکھ لیا

محترم بزرگوار عزیز بھائیو! میں نے ابھی ابھی سورہ توبہ کی دو آیاتوں کی تلاوت کا
شرف حاصل کیا ہے۔ سبحان اللہ سبحان اللہ! یہ دونوں آیتیں اپنے مہتموں کی جامعیت
اور سرمایہ عبرت ہونے کی حیثیت سے اتنا بلند مقام رکھتی ہیں کہ گویا کوزے میں سمندر
بھرا ہوا ہے۔ بلاشبہ یہ دونوں آیتیں ہم مسلمانوں کے لئے عبرت و نصیحت کے ایسے
ایسے ایمانی افروز جلوے پیش کر رہی ہیں کہ اگر ہم ان کی نورانی تجلیوں سے ہدایت کا نور
حاصل کریں۔ تو ہماری دنیا ئے ایمان بفتہ نور، بلکہ نور علی نور بن سکتی ہے۔

حضرات! ان آیات میں "جنگِ تبوک" کے چند عبرت خیز مناظر، اور مجاہدین اسلام
کی سرفروشانہ جدوجہد کی داستان کے علاوہ صحابہ کرام کے مجاہدانہ جذبہ استقامت
اور مخلصانہ استقلال کی تجلیاں اس طرح جگمگا رہی ہیں۔ جس طرح آسمان کے وسیع

دامن پرستاروں کی برات اندھیری رات میں اپنا نور بکھیرتی رہتی ہے !
 حضرات گرامی ! میں چاہتا ہوں کہ ان آیتوں کا ترجمہ سننے سے پہلے میں ان آیات
 کے نازل ہونے کا سبب، اور ان واقعات کو آپ کے سامنے پیش کر دوں جن کے باعث
 یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ تاکہ ان واقعات کی روشنی میں آپ ان آیتوں کے پس منظر کو ابھی
 طرح ذہن نشین کر لیں۔ اور رُشد و ہدایت کے ان انمول موتیوں سے اپنے دامن مراد
 کو بھر لیں۔

جنگ تبوک | حضرات ! ان آیتوں کا تعلق ”جنگ تبوک“ سے ہے جس کو ”غزوہ
 عسرت“ بھی کہتے ہیں۔ ”جنگ تبوک“ یہ حق و باطل کا وہ آخری موڑ
 ہے۔ جس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بہ نفس نفیس شرکت فرما کر مجاہدین اسلام
 کے لشکر کی سپہ سالاری فرمائی۔ اس کا واقعہ یہ ہے کہ رجب ۱۰ھ میں یہ خوفناک اور
 دہشت انگیز خبر گرم ہوئی کہ رومی سلطنت کا بادشاہ قیصر روم ایک عظیم لشکر لے کر اس عزم کے
 ساتھ مدینہ پر چڑھائی کرنے والا ہے۔ کہ شہر مدینہ کی اینٹ سے اینٹ بجا کر توحید الہی کے
 پرستاروں کو دنیا سے نیست و نابود کر دے گا۔ اس خبر کو سنتے ہی حضور تاجدار مدینہ
 صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیغمبرانہ عزم کے ساتھ یہ اعلان فرما دیا۔ کہ قبل اس کے کہ
 رومی لشکروں کا دل بادل مدینہ کی سرزمین پر قدم رکھے ہم آگے بڑھ کر دشمن، وحی کی زمین
 پر اس طوفانی لشکر کا مقابلہ کریں گے۔ چنانچہ اس اعلان نبوت کو سن کر شمع رسالت کے
 پروانے بے تابانہ دوڑ پڑے۔ اور تیس ہزار جاں نثاروں کا جم غفیر جاں بازی کے لیے
 پرچم اسلام کے نیچے جمع ہو گیا۔

اسلامی لشکر کی مشکلات | مگر اگلا اس لشکر کی روانگی کا وقت بڑا ہی
 مشکل اور بے حد کٹھن تھا۔ مسلمانوں کی مفلسی اور تنگ
 دستی کا یہ عالم تھا کہ اس طویل سفر کے لئے دس دس آدمیوں کی سواری کے لئے
 ایک ایک اونٹ تھا۔ جس پر باری باری لوگ سوار ہوتے تھے۔ اور موسم کی گرمی، اور
 تپش کا یہ حال تھا کہ صحرائے عرب کا ایک ایک ذرہ تنور بنا ہوا تھا۔ گرم گرم ہواؤں کے

جھونکوں اور لو کے تھپیڑوں سے انسان تو انسان اونٹ جیسے متحمل مزاج جانور بھی قدم قدم پر دم توڑ رہے تھے۔ راشن کی اس قدر قلت تھی کہ چوبیس چوبیس گھنٹے میں ایک ایک کھجور پر کئی کئی آدمی اس طرح بسر کرتے تھے کہ ہر ایک اس کھجور کو چوس چوس کر پانی پی لیتا تھا اور پانی کی کمی اور نایابی کی یہ کیفیت تھی کہ کئی کئی منزلوں تک پانی کا ایک قطرہ بھی نصیب نہیں ہوتا تھا۔ بلکہ بعض مرتبہ تو بیاس کی شدت سے بیتاب ہو کر جب لوگ جان بلب ہونے لگتے تھے تو کچھ حضرات اونٹ ذبح کر کے اس کی ادھڑی کا پانی پنی کر اپنی جان بچاتے تھے۔ مگر ان ہوش ربامشکلات و مصائب کے باوجود صحابہ کرام کے جوش جہاد میں ذرہ برابر فرق نہیں آتا تھا۔ اور یہ فدا یان اسلام سرفروشی کے جذبات سے سرشار ہو کر مستانہ وار چلے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ مقام ”تبوک“ میں پہنچ کر خیمہ زن ہو گئے۔ اور ان اللہ والوں کے محبوب و مدبر کا ایسا سکھ بیٹھ گیا کہ رومیوں کے دل دہل گئے۔ اور ان کے بڑے بڑے سنگین عزائم کے پہاڑ مسلمانوں کے نعرہ بکیر کی ہدایت سے چور چور ہو کر ریت کے ذرات کی طرح بکھر گئے اور قیصر روم اس قدر خائف اور مرعوب ہو گیا کہ مدینہ پر اس کی چڑھائی کا سارا منصوبہ ہی خاک میں مل گیا۔ اور تا جدار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم چند دنوں ”تبوک“ میں ٹھہر کر دشمنان اسلام کو اچھی طرح مرعوب فرما لینے کے بعد مدینہ منورہ تشریف لائے۔

حضرات گرامی! جب سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم تبوک سے مدینہ تشریف لائے۔ اور مسجد نبوی میں رونقِ افزہ ہو گئے۔ تو تقریباً اسی سے کچھ زائد کی تعداد میں وہ منافقین بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوئے۔ جو اس جہاد میں نہیں گئے تھے۔ یہ لوگ جھوٹ بول بول کر قسمیں کھا کھا کر معذرت کرنے لگے۔ اور اپنی چرب زبانی اور فریب لسانی سے پیغمبر کو دھوکا دینے لگے اور اپنے کو بے قصور ثابت کرنے کی کوشش کرتے لگے اور رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان لوگوں کی پردہ پوشی کے خیال سے ان کے باطن کو خدا کے سپرد فرما کر ان کے عذروں کو قبول فرمایا اور کسی پر کوئی عقاب نہیں فرمایا!

تین صادق الایمان

مگر تین صادق الایمان مسلمان ایک حضرت کعب بن مالک
دوسرے ہلال بن امیہ، تیسرے مرارہ بن ربیع یہ تینوں مخلص

صحابہ بھی اس جہاد میں شریک نہیں تھے۔ یہ تینوں جب بارگاہ رسالت میں آئے تو ان
لوگوں نے کوئی جھوٹا بہانہ نہیں پیش کیا۔ بلکہ صاف دل سے بالکل سچ سچ عرض کر دیا
کہ یا رسول اللہ! ہمیں کوئی مجبوری اور عذر نہیں تھا بلکہ صرف اپنی کاہلی اور لا پرواہی
کی وجہ سے ہم اس غزوہ میں شریک نہیں ہوئے۔ جس کے لئے ہم معذرت کے خواستگار
اور انتہائی مذمت کے ساتھ تائب اور معافی کے طلبگار ہیں!

رحمت عالم نے ان تینوں مخلص صحابیوں کا بیان سُن کر ارشاد فرمایا کہ ان تینوں
نے واقعی بالکل سچ کہا ہے۔ مگر میں ابھی ان تینوں کے معاملہ کو موقوف رکھتا ہوں
جب تک ان لوگوں کے بارے میں خداوند قدوس کا کوئی فرمان نازل نہیں ہو جائے گا
۔ میں کوئی فیصلہ نہیں کروں گا۔ فی الحال میں ان لوگوں کے بارے میں یہی حکم دیتا
ہوں کہ تمام مسلمان ان تینوں کا مکمل بائیکاٹ کر دیں، رحمت عالم کا یہ ارشاد سن کر
تمام مسلمانوں نے ان تینوں سے سلام و کلام، ملنا جلنا، کھانا پینا یک لخت بالکل
بند کر دیا۔ اسی حالت میں چالیس دن گزر گئے۔ پھر تاجدارِ مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
یہ حکم صادر فرمادیا کہ یہ لوگ اپنی اپنی بیویوں سے بھی الگ ہو جائیں۔

حضرات! اس بائیکاٹ سے ان تینوں مخلص صحابہ پر کیا گزری؟ اور ان لوگوں
کا کیا حال ہوا؟ اس کو حضرت کعب بن مالک ہی کی زبان سے سنئے!

برادرانِ ملت! حضرت کعب بن مالک فرماتے ہیں کہ
حضرت کعب کا بیان

میرے دونوں ساتھی "ہلال بن امیہ" اور "مرارہ بن ربیع"
تو بائیکاٹ کی مشکلات سے تنگ آکر مصیبت کے مارے اپنے اپنے گھر دوں میں
ردپوش ہو گئے۔ اور اپنے گھر دوں میں چسپ کر دن رات انتہائی بے قراری کے
ساتھ گریہ و زاری میں مصروف رہنے لگے۔ مگر میں چونکہ ایک بہادر جوان تھا۔ اس
لئے میں اپنے گھر میں ردپوش نہیں ہوا۔ بلکہ میں پنجوقتہ مسجد نبوی میں باجماعت نماز

پڑھتا تھا اور بازاروں میں گھومتا تھا۔ مگر میرا قلب اس رنج و صدمہ سے پاش پاش
 ہوا جاتا تھا۔ کہ جب میں بازاروں میں اپنے قریبی دوستوں، اور زندگی بھر کے مخلص
 رفیقوں کو سلام کرتا تھا۔ تو وہ میرے سلام کا جواب نہیں دیتے تھے۔ بلکہ انتہائی بے رخی
 اور نفرت کے ساتھ مجھ سے منہ پھیر لیتے تھے۔ اور میں مسجد نبوی میں رحمتِ عالم کے
 بالکل ہی قریب کھڑا ہوا نمازیں پڑھتا تھا۔ اور بار بار جمالِ نبوت کو اس امید پر دیکھتا رہتا
 تھا۔ کہ شاید رحمتِ عالم میری طرف دیکھ لیں۔ مگر ہائے افسوس! کہ میں جب سرکارِ
 دو جہاں کے جمالِ نبوت پر لپجائی ہوئی نظریں ڈالتا تھا۔ تو رحمتِ عالم اپنے چہرہ نور
 کو میری طرف سے پھیر لیتے تھے۔ اور میں جب نماز میں مشغول ہو جاتا تو میں کنکھیوں
 سے یہ دیکھا کرتا تھا کہ رحمتِ عالم میری طرف دیکھا کرتے تھے۔ مگر جب سلام پھیرنے
 کے بعد میں حضور کی طرف عاشقانہ نگاہوں سے نظر ڈالتا تھا۔ تو میرے قلب پر ایک
 گھونسلہ سا لگ جاتا تھا کہ حضور میری جانب سے اپنا رخ الٹ پھیر لیتے تھے!

حضرات! جناب کعب بن مالک فرماتے ہیں کہ ایک دن میں اپنے چچا زاد بھائی
 حضرت ابوقتادہ صحابی کے باغ کی دیوار پر چڑھ گیا اور میں نے ان کو سلام کیا تو باوجودیکہ
 وہ مجھ پر انتہائی مہربان تھے۔ مگر انہوں نے نہ میرے سلام کا جواب دیا۔ نہ میری طرف
 متوجہ ہوئے۔ میں نے ان کی اس بے رخی پر انتہائی پُر درد، لہجے اور ملتجیانہ انداز میں
 عرض کیا کہ یا ابا قتادہ! اُنشُدکَ بِاللهِ هَذَا تَعْلَمَنِي اُحِبُّ اللهَ وَ
 رَسُوْلَهُ۔ یعنی اے ابوقتادہ! میں تم کو خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں
 کہ کیا تم اس بات کو جانتے ہو کہ میں اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہوں؟
 ابوقتادہ پھر بھی کچھ نہیں بولے۔ پھر میں نے جب بار بار ان کو قسم دلا کر یہی سوال کیا
 تو انہوں نے صرف اتنا ہی کہا کہ اَللّٰهُمَّ اَعْلَمْ رَسُوْلُهُ یعنی اللہ اس بات کو
 زیادہ جانتے والا ہے اور اس کا رسول۔ حضرت کعب فرماتے ہیں کہ ابوقتادہ کے منہ
 سے یہ سن کر میری آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور میں دیوار پر چڑھ کر نیچے اتر گیا
 فرمانِ شاہی تنور میں | حضرات! کعب بن مالک کا بیان ہے کہ ابھی ابوقتادہ

کے اس سلوک سے میرا دل پائش پائش ہو ہی رہا تھا اور میرے آنسو ابھی تھمنے بھی نہیں پائے تھے۔ کہ ایک دوسرے ابتلائے عظیم کی بلا میرے سر پر سوار ہو گئی۔ اور وہ یہ کہ میں بازار میں چلا جا رہا تھا۔ تو کیا دیکھتا ہوں؟ کہ ملک شام کا ایک کسان لوگوں سے پوچھتا پھرتا ہے، کہ کعب بن مالک کون ہیں؟ اور کہاں ملیں گے؟ وہ مجھے بڑی بے قراری کے ساتھ ڈھونڈ رہا تھا۔ اور میں نے یہ دیکھا کہ کوئی زبان سے کچھ بولتا نہیں تھا۔ مگر میری طرف اشارہ کر کے لوگ اس کو میری طرف متوجہ کر رہے تھے وہ کسان میری طرف لپکا۔ اور اس نے مجھ کو ایک خط دیا۔ جو غسان کے بادشاہ نے میرے نام تحریر کیا تھا۔ جس میں اس نے یہ لکھا تھا۔ کہ اے کعب بن مالک! ہم کو خبر ملی ہے کہ تمہارے نبی نے تم پر بڑا ظلم کیا ہے لیکن خدا نے تمہیں اتنا ذلیل نہیں بنایا کہ دنیا میں تمہارا کوئی ساتھی اور حمایتی نہ ہو۔ تم فوراً ہمارے دربار میں حاضر ہو جاؤ۔ ہم تمہارے غمخوار، اور ہر طرح مددگار ہیں۔

برادرانِ ملت! حضرت کعب فرماتے ہیں کہ یہ خط پڑھ کر مجھ پر سکتہ طاری ہو گیا اور میں نے اچھی طرح سمجھ لیا کہ یہ بھی خدا کی طرف سے میرا امتحان، اور میری آزمائش کا سامان ہے۔ چنانچہ میری رگ ایمان میں جذبات کا ایسا طوفان اٹھ کھڑا ہوا کہ میں غیظ و غضب میں آپے سے باہر ہو گیا۔ اور میں نے ایک نانبائی کے جلتے ہوئے تنور میں اس خط کو ڈال دیا۔ اور اس کسان سے کہہ دیا کہ تم اپنے وطن پہنچ کر بادشاہ غسان سے کہہ دینا کہ تمہارے خط کا یہی جواب ہے یہ کہہ کر میں چل دیا۔ اور کسان میرا منہ تکتا رہ گیا۔ (بخاری ج ۲ ص ۶۲۵ باب حدیث کعب بن مالک)

حضرات گرامی! الغرض اسی حالت میں ان تین مخلصین صحابہ پر بچا پس راتیں گزر گئیں۔ کہ یہ تینوں مدینہ کے کوچہ و بازار میں ذلیل و خوار تھے۔ نہ کوئی ان کا پرسان حال تھا۔ نہ کوئی ان کے حال زار پر ان کا غمخوار تھا۔ نہ کوئی ان کی بے قراری اور گویہ وزاری پر رحم کھانے کے لیے تیار تھا۔ درحقیقت یہ ایک ایسا روح فرسا امتحان اور جان لیوا مصیبت کا طوفان تھا کہ اگر یہ کسی پہاڑ سے ٹکرا جاتا تو شاید پہاڑ بھی اس کے صدمات کی تاب نہ لا کر چور چور ہو جاتا۔ اور گرد و غبار بن کر فضا نے آسمانی میں بکھر کر اڑ جاتا مگر

خدا کی قسم! ان استقامت کے پہاڑوں کی عظمت پر کوہ ہمالیہ کی رفعت بھی قربان۔ کہ ان کے پائے استقلال میں ذرہ برابر جنبش نہیں آئی۔ مگر اس میں شک نہیں کہ رنج و غم کے صدمات کی غلش کا نشانہ بن کر ان کے دلوں کی گہرائیوں میں چبھتی اور کھٹکتی رہتی تھی۔ اور اپنے ضمیر کی بے قراری سے یہ ایمان و یقین کے محبتے ہر وقت تڑپتے اور دوتے بلکتے رہتے تھے۔

محترم حاضرین! حضرت کعب اپنی اس مشکل گھڑی کو عمر بھر یاد کر کے یہ فرمایا **دل کا کانٹا** کرتے تھے کہ سب سے بڑی فکر جو ان دنوں میرے دل میں کانٹا بن کر کھٹکتی رہتی تھی۔ وہ یہی ایک خیال تھا کہ اگر اسی حالت میں میری موت ہو گئی تو حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم میری نماز جنازہ نہیں پڑھائیں گے اور اگر خدا نخواستہ انہی دنوں میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی۔ تو میں عمر بھر اسی حال میں رہ جاؤں گا۔ اور میری موت کے بعد میری نماز جنازہ تو کجا؟ کوئی مسلمان میری لاش کو ہاتھ لگانے کا بھی روادار نہیں ہو گا۔ بس اس ایک تصور سے میری دنیا نے وجود میں ہر دم ایک بھونچال سا رہتا تھا۔ اور شدت رنج و غم سے مجھے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ میرا قلب پھٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا۔ اور میری روح پرواز کر جائے گی!

حضرات! غرض یہ پچاس دن ان تینوں صحابہ کے لئے پچاس برس کی، **توبہ قبول** تکالیف سے بھی زیادہ کٹھن تھے۔ مگر بالآخر ان مخلص مومنین کی جاں سوز بے قراری، اور دل دوز گریہ و زاری پر رحمت باری کو ایک دن پیار آ ہی گئیاں کہ کاپھلا پر ہٹا۔ حضور رحمت عالم ام المومنین حضرت بی بی ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حجرہ مبارکہ میں تشریف فرما تھے کہ ناگہاں وحی الہی نازل ہو گئی۔ اور رحمت عالم نے فرمایا کہ **يَا اُمّ سَلَمَةَ نَيْبٌ عَلَيَّ كَعْبٍ**۔ اے ام سلمہ! کعب کی توبہ مقبول ہو گئی۔

سبحان اللہ۔ سبحان اللہ! سہ

کام آخر جذبہ بے اختیار آ ہی گیا،
دل کچھ اس صورت سے تڑپاں کو پیار آ ہی گیا

مسلمان بھائیو! حضرت بی بی ام سلمہ کو جناب کعب اور ان کے دونوں ساتھیوں سے بے پناہ ہمدردی تھی! اس لئے اس ارشاد مبارک کو سن کر فرط مسرت سے ام المؤمنین کے چہرے پر شگفتگی کے ہزاروں پھول کھل گئے۔ ایک دم بول اٹھیں کہ اَفَلَا اُرْسِلَ إِلَيْهِ فَاَبَشِّرُهُ بِمَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ! یعنی یا رسول اللہ! کیا میں کعب کے پاس ایک قاصد بھیج کر ان کو یہ خوشخبری سنا دوں؟ حضور نے ارشاد فرمایا کہ اگر ابھی اسی وقت اس خبر کا چرچا ہو گیا۔ تو یہاں انسانوں کا ایک ہجوم جمع ہو جائے گا اور اس قدر شور و غوغا ہو جائے گا کہ اہل مدینہ کی نیند حرام ہو جائے گی۔ لہذا نماز فجر تک، تماموش رہو!

حضرات! بخاری شریف میں حضرت کعب کی روایت کردہ حدیث کے یہ الفاظ

ہیں کہ

حَتّٰی اِذَا صَلَّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ
صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْہِ وَسَلَّوْا صَلٰوۃً
الْفَجْرِ اِذْ یَتَوَبَّۃً اللّٰہُ
عَلَیْنَا وَکَانَ اِذَا اسْتَبَشَّرَ
اِسْتِنَارَ وَجْہُہُ حَتّٰی کَانَ
قِطْعَةً مِّنَ الْقَمَرِ۔ (بخاری ج ۳ ص ۱۰۶)

یعنی جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز فجر سے فارغ ہو گئے تو ہم لوگوں کی توبہ مقبول ہونے کا اعلان فرمایا۔ اور حضور کا یہ حال تھا کہ جب آپ کسی بشارت پر خوش ہوتے تھے تو آپ کا چہرہ انور اس طرح چمکنے لگتا تھا کہ گویا وہ چاند کا ایک ٹکڑا ہے! حضرت کعب فرماتے ہیں کہ میں اپنی پھت پر نماز فجر پڑھ کر غلگین بیٹھا ہوا تھا کہ میں نے ناگہاں ایک پکارنے والے کی آواز سنی۔ جو سلع نامی پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ کر یہ کہہ رہا تھا کہ اے کعب بن مالک! تجھے بشارت مبارک ہو۔ میں یہ آواز سن کر سجدے میں گر پڑا۔ پھر کیا تھا؟ مبارک باد دینے والوں کا ہجوم تم تینوں کے گھروں کی طرف دوڑ پڑا حضرت زبیر بن العوام گھوڑا دوڑاتے ہوئے مبارکباد کے لیے میرے مکان پر آئے اور حضرت حمزہ بن عمرو اسلمی نے پہاڑی پر چڑھ کر بلند آواز سے چیخ مار کر مجھے پکارا اور مبارک باد دی۔ پھر دوڑتے ہوئے میرے مکان پر آئے۔ تو میں ان کو دیکھ کر جوش

مسرت سے اس قدر متاثر ہوا کہ میں نے اپنے بدن کا سارا لباس اُتار کر ان کو بطور انعام کے دے دیا اس کے بعد جب میں دربار نبوت میں حاضری دینے کے لئے چلا۔ تو راستے میں انصار و مہاجرین دوڑ دوڑ کر مجھے مبارک باد دینے لگے۔ اور جب میں نے دربار رسول میں حاضر ہو کر سلام کیا۔ تو چہرہ انور پر مسرت و شادمانی کے انوار کی ایسی تابانی تھی کہ چہرہ انور چاند کی طرح چمک رہا تھا۔ مجھے دیکھ کر رحمت عالم نے فرمایا کہ **اَبَشِّرْ يَا كَعْبُ بِخَيْرِ يَوْمٍ مُّندٌ وَلَدَتْكَ اُمُّكَ**۔ یعنی اے کعب! تجھ کو یہ بشارت مبارک ہو۔ کہ جس دن سے تیری ماں نے تجھ کو جنما ہے۔ آج تک اس سے زیادہ اچھا دن تجھے زندگی میں دیکھنا نصیب نہیں ہوا ہے۔

حضرت کعب کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! یہ میری توبہ کی مقبولیت کا اعلان آپ کی بارگاہ عالی شان کی طرف سے ہے! یا خداوند ستار و غفار کے دربار سے میری توبہ کی قبولیت کا اظہار کیا جا رہا ہے! رحمت عالم نے فرمایا کہ **بَلَّٰ يٰمَعْزُ عِنْدَ اللّٰهِ** یعنی اے کعب! یہ اعلان خدا کی طرف سے ہے۔ یہ سن کر حضرت کعب مجھل گئے اور جوش مسرت میں یہ اعلان کر دیا کہ یا رسول اللہ! میں نے اس خوشی میں اپنا سارا مال خدا کی راہ میں بطور صدقہ کے دے دیا۔ سبحان اللہ! ے

کہ دو تیرے قدموں پہ جاں فدا، نہ بس ایک جاں دو جہاں فدا
نہیں دو جہاں سے بھی جی بھرا، کروں کیا کروں جہاں نہیں
حضرت کعب کا یہ جملہ سن کر حضور رحمت عالم نے ارشاد فرمایا۔ کہ نہیں۔ اے کعب! اپنے مال کا کچھ حصہ اپنے پاس بھی رہنے دو۔ حضرت کعب نے تعمیل ارشاد کرتے ہوئے عرض کیا۔ کہ یا رسول اللہ! حضور والا کا حکم ہے تو میں صرف خیر والی زمین اپنے پاس رکھ لیتا ہوں۔ باقی میرا سارا مال و سامان خدا کی راہ میں قربان ہے۔

(بخاری ج ۲ ص ۶۳)

یہ اور ان ملت! یہی وہ مضمون ہے جس کو خداوند عالم نے ان مقدس آیات میں ارشاد فرمایا ہے اب ذرا بگوشش بگوشش ان آیات مبارکہ کا ترجمہ سنئے۔ اور پہلے ایک بار

بہ آواز بلند و رو و شریف پڑھ لیجئے۔ اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِ
سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ۔

ترجمہ آیات!

حضرات گرامی! ارشاد ربّانی ہے کہ

لَقَدْ تَابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ
وَالْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ
الَّذِينَ اتَّبَعُوهُ فِي سَاعَةِ
الْعُسْرَةِ مِنْ بَعْدِ مَا كَادَ
يَزِيغُ قُلُوبُ فَرِيقٍ مِّنْهُمْ
ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ إِنَّهُ
بِهِمْ رَؤُوفٌ رَّحِيمٌ

یعنی بیشک اللہ تعالیٰ نے نبی پر،
اور ان مہاجرین و انصار پر رحمت کے ساتھ
توجہ فرمائی۔ جنہوں نے مشکل کی گھڑی میں نبی
کی پیروی کی۔ بعد اس کے قریب تھا کہ ان میں
سے کچھ لوگوں کے دل پھر جائیں۔ پھر اللہ
ان لوگوں پر رحمت کے ساتھ متوجہ ہوا بیشک
وہ ان لوگوں پر نہایت مہربان اور رحم کرنے
والا ہے۔

وَعَلَى الثَّلَاثَةِ الَّذِينَ
خَلَفُوا حَتَّىٰ إِذَا ضَاكَتْ
عَلَيْهِمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ
وَضَاكَتْ عَلَيْهِمْ أَنْفُسُهُمْ
وَزُفُّوا أَلَّا يَمْلِكُوا مِنَ
اللّٰهِ إِلَّا الْكَيْدُ

اور ان تین شخصوں پر بھی اللہ تعالیٰ نے
رحمت کے ساتھ توجہ فرمائی جو موقوف رکھے گئے
تھے۔ یہاں تک کہ جب زمین اتنی وسیع ہوتے
ہوئے بھی ان لوگوں پر تنگ ہو گئی اور وہ لوگ
اپنی جان سے تنگ آ گئے۔

وَزُفُّوا أَلَّا يَمْلِكُوا مِنَ
اللّٰهِ إِلَّا الْكَيْدُ
ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوبُوا إِنَّ
اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ

اور انہیں یہ یقین ہو گیا کہ اللہ سے پناہ
نہیں مل سکتی مگر اسی کے پاس۔
پھر اللہ نے ان لوگوں کی توبہ قبول فرمائی
بیشک اللہ ہی توبہ قبول کرنے والا بڑا مہربان
ہے!

حضرات! یہ ان آیات مقدسہ کا واضح اور مطلب خیر ترجمہ تھا جس کو میں نے بہت

ہی سادہ اور شگفتہ الفاظ میں آپ کے سامنے پیش کر دیا۔ ان آیتوں کی شان نزول میں پہلے ہی آپ کو سنا چکا۔ اب ضرورت ہے کہ ہم ان آیات مبارکہ میں ان عبرت آموز اور نصیحت خیز نتائج پر بھی ایک نظر ڈالیں کیونکہ درحقیقت ان آیات کے نزول کا اصلی منشاء و مقصد یہی نتائج ہی ہیں۔ چنانچہ قرآن مجید میں جا بجا ارشاد ہوا ہے کہ

”عِبْرَةٌ لِّاُولٰٓئِیْنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا“ یعنی آیات قرآنیہ اسی لئے نازل کی گئی ہیں کہ نبی نوع انسان نگاہ عبرت کے ساتھ ان پر نظر ڈالیں۔ اور ان سے عبرت و نصیحت حاصل کریں۔ لہذا میں مناسب سمجھتا ہوں کہ اس مجلس میں آپ کو میں ان چند محکموں کی طرف بھی متوجہ کر دوں۔ جو ان آیتوں میں پوشیدہ ہونے کے باوجود اس طرح چمک رہے ہیں جس طرح آسمان کی نیلی چادر میں ستارے چمکتے رہتے ہیں لہذا بغور سنئے!

پہلا نکتہ حضرات! سب سے پہلے تو اس نکتہ پر غور فرمائیے کہ جب حضرت حق جل مجدہ نے اپنی رحمت کے ساتھ متوجہ ہونے کا اعلان فرمایا تو ہاجرین و انصار کے ذکر سے پہلے اپنے پیارے نبی کا ذکر فرمایا اور یوں ارشاد فرمایا کہ لَقَدْ ثَابَرَ الرَّسُوْلُ عَلٰی النَّبٰی وَالْمُهٰجِرِیْنَ وَالْاَنْصَارِ مَا کَانَ فَرَقٌ بَیْنَهُمْ وَاَلٰی اَسْمَآئِهِمْ سَاعَۃً مِّنْ عَافِلٍ رَّحِیْمٍ۔ کہ جب خداوند رحمن و رحیم اپنے پیارے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنی رحمت کی بارش فرماتا ہے تو عاشقانِ رسول کو اپنے رسول سے جدا نہیں فرماتا۔ بلکہ اپنے رسول کے جان تشاروں کو رسول کی کالی کالی رحمت والی کلمی میں پتاہ دے کر ان کو بھی اپنی رحمت کے بارانِ کرم سے سیراب فرمادیتا ہے۔ اور اپنے رسول کے طفیل میں ان کو بھی اپنے انعام و اکرام کی لازوال دولتوں سے مالا مال فرمادیتا ہے۔ سبحان اللہ سبحان اللہ! کیوں نہ ہو؟ کہ ہاجرین و انصار کون ہیں؟ ارے یہ مدنی دربار کے وہ دفاتر عشاق اور ہان تشار فدائی ہیں کہ اگر ان کو رحمتِ عالم کی شمعِ نبوت کا پروانہ کہہ دیا جائے تو یہ بھی حقیقت سے کچھ کم ہی ہوگا۔ اور اگر ان کو رسول کے عشق و محبت کے زندہ مجسموں سے تعبیر کر دیا جائے تو ایک ایسی حقیقت کا اظہار ہوگا جو آفتابِ نصف النہار کی طرح عالم اشکار ہے۔

برادرانِ اسلام! یاد رکھئے کہ رحمتِ عالم کے ان عاشقوں پر خداوندِ عالم کا اتنا پیار ہے کہ ہم اور تم اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ کیوں؟ اس لئے کہ خودِ نبی رحمت کو اپنی امت سارے جہاں سے زیادہ پیاری ہے۔ اور اپنے پیارے کی ہر چیز پیاری ہو ا کرتی ہے لہذا جب رسول خدا کو پیارے ملیں۔ اور امت رسول کو پیاری ہے۔ نہ پھر ضروری ہے کہ رسول کی امت بھی خدا کو پیاری ہوگی۔ اس لئے خدا کی رحمت اور اس کے پیارنے گوارا نہیں فرمایا کہ نبی رحمت کے پیارے مہاجرین و انصار کو رحمتہ للعالمین سے جدا فرمائے۔ اس لئے رب العالمین نے انصار و مہاجرین کی مدح و ثنا کے خطبہ کو اپنے پیارے رحمتہ للعالمین کے ذکر سے شروع فرمایا۔ اور پہلے نبی کا ذکر فرما کر اس حقیقت کی طرف راہنمائی فرمادی کہ انصار و مہاجرین ہوں یا قیامت تک آنے والے دوسرے مومنین ہوں جن جن پر بھی رحمت الہی اپنے بارانِ کرم کی بارش فرماتی ہے سب نبی رحمت کے طفیل ہی میں نوازے جاتے ہیں۔ بغیر رسول کے واسطہ اور وسیلہ کے نہ کسی کو کچھ ملا ہے۔ نہ کسی کو کچھ ملے گا۔ سبحان الله! اس میں کیا شک ہے؟ کون مسلمان نہیں جانتا کہ ہے

مقصود ذاتِ دوستِ دگر جملگی طفیل،
منظور نورِ دوستِ دگر جملگی ظلام

یعنی ہر انعام و اکرام سے مقصود حضور ہی کی ذات ہے۔ باقی سارے جہاں میں جس کو جو کچھ بھی ملتا ہے وہ حضور ہی کے طفیل میں ملتا ہے اور سارے جہاں میں ہر طرف حضور ہی کے نور کی جلوہ گری ہے۔ اس نور کے سوا جو کچھ بھی ہے۔ وہ اندھیرے اور تاریکی کے سوا کچھ بھی نہیں!

مولانا آسی علیہ الرحمۃ نے کیا خوب فرمایا ہے کہ ہے

جوشے تری نگاہ سے گزرے درودِ پڑھ۔

ہر جزو کُل ہے منظرِ انوارِ مصطفیٰ

بہر کیف انصار و مہاجرین چونکہ رحمتِ عالم کے عاشقوں کی فہرست میں صفتِ اوّل

کا مقام رکھتے ہیں۔ اس لئے خداوند عالم نے ان کی مدح و ثنا کا خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے۔ لَقَدْ تَابَ اللَّهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُفْجَرِينَ وَالْأَنْصَارِ۔
 فرما کر ان عاشقوں کو اپنے محبوب کے دامنِ رحمت میں قریب اور وصال کی جنت کا مکین بنا دیا۔ سبحان اللہ! کیوں نہ ہو؟

یہ پروانے ہیں شمعِ بزمِ حرا کے فدائے نبی، اور مقربِ خدا کے
 نمونے ہیں یہ سیرتِ مصطفیٰ کے یہ پتلے و فاکے یہ پیکرِ حیا کے

مہاجرین، انصارِ دین میں،

یہ سب جاں نثارِ رسولِ امیں ہیں،

دوسرا نکتہ | حضرات! اسی طرح اس نکتہ کو فراموش نہ فرمائیے کہ اس آیت میں انصار و مہاجرین کے بے شمار فضائل و مناقب میں سے اس مقام پر صرف ان کی ایک صفت کا خاص طور پر ذکر فرمایا کہ الَّذِينَ اتَّبَعُوا فِي سَاعَةِ الْعُسْرَةِ۔ یعنی انصار و مہاجرین نے مشکل کی گھڑی میں رسول کا ساتھ دیا۔

برادرانِ ملت! انصار و مہاجرین کی یہی تودہ بلند پایہ ایمانی سیرت ہے جس پر تمام ایمانی کمالات کی بنیاد ہے۔ کیونکہ رسول کی سچی اتباع کے بغیر ایمانی کمالات کی تکمیل ممکن ہی نہیں ہے۔ اور یاد رکھئے کہ آرام و راحت میں رسول کا ساتھ دینا۔ اور ان کا اتباع تو بہت آسان ہے۔ مگر کٹھن اور مشکل گھڑیوں میں جب کہ آلام و مصائب کے پہاڑ ٹوٹ پڑے ہوں۔ وفادارانہ اتباع اور پیروی بڑا ہی مشکل کام ہے آپ پہلے سُن چکے ہیں کہ غزوہ تبوک میں سواروں کی قلت، راشن کی کمی، پانی کی نایابی موسم کی شدت، سفر کی درازی، غرض مصائب و شدائد کا ایک طوفان تھا۔ مگر ان ہوشِ رُبا۔ اور روح فرسا حالات میں بھی کسی کے قدم نہیں ڈوگ گئے۔ یہ ہے الَّذِينَ اتَّبَعُوا فِي سَاعَةِ الْعُسْرَةِ کی تفسیر کہ مہاجرین و انصار اپنے رسول کے ایسے وفادار اور جاں نثار تھے کہ ایسی مشکل کی گھڑی میں بھی بال برابر بھی اتباع رسول کی راہ سے ہٹنا گوارا نہیں کیا۔ اور ان تمام تکالیف و مصائب کا سینہ سپر ہو کر مقابلہ کیا۔ کیوں نہ ہو؟ کہ خود ہادی اکرم

صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغمبرانہ عزم و استقلال کا یہ عالم تھا کہ سے
بنائے آسمان بھی جس زمیں پر ڈگمگاتی تھی

محمد تھے کہ ان کے پاؤں میں لغزش نہ آتی تھی
خوشی تھی فتح ابھی کو، نہ کوئی غم ہزیمت کا

مثال عرش قائم تھا قدم ان کی عزیمت کا
فلک نے بار بار انسان کو جنگ آزما پایا،

نہ قائم اس طرح کوئی محمد کے سوا پایا

غریب امت کے شاہکار | حضرات! حقیقت تو یہ ہے کہ قوم مسلم کا یہی مزاج
ہے کہ مشکلات و مصائب کی گھڑیوں میں اس قوم

نے جو شاندار کارنامے انجام دیے ہیں فراخی اور خوشحالی کے دور میں اس کی مثال
نہیں ملتی اگر آپ قوم مسلم کی روایات و تواریخ کا گہری نظر سے مطالعہ کریں گے۔ تو آپ پر
روز روشن کی طرح یہ حقیقت آشکارا ہو جائے گی کہ غریب مسکین نے جو اسلامی خدمات
کے ریکارڈ قائم کئے ہیں۔ وہ امراء و سلاطین سے نہیں ہو سکے۔ کون نہیں جانتا کہ ہندوستان
کی سرزمین میں حضرت خواجہ غریب نواز معین الدین چشتی اجمیری جن کا کل سرمایہ ایک جوڑا
پکڑا، ایک کمبل، ایک عصا، ایک مصلیٰ ایک لکڑی کے پیالہ کے سوا کچھ بھی نہیں تھا۔ مگر اس
بے تاج کے بادشاہ نے اور اس جیسے دوسرے درویشوں نے اسلام کی جو شاندار خدمات
انجام دی ہیں۔ اور ان پاکبازوں کی ذات سے جس قدر ہندوستان میں اشاعت اسلام
ہوئی ہے۔ وہ نہ سلطان قطب الدین ایک، سلطان غیاث الدین بلبن، سلطان
شمس الدین التمش سے ہو سکی۔ نہ شہاب الدین غوری، یا علاؤ الدین خلجی، یا ظہیر الدین
بابر، یا جہانگیر و شاہجہاں کا سلطانی جاہ و جلال یہ خدمت انجام دے سکا۔

اور آج بھی ہم اور آپ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ امت مسلمہ کے غریبوں
کو جو اسلامی خدمات سے شغف اور دلہانہ لگاؤ ہے وہ مالداروں کو نہیں ہے۔

بالکل سچ کہا ہے ڈاکٹر اقبال نے کہ

آکے مسجد میں جو ہوتے ہیں صفت آرا تو غریب
 زحمت روزہ جو کرتے ہیں گوارا تو غریب
 نام لیتا ہے اگر کوئی ہمارا تو غریب
 پردہ رکھتا ہے اگر کوئی تمہارا تو غریب،
 امراء و نشہ دولت میں ہیں غافل ہم سے
 زندہ ہے ملت بیضا غریبوں کے دم سے
 حضرات! اسی طرح ڈاکٹر اقبال نے قوم مسلم کے امیروں اور غریبوں کی تواریخ
 کا گہرا مطالعہ کرنے کے بعد ایک جگہ اپنے تاثر کا جس انداز میں اظہار کیا ہے وہ
 ہمارے لئے بڑی عبرت کا سامان ہے انہوں نے امیری اور فقری کا مقابلہ کرتے
 ہوئے کیا خوب کہا ہے۔ سنئے۔

اگرچہ زر بھی جہاں میں ہے قاضی الحاجات
 جو فقر سے ہے میسر تو نگری سے نہیں،،
 سب کچھ اور ہے، تو جس کو خود سمجھتا ہے
 زوال بندہ مومن کا بے زری سے نہیں
 اگر جواں ہوں مری قوم کے حبس و غنور
 قلندری مری کم سکندری سے نہیں
 جہاں میں جو ہر اگر میرا آشکارا ہو!
 قلندری سے ہوا ہے، تو نگری سے نہیں

مطلب یہ ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس دنیا میں مال و زر کی اس
 لحاظ سے بڑی اہمیت ہے کہ ان سے سب ضروریات پوری ہوا کرتی ہیں۔ مگر پھر
 بھی فقری میں ایک مرد مومن جو اسلامی کارنامے انجام دیا کرتا ہے۔ امیری اور مالدار
 میں وہ کارہائے نمایاں میسر نہیں ہوا کرتے اس لئے میرا نظریہ یہی ہے کہ اگرچہ میری قوم

غربت اور فقری کا شکار ہے۔ لیکن اگر اس قوم کے نوجوان اسلامی جسارت اور ایمانی غیرت کی دولت سے مالا مال ہو جائیں۔ تو مسلم قوم کی قلندری اور فقری بھی طاقت و قوت میں سکندری اور بادشاہی سے کم نہیں ہے۔ کیونکہ تاریخ اسلام کا یہی فیصلہ ہے۔ کہ اسلام کا جو ہر جوہر جہاں بھی اور جس قدر بھی آشکار ہوا ہے۔ وہ مسلمان قوم کے غرباء اور فقراء کے فقر و فاقہ کی روحانی طاقت ہی سے ہوا ہے۔ قوم مسلم کے تو نگروں اور سکندروں نے، بادشاہوں اور شہنشاہوں نے اپنے تخت و تاج اور خزان و اموال کے باوجود کبھی بھی اسلامی عظمتوں کے فروغ کے لئے اپنی توانائیوں کا کٹہہ جو ہر نہیں دکھایا جو بوریائیں فقیروں کی روحانی طاقتوں نے دنیا والوں کو دکھلا دیا اور دنیا والوں نے دیکھ لیا کہ

نہ تخت و تاج میں نے شکر و سپاہ میں ہے۔

جو بات مرد قلندر کی اک نگاہ میں ہے۔

دوستو اور بزرگو! یہ درست ہے کہ تخت و تاج کی طاقت، اور مال و زر کی قوت اپنی جگہ ایک مسلم الثبوت حقیقت ہے۔ مگر ایک مسلمان کی روحانی طاقت اپنی عظمت کے لحاظ سے اتنی بلند ترین منزل پر ہے کہ اس کی ٹھوکروں سے بڑے بڑے بادشاہوں اور شہنشاہوں کے تخت و تاج پا مال ہو جایا کرتے ہیں۔ مسلمانو! تم ایک مرد مومن کے اسلامی فقر کی جہانگیری طاقت کو کیا سمجھتے ہو؟ یہ وہ ناقابل تسخیر طاقت ہے کہ تاریخ اسلام بہ بانگ دہل اعلان کر رہی ہے کہ

کھینے جاتے تھے اواں گہ کسریٰ میں شکار

بن گئی دہریں جا کر چن آراٹے بہار

فانش کرنے لگے حیرلی امیں کسا سرار

جن کے ہاتھوں میں رہا کرتی تھی اوٹوٹی ہمار

یہ اسی کا تھا کرشمہ کہ عرب کے بچے

اس کی برکت تھی کہ صحرائے حجازی کی سوم

یہ اسی کی تھی کو امت کہ عرب کے بہرن

وہ الٹ دیتے تھے دنیا کا مرقع دم میں

یہ ہے وہ قوت پر زور کہ جس کی ٹکڑ

سنگ خارا کو بنا دیتی ہے اک مشت غبار

لہذا اسے غریب مسلمانو! تم اپنی اس غریبی میں انصار و مہاجرین کے اسوہ حسنہ کی پیروی کرو۔ اور اپنی مفلسی اور فقری میں اتباع رسول کا وہ نمونہ پیش کر دو انصار و مہاجرین نے رومیوں کی بے پناہ عسکری طاقت کے سامنے پیش کر کے ان کے مسلم گنہگاروں کے پہاڑوں کو پاش پاش کر کے اپنے گھوڑوں کی ٹاپوں کا غبار راہ بنا کر بھوڑ دیا اور تم اپنی غریبی سے ہرگز ہرگز کبھی نہ مایوس رہو۔ نہ گھبراؤ۔ مفلسی اور غریبی تو اسلامی عظمت کے حسین چہرے کا غارہ ہے۔ فقر و فاقہ تو تمہارے قصر اسلامی کی زینت و رونق ہے بے سروسامانی تو تمہارے پرچم اسلام کی شان و شوکت کا امتیازی نشان ہے۔ پس ضرورت اس کی ہے کہ تم انصار و مہاجرین کے نقش قدم پر چل پڑو۔ یعنی

اک طرف تیغ بکف ایک طرف سر بسجود
پھر ضرورت ہے انہی بے سروسامانوں کی

تیسرا نکتہ | بہر کیف اب اس آیت کا آخری نکتہ اور سن لیجئے۔ یہ تو میں آپ کو سنا چکا کہ اتنی آدمیوں نے جھوٹ بول کر رسول خدا کو دھوکہ دیا مگر رسول برحق نے ان میں سے کسی پر بھی خفگی اور ناراضگی کا اظہار نہیں فرمایا لیکن حضرت کعب بن مالک اور مرارہ بن ربیع اور ہلال بن امیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے سچ بول کر رسول برحق کے سامنے اپنی ندامت کا اظہار کیا۔ تو یہ تینوں عتاب کے ایسے شدید امتحان میں جھنجھوڑ دے گئے کہ خدا کی بلبی چوڑی زمین ان لوگوں کے لئے تنگ ہو گئی۔ اور یہ لوگ اپنی جانوں سے تنگ آ گئے۔ آخر ایسا کیوں ہوا کہ اتنی آدمی جھوٹ بولے تو ان پر کوئی ناراضگی نہیں ہوئی۔ اور تین آدمی جو سچ بولے وہ اس قدر شدید عتاب کے ابتلاء و عظیم میں ڈال دے گئے کہ ان کی مصیبتوں کے تصور سے کلیجہ منہ کو آجاتا ہے اور بدن کا رونگٹا رونگٹا کانپ اٹھتا ہے۔

براہِ راست ملت! یہ اس لئے کہ اتنی آدمی جو جھوٹ بولے وہ پھپھے ہوئے منافق تھے۔ اور یہ تین آدمی جو سچ بولے مخلص مومن تھے۔ وہ اتنی اللہ و رسول کے دشمن تھے۔ اور یہ تین اللہ و رسول کے دوست تھے اور یاد رکھیے کہ عتاب دوستوں

پر ہوا کرتا ہے۔ دشمنوں پر غلبہ نہیں ہوا کرتا۔ امتحان اپنوں کا ہوا کرتا ہے۔ غیروں کا نہیں۔ اور پھر جو جس قدر پیارا ہوتا ہے۔ اسی قدر بڑے امتحان میں ڈالا جاتا ہے چنانچہ حضرت محبوب کبریا علیہ النجۃ والثناء کا ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ أَشَدَّ النَّاسِ سَبَلًا إِلَّا نَبِيًّا ثُمَّ إِلَّا مَثَلُ فَالْأَمَثَلُ۔ یعنی خداوند قدوس کی یہ عادت کریمہ ہے کہ وہ اپنے سب سے زیادہ پیارے اور محبوب بندوں یعنی انبیاء علیہم السلام کو سب سے بڑی آزمائش اور سب سے سخت امتحان میں ڈالتا جاتا ہے پھر ان کے بعد جو جس درجے کا ہوتا ہے۔ اس کو اس کے درجے اور مراتب کے لحاظ سے قسم قسم کے امتحانوں میں مبتلا فرماتا ہے!

مسلمان اور امتحان حضرات! اس دستورِ خداوندی سے پتہ چلتا ہے کہ مسلمان قوم جو بار بار طرح طرح کی آزمائشوں، اور قسم قسم کے امتحانوں میں مبتلا کی جاتی ہے۔ خصوصاً خدا کے نیک اور صالح بندے جو ابتلاء و آزمائش کی کٹھن ساعتوں میں ڈال دئے جاتے ہیں۔ یہ دربارِ خداوندی میں اس قوم کی مقبولیت و محبوبیت کی ایک بہت ہی بڑی دلیل ہے۔ اس لئے مسلمان جو دن رات مصائب و آفات کے شکوے شکایات کرتے رہتے ہیں۔ وہ درحقیقت اس دستورِ خداوندی سے ناواقف ہیں۔ اجی۔ مسلمان اور امتحان تو لازم و ملزوم ہیں جس طرح گرمی آگ سے جدا نہیں ہو سکتی۔ برف کی ٹھنڈک اس سے بھینپی نہیں جاسکتی۔ آفتاب کو اس کی چمک دمک سے محروم نہیں کیا جاسکتا۔ اسی طرح ایک صادق الایمان مسلمان خداوندی امتحان سے بچ نہیں سکتا۔ اور یہ دستور کچھ اسی امت کے لئے مخصوص نہیں۔ بلکہ اگلی امتوں کے مومنین کے لئے بھی یہی قانونِ قدرت رہا ہے۔ چنانچہ اُن صحابہ کرام کی تسلی کے لئے جو کفار مکہ کے مظالم کی بھٹیوں میں جل رہے تھے۔ خداوند قدوس کا ارشاد ہے کہ۔

أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تُدْخَلُوا
النَّجَّةَ وَلَسْنَا بِكُمْ مِّثْلَ الَّذِينَ
کیا تم اس گمان میں ہو کہ جنت میں داخل
ہو جاؤ گے؛ حالانکہ ابھی تم پر اگلی امتوں کی

خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ مَسْتَهْلِكُو
الْبَاسَاءِ وَالضَّرَآءِ وَزُلْزِلُوا
حَتَّى يَقُولَ الرَّسُولُ وَالَّذِينَ آمَنُوا
مَعَهُ مَتَى نَصْرُ اللَّهِ ۚ أَلَا إِنَّ نَصْرَ
اللَّهِ قَرِيبٌ (بقرہ)

روداد نہیں آئی۔ انہیں ایسی سخت اور
شدت پہنچی، اور وہ اس طرح بھنبھوڑے
گئے۔ کہ کہہ اٹھا رسول، اور اس کے ساتھ
وہ لے کر کب آئے گی اللہ کی مدد! سن
لو۔ بیشک اللہ کی مدد قریب ہے۔

بہر کیف سچے مسلمان کا امتحان میں مبتلا ہونا یہ دستورِ خداوندی ہے۔ جی!
آپ نے کیا سمجھا؟ کیا مسلمان ہونا کوئی آسان کام ہے! جی نہیں۔ خوب اچھی طرح سمجھ
لیجئے کہ

یہ شہادت کہ الفیت میں قدم رکھنا ہے۔
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلمان ہونا،

برادرانِ ملت! کیا آپ کو نہیں معلوم؟ کہ ہم ناکارہ اور بد عمل قسم کے لوگ ہر دم
طرح طرح کے اول فoul بولتے اور بکتے رہتے ہیں۔ مگر ارحم الراحمین کی ستاری و
غفاری دنیا میں ہم پر کوئی مواخذہ اور گرفت نہیں فرماتی۔ مگر خاصانِ خدا، اور مقربینِ بارگاہ
کبریا کا تو یہ حال ہے کہ ایک ذرا سی چوک، اور بال برابر نفرتیں پر موردِ عقاب باری
ہو جایا کرتے ہیں۔ اور حق جل جلالہ، ان پر ایسا عقاب فرماتا ہے کہ جس کو سن کر خوفِ دہرا
سے مومن کا دل لرز جاتا ہے!

سو بیویاں ایک کچا بچہ | حضرات گرامی! مجھے اس موقع پر نجاری شریف کی ایک
روایت یاد آگئی۔ جو بے انتہا عبرت خیز اور نصیحت آموز
ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام جو خدا کے ایک برگزیدہ نبی ہیں۔ اور
اللہ تعالیٰ نے ان کو نبوت اور بادشاہت دونوں نعمتوں سے سرفراز فرمایا ہے۔ ایک
مرتبہ آپ نے یہ فرمایا کہ میں اپنی ایک سو بیویوں سے صحبت کر دوں گا۔ تو میرے ایک
سو بیٹے پیدا ہوں گے۔ جو سب کے سب جو ان ہو کر خدا کی راہ میں جہاد کریں گے۔
آپ نے انتہائی نیک نیتی، اور بے پناہ اخلاص کے ساتھ اپنا یہ ایمانی منصوبہ لوگوں

سے بیان فرمایا۔ مگر اس کے ساتھ آپ نے ان شاء اللہ نہیں کہا۔ تو محض اتنی سی بات پر خداوند کردگار کا غتاب آپ پر اس صورت میں نمودار ہوا۔ کہ آپ اپنی ایک سو بیویوں کے پاس تشریف لے گئے مگر ایک بیوی کے سوا کوئی حاملہ نہیں ہوئی۔ اور ایک حاملہ بھی ہوئی۔ تو ان کے شکم سے ایک کچا بچہ گوشت کے ٹوٹھڑے کی شکل میں پیدا ہوا!

(بخاری ج ۱ ص ۴۸)

مسلمانو! دیکھا آپ نے؛ ہمارے جیسے گناہگار انسان بار بار ان منشاء اللہ کہنا بھول جاتے ہیں۔ بلکہ کبھی کبھی قصداً ایسی بھوڑ دیتے ہیں۔ مگر پھر بھی فضل خداوندی ہم ناکاروں پر مواخذہ نہیں فرماتا۔ اور ہمارے منصوبوں اور پلانوں کو اپنے کرم سے کامیاب فرما دیتا ہے۔ مگر خدا کے جلیل القدر پیغمبر حضرت سلیمان علیہ السلام کو ایک مرتبہ ان شاء اللہ کہنے کا خیال نہیں رہا۔ تو عتاب خداوندی نے ان کے اس مقدس منصوبہ کو بالکل ہی۔ ناکامیاب بنا دیا کیوں؟ اسی لئے تو کہ ہم گناہگار بھلا بارگاہ خداوندی میں کیا حیثیت رکھتے ہیں؟ ہم تو خطا و قصور کے پتے ہیں۔ اور ہمارا بال بال گناہوں کے وبال سے پاپ کا جنجال بنا ہوا ہے۔ ہم بھلا امتحان خداوندی، اور عتاب الہی کے قابل ہی کہاں ہیں؟ ہمارا تو یہ حال ہے کہ

کریم! اپنے کرم کا صدقہ، لیم بے قدر کو نہ شرما،
رضا سے تو، اور حساب لینا، رضا بھی کوئی حشائیں ہے

لیکن حضرت سلیمان علیہ السلام تو خدا کے عظیم الشان نبی ہیں۔ اس لئے ان کی ذرا سی بات پر عتاب خداوندی ان کے سراقدس پر جلوہ فگن ہو گیا۔

اور یاد رکھئے کہ یہ محبوبانِ بارگاہ الہی اپنے اوپر عتاب باری کو دیکھ کر اس قدر بے قراری کے ساتھ گریہ و زاری فرماتے ہیں اور ان کے دلوں کی گہرائیوں سے نکل کر توبہ و استغفار کے کلمات ان کی مقدس زبانوں پر اس طرح جاری ہو جاتے ہیں۔ کہ رحمتِ کردگار کا پیارا ان اطاعت گزار بندوں پر اس طرح نمودار ہو جاتا ہے کہ ارحم الراحمین۔ ان کو اپنے رضوان و غفران کی آغوش کرم میں سکون و قرار کی دہ جنت بخش دیتا ہے جن پر باغ بہشت کے

گلزار بار بار قربان و نثار ہونے کے لیے بے قرار رہتے ہیں !

مومنین و منافقین کا انجام | بہر کیف میں یہ عرض کر رہا تھا کہ عتاب دوستوں ہی کے لئے ہوا کرنا ہے۔ دشمنوں پر عتاب نہیں ہوتا بلکہ

ان پر عذاب ہوا کرتا ہے۔ چنانچہ یہاں بھی ایسا ہی ہوا۔ کہ حضرت کعب اور ان کے دونوں ساتھیوں پر چونکہ یہ تینوں مومن تھے اس لئے ان پر پچاس دنوں تک تو عتاب رہا۔ مگر اس عتاب کے بعد رحمتِ خداوندی نے ان تینوں پر اس طرح نوازش فرمائی کہ قرآن میں قیامت تک کے لئے خداوندی شہادت نازل ہو گئی۔ کہ۔

لَا تَنَالُہُمْ سَاعِدٌ وَرَءَیَہُمْ
رَحِیمٌ ۝

یعنی خداوند تعالیٰ ان تینوں پر محمد مہربان اور بڑا رحم فرماتے والا ہے۔

سبحان اللہ۔ اس سے بڑھ کر کسی انسان پر خداوند قدوس کے انعام و کلام کی نوازش اور کیا ہوگی ! کہ خدایہ فرما دے کہ میں اس بندے پر روف اور رحیم ہوں ! اور انہی آدمی جو سب کے سب منافق تھے۔ ان پر کوئی عتاب نہیں ہوا۔ بلکہ ان پر خداوند قہار و جبار کے قہر و غضب کا عذاب اس طرح اتر پڑا۔ کہ ان کی مکاریوں اور سیاہ کاریوں کا پردہ چاک کر دیا گیا۔ اور وہ دونوں جہان میں انتہائی ذلیل و خوار ہو گئے۔ اور دنیا و آخرت میں قہر قہار اور غضب جبار کے سزاوار ہو کر عذابِ نار کے حقدار بن گئے۔ چنانچہ ان منافقوں کے انجام کی داستان قرآن کی قاہرانہ زبان سے سنئے خداوند قدوس کا فرمان ہے کہ۔

یعنی (جنگ تبوک سے بیٹھ رہتے
والے منافقین) تم سے یہاں نے بنائیں گے
جب تم ان کی طرف لوٹ کر جاؤ گے
تو اے محبوب ! تم ان سے فرما کہ یہاں
مت بناؤ ہم ہرگز تمہاری باتوں کا یقین نہ
کریں گے اللہ کے میں تمہاری خبریں دے

يَعْتَذِرُونَ إِلَيْكُمْ إِذَا
رَجَعْتُمْ إِلَيْهِمْ قَدْ لَآ
تَعْتَذِرُوا لَنْ تُؤْمِنُوا
قَدْ نَبَأْنَا اللَّهُ
أَخْبَارَكُمْ
وَسَيَرَى اللَّهُ عَمَلَكُمْ

وَسَوْفَ تَرُدُّونَ إِلَىٰ
عِلِّيِّ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ
فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ
سَيَحْلِفُونَ بِاللَّهِ لَكُمْ
إِذَا أَنْقَلَبْتُمْ إِلَيْهِمْ لَنَرْضَوْا
عَنْهُمْ فَنَعْمَرُوا عَنْهُمْ
إِنَّهُمْ رَجَسٌ وَمَا لَهُمْ
بِجَهَنَّمَ مِنْ حِزَآءٍ يَبْأُكَانُوا
يَكْسِبُونَ

يَحْلِفُونَ لَكُمْ لَنَرْضَوْا
عَنْهُمْ فَإِنْ تَرْضَوْا عَنْهُمْ
فَإِنَّ اللَّهَ لَا يَرْضَىٰ عَنِ الْقَوْمِ
الْفَاسِقِينَ

(سورۃ توبہ)

دی ہیں۔

اور اب اللہ در رسول تمہارے کام کو
دیکھیں گے۔ پھر تم اس کی طرف پلٹ کر جاؤ
گے جو چھپے اور ظاہر سب کو جانتا ہے۔ اور
وہ تمہیں بتا دے گا جو کچھ تم کرتے تھے۔
اب یہ منافقین تمہارے آگے اللہ کی
قسمیں کھائیں گے جب تم ان کی طرف پلٹ
کر جاؤ گے اس لئے تاکہ تم ان کے خیال میں نہ
پڑو تو وہاں تم ان کا خیال چھوڑ دو کیوں کہ وہ تو نرے پلید
ہیں اور انکا ٹھکانا جہنم ہے جو ان کے کرتوں کا بدلہ ہے
یہ منافقین تمہارے آگے قسمیں کھاتے
ہیں تاکہ تم لوگ ان سے راضی ہو جاؤ تو اگر تم
لوگ ان سے راضی بھی ہو جاؤ پھر بھی یقیناً اللہ تو ان
فاسق لوگوں سے راضی نہ ہو گا۔

مسلمان بھائیو! سن لیا آپ نے مومنین اور منافقین کا انجام؟ غور فرمائیے اور عبرت
حاصل کیجئے۔ اللہ اکبر! کہاں رحمت الہی کے مقدار مومنین؟ اور کہاں تہر خداوندی کے سزا
دار منافقین؟ کہاں خدا کے محبوب؟ اور کہاں خدا کے مفضوب؟ کہاں رحمت والے؟ اور
کہاں لعنت والے؟

چہ نسبت خاک را با عالم پاک

برادرانِ ملت! آپ یہ نہ سمجھئے کہ مومنین اور منافقین کا یہ انجام نہ ماثہ رسالت ہی
تک محدود ہے۔ نہیں بلکہ یہ ایمان رکھنے کے قیامت تک آنے والے مومنین و منافقین
کا ہمیشہ یہی انجام رہے گا کہ مومنین دونوں جہان میں رحمت خداوندی کی نعمتوں سے
سرفراز، اور انعام و اکرام ذوالجلال کی دولتوں سے مالا مال رہیں گے اور منافقین عذاب

خداوندی کی مار، اور لعنتوں کی پھٹکار سے دنیا و آخرت میں ہمیشہ ذلیل و خوار رہی رہیں گے
کیوں؟ اس لئے کہ

سکینہ حُربِ نبی کا ہو جس کے سینے میں
ہزار حشر ہو، وہ دل دہل نہیں سکتا!
خدا کا تہرے ان کی نگاہ کا پھرنا "ہ"
گرا جو ان کی نظر سے سنبھل نہیں سکتا

مگر مسلمانو! ہاں یہ اور بات ہے کہ مومنین کو خدا کی بے شمار نعمتوں کا احساس نہ
رہے۔ اور منافقین اتنے بے حیا اور بے غیرت بن جائیں۔ کہ ان کو اپنی ذلت و خواری
کا کوئی احساس ہی نہ ہو۔ ایسا بہت ہوتا ہے کہ نعمت ہو۔ مگر اس کا احساس نہ ہو۔ اور ذلت
ہو مگر اس کا احساس نہ ہو۔

غالباً آپ لوگوں نے ایک مولانا صاحب کا قصہ تو سنا
ایک جوتا۔ ایک پاؤں ہی گا۔ یہ عید کے دن عید گاہ جا رہے تھے۔ ناگہاں
راستے میں ان کا ایک جوتا لوٹ گیا۔ مجبوراً ایک ہی
پاؤں میں جوتا پہنے چلے جا رہے تھے مگر یہ دیکھ کر کہ ہمت سے جاہل گنوار دونوں پاؤں
میں جوتا پہنے مٹھاٹھ سے عید گاہ چلے جا رہے ہیں۔ دل پر ایک چوٹ لگی کہ افسوس
ان گنواروں کے تو دونوں پاؤں میں جوتا ہو۔ اور میں عالم ہو کہ ایک ہی پاؤں میں جوتا
پہنے ہوئے ہوں۔ لیکن چند ہی قدم چلے تھے کہ اچانک یہ دیکھا کہ ایک استاد کے
بندے کا ایک پاؤں کٹا ہوا ہے۔ اور وہ غریب ایک ہی پاؤں سے لاٹھی کے سہارے
عید گاہ چلا جا رہا ہے۔ یہ منظر دیکھتے ہی ان کا ایمانی احساس بیدار ہو گیا اور وہ سجدہ
شکر میں گر پڑے۔ اور بارگاہِ الہی میں عرض کرنے لگے۔ کہ خداوند! میری توبہ قبول فرما
میں نے تیری ناشکری کی۔ یقیناً مجھ پر تیرا بہت ہی بڑا احسان ہے کہ تو نے میرے دونوں
پاؤں کو سلامت رکھا ہے۔ ایک جوتا نہیں تو اس کا کیا غم ہے؛ دونوں پاؤں تو سلامت
ہیں!

مسلمانو! دیکھ لو۔ دونوں پاؤں کا سلامت ہونا بہت بڑی نعمت ہے۔ مگر مولانا صاحب کو اس نعمت کا احساس نہیں تھا۔ جب ایک لنگڑے کو دیکھا تو دونوں پاؤں کی سلامتی کتنی بڑی نعمت ہے؛ اس کا احساس ہو گیا تو اپنی ناشکری سے توبہ کر کے سجدہ شکر میں سر بسجود ہو گئے!

آخ تھو۔ آخ تھو! اچھا اب چلتے چلاتے ایک بے غیرت بے حیا کا بھی قصہ سن لیجئے جو اتنا بے غیرت تھا کہ اس کو اپنی ذلت اور بے عزتی کا کبھی احساس ہی نہیں ہوتا تھا۔ سنا ہے کہ ایک نواب صاحب دمہ کے مریض تھے۔ رات بھر کھانستے اور تھوکتے رہتے تھے۔ اتفاق سے ایک رات ان کے گھر میں ایک چور آگیا۔ نواب صاحب کو جو کھانسی آئی تو چور چپکے سے نواب کے پلنگ کے نیچے دبک گیا۔ نواب صاحب نے دیکھ لیا کہ چور پلنگ کے نیچے دبکا پڑا ہے۔ بس پھر کیا تھا۔ نواب صاحب رات بھر کھانستے رہے اور چور کے اوپر تھوکتے رہے۔ "آخ تھو، آخ تھو" نواب صاحب تھوکتے رہے۔ اور چور تھو کو اتنا باصح ہوتے ہوئے نواب صاحب نے چور کو مارے تھوک کے برف کی ریل کی طرح سفید بنا ڈالا۔ صبح لو نواب صاحب کی بیگم بھاڑو لے کر کمرے کی صفائی کے لئے آئیں۔ تو نواب صاحب نے آخ تھو کر کے ایک مرتبہ بیگم کے اوپر بھی تھوک دیا۔ بڑھیا بیگم مارے غصے کے لال پیلی ہو گئی اور تڑپ کر بولی کہ نوج توبہ! تم کیسے مرنے لے ہنگم، اور نگوڑے مردودے ہو؛ کہ صبح ہی صبح میرے اوپر تھوک دیا۔ نواب صاحب نے کہا کہ ہائے افسوس! بیگم۔ تفت ہے میری زندگی پر۔ چالیس سال کی میری اور تمہاری میاں بیوی کی دالہانہ محبت ہے۔ مگر افسوس کہ تم میرا ایک تھوک بھی برداشت نہیں کر سکی۔ یہ دیکھو پلنگ کے نیچے میرا صرف رات بھر کا دوست لیٹا ہوا ہے۔ اس نے میرا دو ہزار تھوک برداشت کر لیا۔ اور ہلا تک نہیں اتنے میں چور نکل کر یہ کہتا ہوا بھاگا۔ کہ تھوک پڑا۔ یا ہوا؟ میں کالا کلوٹا تھا۔ اب گورا سفید ہو گیا ہوں۔

مسلمانو! بس یہی مال ہے۔ آج کل کے منافقوں کا کہ گلی گلی پھٹکارے جاتے ہیں مسجدوں سے نکالے جاتے ہیں۔ دنیا بھر کا تھوک پڑتا ہے۔ مسلمان نفرت کرتے

ہیں۔ مگر یہ اتنے بڑے بے غیرت اور بے حیا ہیں کہ پھر بھی یہ اپنے کو اتنا بڑا بزرگ سمجھتے ہیں کہ گویا حضرت غوث پاک سے بس ایک جو بھر چھوٹے رہ گئے ہیں۔ ان ظالموں کا احساس اس قدر مردہ ہو گیا ہے کہ ان کو اپنی ذلت و خواری کا کوئی خیال ہی نہیں رہ گیا ہے!

بہر کیف برادرانِ ملت! میں نے آپ کا بہت زیادہ وقت لے لیا۔ جس کے لیے میں آپ سے معافی کا خواستگار ہوں۔ مگر امیدوار ہوں کہ آپ میری اس بے ربط اور ٹوٹی پھوٹی تقریر سے عبرت و نصیحت حاصل کریں گے۔

من انچہ شرطِ بلاغ است باتومی گویم تو خواہ از سنخم پند گیر و خواہ ملال

وما علینا الا البلاغ و آخر دعوانا ان الحمد لله رب

الغلمین و صلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد و آلہ و

صحابہ اجمعین »



۳۶
پختی سوال و غلط

صحبتِ بد سے بچو

اگر دنیا میں رہنا ہے تو کچھ پہچان پسند کر !!
لباس خضر میں یاں سیکڑوں رہزن بھی پھرتے ہیں



بسم الله الرحمن الرحيم

نحمدہ و نصلى على رسولہ الکریم

اما بعد فقد قال الله تعالى في كتابه العظيم وخطابه القدیم

اعوذ بالله من الشیطن الرجیم

بسم الله الرحمن الرحيم

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ

أَوْلِيَاءَ تُلَقُّونَ إِلَيْهِم بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوا بِمَا جَاءَكُمْ

مِّنَ الْحَقِّ يُخْرِجُونَ الرَّسُولَ وَإِيَّاكُمْ أَن تُؤْمِنُوا بِاللَّهِ

رَبِّكُمْ إِن كُنْتُمْ حَرَجْتُمْ جِهَادًا فِي سَبِيلِي وَ

أَبْتِغَاءَ مَرْضَاتِي تُسِرُّونَ إِلَيْهِم بِالْمَوَدَّةِ وَأَنَا

أَعْلَمُ بِمَا أَخْفَيْتُمْ وَمَا أَعْلَنْتُمْ وَمَنْ يَفْعَلْهُ مِنكُمْ

فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ ه إِنَّ يَتَّقُواكُمْ يَكُونُوا لَكُمْ

أَعْدَاءُ وَيَسْطُورُوا إِلَيْكُمْ أَيْدِيَهُمْ وَأَلْسِنَتُهُمْ بِالشُّوَ
رَدِّدُوا لَوْ تَكْفُرُونَ ۚ لَنْ تَنْفَعَكُمْ أَرْحَامُكُمْ وَلَا
أَوْلَادُكُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ ۚ يَفْصِلُ بَيْنَكُمْ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ
بَصِيرٌ ۚ (سورۃ مستحکمہ)

حضرات گرامی! ایک بار آوازِ بند و درود شریف کا مبارک وظیفہ پڑھ لیجئے!
اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَاصْحَابِهِ
وَبَارِكْ وَسَلِّمْ۔

برادرانِ ملت! تقریب سے پہلے ایک قطعہ عرض ہے۔

اے عرش نشیں! فرشتہ نشینوں کی خبر لے
افلاک کے سائے میں زمینوں کی خبر لے
طوفانِ تلاطم کے بہت تیز میں دھارے
اسلام کے کمزور سفینوں کی خبر لے

حضرات! تجربات کی دنیا میں تمام عقلاء کے نزدیک یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ
اگر فاسد کو صالح سے۔ بد کو نیک سے۔ بُرے کو اچھے سے الگ تھلگ نہ کر دیا جائے
تو یقیناً فاسد کا فساد، صالح میں اثر انداز ہو کر اس کو بھی فاسد بنا ڈالے گا۔ جس طرح بدن
کا کوئی سٹرا ہوا عضو اگر آپریشن کر کے اس کو بدن سے الگ نہ کیا گیا۔ تو پورا بدن سٹرجائے گا
اور انگور کے خوشہ میں سے اگر سٹرے گلے دانوں کو نہ نکالا گیا۔ تو پورا خوشہ سٹر گل
کر خراب و برباد ہو جائے گا۔ بالکل ٹھیک اسی طرح اگر نیک اور صالح لوگوں کا بدکار
لوگوں کے میل جول سے بد عمل اور جرائم پیشہ بن جانا اتنا ہی یقینی ہے جتنا کہ کاجل کی
کوٹھری میں زندگی بسر کرنے والے انسان کے سفید کپڑوں کا داغدار ہو جانا۔ یقینی ہو کر کہ ہے
برادرانِ ملت! اس مسلمہ حقیقت کا فطری تقاضا یہی ہے کہ اچھے اور بُرے کو
ہمیشہ الگ الگ رکھنا ہی عین حکمت ہے۔ اور اسی میں اچھوں کی صلاح و فلاح کا راز
مضمون ہے۔ چنانچہ میں عرض کر چکا کہ اگر انسانی بدن کا کوئی حصہ سٹر گل جائے تو پورے

بدن کی سلامتی کی بس ایک ہی صورت ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ بدن کا وہ فاسد ٹکڑا کاٹ کر بدن سے الگ کر دیا جائے۔ اگر ایسا نہ کیا گیا تو پھر پورے بدن کی سلامتی خطرے میں پڑ جائے گی!

حضرات! اب یہ بھی ذرا غور سے سن لیجئے کہ جس طرح انسانوں کا شخصی بدن ہوتا ہے۔ اور کبھی کبھی اس کا کوئی ٹکڑا سڑا جاتا ہے۔ اسی طرح انسانوں کا ایک جماعتی اور قومی بدن بھی ہوا کرتا ہے۔ اور کبھی کبھی قومی بدن کے کچھ ٹکڑے یعنی انسانوں کے کچھ افراد اپنی بدکرداری اور مجرمانہ زندگی کی وجہ سے فاسد اور سڑے گلے ہوئے انسان مانے جاتے ہیں۔ اب اگر قوم کے ان سڑے گلے ہوئے افراد کو پوری قوم سے الگ تھلگ نہ کر دیا گیا۔ تو ظاہر ہے کہ پوری قوم ان فاسدوں کی بد اعمالیوں کے تعفن سے سڑا کر تباہ و برباد ہو جائے گی۔ اور قوم کا پورا معاشرہ تھس تھس ہو کر پوری قوم ہلاکت کے غار میں گر کر اپنے قومی وجود سے ہمیشہ کے لیے محروم ہو جائیگی!

برادران ملت! یہی وجہ ہے کہ ہر قوم و ملت کے انسانوں نے اپنے دستور زندگی میں یہ دفعہ ضرور رکھی ہے کہ جو شخص ان کی سوسائٹی کے قوانین سے بغاوت کرے گا اس کے خلاف مادی یا کارروائی ضرور کی جائے گی۔ چنانچہ جس طرح بالکل ہی غیر متہدّن اقوام کی پنچائیتیں اپنے مجرموں کے خلاف کارروائی کر کے ان کو ٹاٹ باہر اور برادری سے خارج کر دیتی ہیں۔ اسی طرح تہذیب و تمدن کی بلند چوٹیوں پر بسنے والے متہدّن انسانوں کو بڑی بڑی جماعتوں نے یہی طریقہ کار رکھا ہے کہ اگر ان کی جماعت کا کوئی ممبر ان کے جماعتی، قوانین کے اصولوں کے خلاف کوئی کام کر بیٹھتا ہے تو اس کے خلاف مادی یا کارروائی کر کے اس کو اپنی جماعت سے نکال باہر کر دیتے ہیں۔

الغرض فطرت سلیمہ، اور حکمت و مصلحت کا تقاضا یہی ہے کہ اچھوں اور بُروں کو ہمیشہ میل جول سے بچانا انتہائی ضروری ہے تاکہ بُرے انسانوں کی برائیوں کا فساد، اچھے اور نیک و صالح انسانوں کو خراب اور فاسد نہ بنادے!

برادران ملت! سورہ ممتحنہ کی آیات مبارکہ جو میں نے خطبہ کے بعد آپ حضرات

کے سامنے تلاوت کی ہیں۔ یہ آیات اسی حکیمانہ فیصلہ کی آئینہ دار ہیں جس میں خداوند عالم نے اپنے مومن بندوں کو یہ حکم فرمایا ہے کہ اے ایمان والو! تم میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ۔ مطلب یہ ہے کہ مومنین اللہ کے دوست ہیں۔ اور کفار اللہ تعالیٰ کے بھی دشمن ہیں۔ اور مومنین کے بھی دشمن ہیں۔ لہذا اے ایمان والو! تم اللہ کے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ۔ اُن سے میل جول نہ رکھو۔ اُن کو اپنا راز دار نہ بناؤ بلکہ ان کی محبت اور صحبت کو سم قاتل اور زہر ہلاہل سمجھ کر اُن سے الگ تھک رہو اے ایمان والو! تم صالح ہو، وہ فاسد ہیں۔ تم نیک ہو، وہ بد ہیں۔ تم اچھے ہو، وہ بُرے ہیں۔ تم اللہ کے دوست ہو، وہ اللہ کے دشمن ہیں۔ اور صالح کو فاسد سے، نیک کو بد سے اچھے کو بُرے سے، اللہ کے دشمن کو اللہ کے دوست سے الگ رکھنا۔ یہ معاشرہ اور سوسائٹی کی صلاح و فلاح کے لیے ایک ایسا حکیمانہ فیصلہ، اور فطری فلسفہ ہے جس پر تمام عالم کے عقلاء کا اتفاق ہے۔ کون نہیں جانتا کہ مغرب ہو، یا مشرق، یورپ ہو یا ایشیا، امریکہ ہو یا روس ہر ملک و ملت کے دانشوروں اور عقلمندوں کا نہ صرف نقطہ نظر، بلکہ طریقہ عمل بھی یہی ہے کہ کسی پارٹی، یا جماعت کے دستور اساسی اور آئین و قوانین سے بغاوت کرتے والے ممبروں کے خلاف تادمی کارروائی اور ان کا جماعت اور پارٹی سے احراج و بائیکاٹ ضروری سمجھا جاتا ہے۔ اور تا وقتیکہ باغی افراد سچے دل سے تائب ہو کر آئین و قوانین کا احترام کرتے ہوئے اُن پر عمل پیرا نہ ہو جائیں، ہرگز ہرگز ان کو پارٹی کا ممبر نہیں بنایا جاسکتا۔ اسی طرح پارٹی کے ممبروں کو مخالف پارٹیوں کے نظریات قبول کرنے سے روکنا بھی ضروری ہے کیونکہ بغیر اس کے پارٹی کا نظام درہم برہم اور انتشار کا شکار ہو جائے گا۔ بلکہ پارٹی کا وجود ہی خطرے میں پڑ جائے گا!

برادران ملت! ٹھیک اسی ڈھنگ پر اب سمجھ لیجئے کہ پوری مسلمان قوم ایک جماعت اور پارٹی کے مثل ہے۔ اور قوانین اسلام اس جماعت اور پارٹی کے وہ دستور و آئین و قوانین ہیں کہ جن کا احترام اور ان پر عمل پوری قوم مسلم کے لئے واجب

التبلیغ اور لازم العمل ہے۔ لہذا مسلمان قوم کا جو فرد بھی قوانین اسلام سے بغاوت کرے گا۔ اس کے خلاف تادیبی کارروائی، اور اس کا جماعت سے اخراج اور بائیکاٹ ضروری ہے تاکہ اس کے فساد کے ہر اٹیم جماعت کے صالح افراد کو فاسد نہ کر سکیں۔

حضرات! یہی وہ تادیبی کارروائی ہے جس کو عالموں اور مفتیوں کی اصطلاح میں **تکفیر** (کفر کا فتویٰ لگانا) کہا جاتا ہے۔ یعنی "مسلم" اور "کافر" دو جماعتیں ہیں "مسلم" وہ جماعت ہے جو قوانین اسلام کی معتقد، اور اس پر عامل ہے۔ اور "کافر" وہ جماعت ہے جو قوانین اسلام کی منکر اور مخالف ہے۔ لہذا مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتے ہوئے جو شخص قوانین اسلام سے بغاوت کرے گا۔ پوری مسلم جماعت کا فرض ہے کہ اس کے خلاف تادیبی کارروائی کرے۔ اور اس کو مسلم جماعت سے خارج کر کے اس کے بارے میں اعلان کر دے کہ چونکہ یہ شخص قوانین اسلام کا باغی ہے لہذا یہ مسلم جماعت سے نکل کر غیر مسلم جماعت میں داخل ہو گیا جس کا دوسرا نام "کافر" ہے۔ برادرانِ ملت! یہ ہے "مسئلہ تکفیر" اور کسی شخص پر کفر کا فتویٰ لگانے کی حقیقت۔ تکفیر کا ہرگز ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ کسی مسلمان کو کافر بنا دیا گیا۔ بلکہ کوئی مسلمان قوانین اسلام سے بغاوت کر کے کافروں کی جماعت میں داخل ہو جائے تو اس کے کفر کے اعلان، اور اس کے خلاف تادیبی کارروائی کا نام "تکفیر" ہے۔ اور یہ وہ طریقہ عمل ہے جو ہر ملک و ملت کی جماعتوں کا نظریہ فکر اور لائحہ عمل ہے!

لفظ کافر گالی نہیں ہے | مسلمان بھائیو! خوب ابھی طرح سمجھ لیجئے کہ لفظ "کافر" ہرگز ہرگز کوئی گالی کا لفظ نہیں ہے۔ بلکہ جس طرح کاتگریس، کیونست، بن سنگھ، یہ چند جماعتیں اور پارٹیاں ہیں۔ اور ان سب پارٹیوں کے کچھ، بنیادی اصول اور دستوری قوانین ہیں۔ اور جو شخص جس جماعت کے آئین و قوانین کا پابند رہتا ہے وہ اس جماعت کا ممبر تصور کیا جاتا ہے۔ اور جو شخص کسی جماعت کے آئین و قوانین کو ٹھکرا کر کسی دوسری جماعت کے آئین و قوانین کو اپنا نصب العین بنا لیتا ہے تو وہ قدرتی طور پر ایک جماعت سے نکل کر دوسری جماعت کا ممبر بن جاتا ہے۔ مثلاً ایک

کانگریسی اگر کانگریس کے بنیادی اصولوں سے بغاوت کر کے کمیونسٹ جماعت کے اصولوں کو قبول کرے۔ تو یہی کہا جائے گا۔ کہ یہ شخص کانگریس کی جماعت سے نکل کر کمیونسٹ جماعت میں چلا گیا۔ تو جس طرح کانگریسی ہونا۔ یا کمیونسٹ ہونا یہ کوئی گالی نہیں ہے۔ اس طرح مسلم جماعت سے نکل کر غیر مسلم جماعت میں چلے جانے والے کو "غیر مسلم" یا "کافر" کہنا کوئی گالی نہیں ہے۔ بلکہ یہ لفظ اس کے نظریات کے اعلان کا ایک قومی نام اور جماعتی نشان ہے !

بہر کیف میں یہ عرض کر رہا تھا کہ نیک اور بد، اچھے اور بُرے انسانوں کے درمیان ایک خط فاصل کھینچ کر دونوں کو جدا جدا اور الگ الگ کر دینا۔ یہ ایک ایسا متفق علیہ فطری فلسفہ ہے۔ جس پر متمدن دنیا کے نظام کا دار و مدار ہے۔ چنانچہ قرآن عظیم نے سورہ ممتحنہ کی ابتدائی آیتوں میں اسی حکیمانہ فلسفے کی تعلیم دے کر فرمائی ہے !

شان نزول* | میرے بزرگو اور بھائیو! اب ان مقدس آیتوں کا ترجمہ اور تفسیر سنانے سے پہلے میں مناسب سمجھتا ہوں کہ ان آیتوں کی شان نزول، اور ان کے نازل ہونے کا سبب آپ کو سنا دوں تاکہ ان آیتوں کے نزول کا پس منظر اور پورما حول آپ کی نظروں کے سامنے آجائے۔ اور آپ، اچھی طرح ذہن نشین کر لیں کہ وہ کون سے اسباب و محرکات ہیں جن کی بنا پر حضرت حق جل مجدہ نے ان آیتوں کو نازل فرمایا؟

حضرات! ان آیات مقدسہ کے نزول کا سبب یہ ہے کہ خاندان بنی ہاشم کی ایک لونڈی جس کا نام "سارہ" تھا۔ یہ مکہ مکرمہ سے سفر کر کے مدینہ منورہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئی۔ اور یہ وقت تھا کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ کو فتح کرنے کے لئے جہاد کا سامان فرما رہے تھے لونڈی کو دیکھ کر رحمت عالم نے دریافت فرمایا کہ کیا تو نے اسلام قبول کر لیا ہے؟ لونڈی نے عرض کیا کہ نہیں۔ رحمت عالم نے فرمایا کہ پھر تیرے یہاں آنے کا کیا مقصد ہے؟ لونڈی نے جواب دیا کہ میں اپنی تنگدستی اور محتاجی سے پریشان حال ہو کر یہاں آگئی ہوں۔ لونڈی کا حال زار سن کر خاندان بنی ہاشم کے درد

مندوں کا دل بھرا آیا۔ اور ان لوگوں نے دل کھول کر ہر طرح اس کی امداد و اعانت کی مشہور صحابی حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کی حب اس لونڈی سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے بھی اس کو دس دینار اور ایک چادر عنایت کی، اور ساتھ ہی ایک خط بھی اہل مکہ کے پاس اس لونڈی کی معرفت بھیجا۔ جس کا مضمون یہ تھا کہ

حنور صلی اللہ علیہ وسلم مکہ پر حملہ کر کے اس کو فتح کر لینے کا ارادہ فرما رہے ہیں لہذا تم لوگ اپنے بچاؤ کی جو تدبیر ہو سکے وہ کر لو!

لونڈی نے اس خط کو اپنے بالوں کے جوڑے میں چھپا لیا۔ اور سارا سامان لیکر مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہو گئی۔ حضرات! لیکن ابھی یہ لونڈی مدینہ منورہ سے روانہ ہو کر چند میل ہی دور گئی تھی کہ خداوند جل و علانے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کے ذریعے اس خط کے مضمون سے مطلع فرما دیا۔ چنانچہ حنور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چند جاں نثار صحابہ کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی قیادت میں اس لونڈی کی گرفتاری کے لئے روانہ فرمایا۔ اور ارشاد فرمایا کہ تم لوگ تیز رفتاری کے ساتھ سفر کر کے "رومنہ خاخ" کے مقام پر پہنچ جاؤ۔ وہاں تمہیں ایک عورت ملے گی۔ اس کے پاس حاطب بن ابی بلتعہ کا ایک خط ہے جو اہل مکہ کے نام لکھا گیا ہے۔ وہ خط اس عورت سے لے لو۔ اور اس کو چھوڑ دو۔ چنانچہ یہ حضرات روانہ ہو گئے اور اس عورت کو ٹھیک اسی مقام پر پالیا۔ جہاں حنور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جب اس عورت سے خط طلب کیا۔ تو اس نے صاف انکار کر دیا۔ اور قسم کھا کر کہنے لگی کہ میرے پاس کوئی خط نہیں ہے۔ مگر شیر خدا نے تڑپ کر فرمایا کہ خبردار! میرے آقا کا فرمان ہرگز ہرگز کبھی بال برابر بھی غلط نہیں ہو سکتا دھمکی دے کر عورت کو ڈرایا۔ اور یہ فرمایا کہ تم خط دے دو ورنہ تم کو بالکل برہنہ کر کے تمہاری تلاشی لیں گے۔ جب عورت کو یقین ہو گیا کہ میرا کوئی حیلہ بہانہ کامیاب نہیں ہو سکتا۔ تو اس نے اپنے بالوں کے جوڑے میں سے خط نکال کر دے دیا۔

حضرات! جب صحابہ کرام نے بارگاہ نبوت میں حاضر ہو کر یہ خط پیش کیا تو رحمت

عالم نے حضرت عاظم بن ابی بلتعہ کو بلا کر دریافت فرمایا کہ اے عاظم! یہ کیا ہے؟ اور تمہارے اس خط کا کیا مقصد ہے؟ حضرت عاظم نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! خدا کی قسم میں نے جب سے اسلام قبول کیا کبھی میں نے کفر نہیں کیا۔ اور جب سے مجھے حضور کی نیاز مندی کا شرف حاصل ہوا۔ کبھی میں نے کوئی خیانت نہیں کی۔ اور جب سے میں نے مکہ مکرمہ سے ہجرت کی ایک لمحہ کے لئے بھی مکے والوں کی محبت میرے دل میں نہیں آئی۔ لیکن اس خط کا مقصد یہ ہے کہ یا رسول اللہ! نہ تو میں خاندان قریش میں سے ہوں۔ نہ قبیلہ قریش میں میرا کوئی رشتہ دار ہے۔ میرے سوا جتنے مہاجرین ہیں ان سب لوگوں کے مکہ میں رشتہ دار موجود ہیں۔ جو ان کے گھربار کی حفاظت و نگہداشت کرتے رہتے ہیں مجھے اپنے گھر والوں کی بڑی فکر تھی کہ مکہ میں کوئی بھی میرے بال بچوں کی خبر گیری کرنے والا نہیں ہے۔ اس لئے میں نے یہ چاہا کہ میں مکہ والوں پر کچھ احسان رکھ دوں تاکہ وہ میرے گھر والوں کو نہ ستائیں اسی خیال سے یہ خط میں نے مکہ والوں کے نام لکھ دیا ہے۔ اور یا رسول اللہ! میں پورے یقین کے ساتھ اس بات کو جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ضرور مکہ والوں کو عذاب دے گا اور ضرور مکہ فتح ہو جائے گا۔ اور میرا یہ خط ہرگز ہرگز ان کو نہ بچا سکے گا!

حضرات! رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا دل رحمت کا سمندر تھا۔ جو اپنے جانثاروں کی محبت سے لبریز تھا۔ حضرت عاظم بن ابی بلتعہ کا یہ عذر سن کر آپ نے انہیں معاف فرما دیا۔ مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے جذبات ایمان کے پرجوش طوفان پر قابو نہ پا سکے۔ اور انتہائی غیظ و غضب میں بھرے ہوئے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! مجھے اجازت دیجئے۔ کہ میں اپنی تلوار سے اس منافق کی گردن اڑا دوں۔ حضرت عمر کا یہ جملہ سن کر رحمت عالم نے فرمایا کہ اے عمر! تمہیں کیا خبر؟ یہ عاظم بن ابی بلتعہ ان مجاہدین، اولین میں سے ہے جو جنگِ بدر میں اپنی سرفروشی کے جوہر دکھا چکا ہے۔ دربارِ الہی میں مجاہدینِ بدر کی خدماتِ جلیلہ کی یہ قدر و منزلت ہے کہ اس رب کریم نے تمام مجاہدینِ بدر سے یہ فرما دیا ہے کہ اِعْمَلُوا مَا شِئْتُمْ فَقَدْ غَفَرْتُ لَكُمْ۔

یعنی تم جو چاہو کرو۔ میں نے تمہیں بخش دیا ہے۔ اللہ اکبر رحمت عالم کی یہ دلولہ انگیز اور رقت خیر تقریریں کہ حضرت فاروق اعظم اس قدر متاثر ہوئے کہ جوش گریہ سے آنسوؤں کی دھار ان کے رخسار پر بہنے لگی۔ اور وہ بالکل خاموش ہو گئے۔ اور عین اسی حالت میں رب العالمین نے حضرت جبریل امین کو روئے زمین پر بھیجا۔ اور فرمایا کہ اے جبریل! تم "سورہ ممتحنہ" کی ابتدائی آیات میرے حبیب فخر کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو میری طرف سے سنا دو!

(کنز الایمان و بخاری ج ۱ ص ۴۲۲)

ترجمہ آیات | حضرات گرامی! اب آپ انتہائی گوش ہوش کے ساتھ ان مقدس اور لرزہ بر اندام کرتے والی آیتوں کا ترجمہ سنئے۔

حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ —

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا
عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاءَ —

اے ایمان والو! تم لوگ میرے اور اپنے
دشمنوں کو دوست مت بناؤ۔

تَلْقَوْنَ إِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَ
قَدْ كَفَرُوا بِمَا جَاءَكُمْ مِنَ
الْحَقِّ ج —

تم انہیں خبریں پہنچاتے ہو دوستی کے
ساتھ حالانکہ وہ منکر ہیں اس دین برحق کے
جو تمہارے پاس آیا ہے۔

يُخْرِجُونَ الرَّسُولَ وَإِيَّاكُمْ
أَنْ تَوْمِنُوا بِاللَّهِ رِيبَكُمْ —

یہ لوگ رسول کو اور تم لوگوں کو اس بنا
پر گھروں سے نکالتے ہیں کہ تم لوگ اپنے
رب اللہ پر ایمان لائے ہو۔

إِنْ كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا
فِي سَبِيلِي وَابْتِغَاءَ مَرْضَاتِي
تَسِيرُونَ إِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ
وَأَنَا أَعْلَمُ بِمَا أَخْفَيْتُمْ وَ
مَا أَعْلَنْتُمْ —

اے مسلمانو! اگر تم نکلے ہو میری راہ میں جہاد
کرنے اور میری رضا چاہنے کو تو ان کافروں
سے دوستی مت کرو تم ان لوگوں کے پاس
خفیہ طور پر محبت کا پیام بھیجتے ہو اور میں خوب
جانتا ہوں جو تم نے چھپایا اور جو تم نے

ظاہر کیا۔

اور تم میں سے جو ایسا کرے وہ سیدھی راہ
سے بہکا۔

اگر یہ کفار تمہیں پا جائیں تو یہ تمہارے
دشمن ہوں گے۔ اور تمہاری طرف اپنے
ہاتھوں اور زبانوں کو بُرائی کے ساتھ دراز کریں
اور کافروں کی تمنا ہے کہ کسی طرح تم کافر

ہو جاؤ۔

ہرگز ہرگز کچھ کام نہ آئیں گی تمہاری رشتہ
داریاں، اور نہ تمہاری اولاد قیامت کے
دن خداوند تعالیٰ تمہیں الگ الگ کر دے گا
اور اللہ تمہارے کاموں کو دیکھ رہا ہے!

برادرانِ ملت! آیاتِ مبارکہ کا سبب نزول اور ترجمہ میں آپ کو سنا چکا اب اگر آپ
نے ان آیتوں کا ترجمہ بغور سنا اور سمجھا ہے تو آپ یقیناً اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ ایک مسلمان
کے لئے ہرگز ہرگز یہ جائز نہیں ہے کہ وہ کفار و مشرکین کو اپنا دوست بنا کہ ان کو اپنا قومی
و ملی راز بتائے۔ کیونکہ حضرت عاظم بن ابی بلتعہ نے جب کفار مکہ کے نام ایک خط لکھ
کر مسلمانوں کا ایک قومی و ملی راز کافروں کو بتا دیا۔ تو باوجود صحابی اور مجاہد بدر ہونے کے
عقابِ خداوندی نے انہیں نہیں چھوڑا بلکہ "فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ" کی
خطرناک وعید اور خوفناک تہدید سے ان کو اس طرح جھنجھوڑا کہ ان کے دامنِ تقدس کو
داغدار اور ان کی اسلامی زندگی کے حسین چہرے کو عیب دار بنا دیا۔ تو پھر بھلا، ہم اور ہم
گناہگار تو کس شمار و قطار میں ہیں؟

برادرانِ ملت! پھر ذرا غور فرمائیے کہ ان آیتوں میں بُخْرَجُونَ
عداوتِ کفار کی بنیاد | الرَّسُولُ وَإِذَا كُفِرْتُمْ تَوَلَّوْا بِاللَّهِ مَتَّكِكُمْ،
سے یہ بھی پتہ چل گیا کہ مسلمانوں کے ساتھ کفار کی دشمنی کا دار و مدار اس بات پر ہے

کہ چونکہ رسول اور مومنین اپنے پروردگار پر ایمان لائے ہیں۔ اس لئے کفار ان کی دشمنی پر کمر باندھ کر ان کو گھروں سے باہر نکلنے پر تیار ہو گئے ہیں۔ لہذا ثابت ہوا کہ کفر کا مزاج ہی یہ ہے کہ جب تک مسلمان اپنے ایمان پر قائم رہیں گے۔ ہرگز ہرگز کفار کبھی مسلمانوں کی دوستی پر تیار نہیں ہو سکتے۔ بلکہ ہمیشہ کفار مسلمانوں سے بیزار اور ان کے دشمن و خونخوار بنے رہیں گے۔

حضرات گرامی! اس سے پتہ چلتا ہے کہ کفار اور ایماندار مسلمانوں کی دشمنی کبھی ختم ہونے والی نہیں ہے۔ اسی لئے رب العزت جل جلالہ نے مسلمانوں کو یہ حکم دیا کہ ۱۔
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاءَ
یعنی اے ایمان والو! تم ان کافروں کو جو میرے اور تمہارے دشمن ہیں ان کو دوست مت بناؤ۔ کیونکہ تمہاری اور کفار کی دشمنی دینی و ایمانی دشمنی ہے اور خوب اچھی طرح سمجھ لو کہ یہ ہزار دشمنوں کا زوال ممکن ہے۔ مگر عداوت دینی کہ وہ نہیں جاتی۔ چنانچہ خداوند قدوس کا فرمان آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے

إِنْ يَتَّقُوا اللَّهَ يَكُونُوا لَكُمْ
أَعْدَاءً وَيَسْطُرُوا لَكُمْ
أَيُّدِيَهُمْ وَأَلْسِنَتُهُمْ بِالشُّوَءِ
یعنی اگر یہ کفار تم مسلمانوں کو پا جائیں گے تو یہ کہیں بھی ہوں۔ کسی حال میں بھی ہوں۔ تمہارے دشمن ہی رہیں گے اور یہ اپنے ہاتھوں اور زبانوں کو تمہاری بدخواہی اور برائی میں

ہمیشہ دراز ہی کرتے رہیں گے!

مسلمانو! اس آیت کا صاف صاف مطلب یہ ہے کہ "اسلام سے عداوت اور مسلمانوں سے دشمنی" یہ کفار کی وہ فطرت ہے جو کبھی بدل نہیں سکتی۔ جس طرح بچھو اپنی نیش زنی سے کبھی باز نہیں رہ سکتا کیوں؟ اس لئے کہ ڈنک مارنا بچھو کی فطرت ہے۔ نیش عقرب نہ از پے کین است

مقتضائے طبیعتش این است،

یعنی بچھو اس لئے نہیں ڈنک مارتا کہ تم نے اس کو ستایا ہے یا اس کے دل میں

تمہارا کہینہ بھرا ہوا ہے۔ بلکہ وہ تو دوست و دشمن، اپنے اپنے پالنے والے، اور ہلاک کرنے والے سمجھی کو اس لئے ڈنک مارتا ہے کہ ڈنک مارنا اس کی پیدائشی حصلت اور اس کی طبیعت کا فطری تقاضا ہے۔ بالکل اسی طرح کفار مسلمانوں کو اس لئے نہیں ستاتے کہ مسلمانوں نے ان کا کچھ بگاڑا ہے۔ بلکہ اس لئے یہ مسلمانوں کو اپنے ہاتھ اور زبان و قلم سے ایذائیں پہنچاتے ہیں کہ مسلم دشمنی ان کافروں کی فطرت ہے۔ اور یاد رکھو۔ کہ مثل مشہور ہے کہ "جیل ٹل سکتا ہے جیلت نہیں ٹل سکتی" یعنی پہاڑ تو اپنی جگہ سے ٹل سکتا ہے۔ مگر انسان کی فطری عادت نہیں بدل سکتی!

کفار کی فطرت برادرانِ ملت! "مسلم دشمنی" کفار کی فطرت ہے ذرا اس کو قرآن کی زبان سے بھی سن لیجئے۔ رب العزت جل جلالہ، کا مقدس فرمان ہے کہ۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا بَطَانَةً مِّن دُونِكُمْ لَا يَأْمُرُكُمْ بِمَا لَا يَدُّوا مَا عَنِتُّمْ ۚ

یعنی اے ایمان والو! غیروں کو یعنی کفار و مشرکین اور منافقین وغیرہ کو اپنا رازدار نہ بناؤ۔ وہ تمہاری برائی میں کمی نہیں کرتے کہ تمہیں ایذا پہنچے یہی ان کے دلوں کی آرزو ہے۔

قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَاءُ مِنِّي أَقْوَاهُمْ ۚ وَمَا تَخْفَىٰ صُدُورُهُمْ أَكْبَرُ ۚ

بلاشبہ ان کے منہ سے نکلی باتوں سے دشمنی ظاہر ہو چکی ہے۔ اور وہ جس کو یہ لوگ اپنے سینوں میں چھپائے ہوئے ہیں۔ وہ اس سے بہت بڑی دشمنی ہے۔

قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْآيَاتِ إِن كُنْتُمْ تَعْقِلُونَ ۚ

ہم نے نشانیاں کھول کر تمہیں سنا دی ہیں بشرطیکہ تم ان کو سمجھو۔

هَآؤُنَا أَوْلَىٰ يُحِبُّونَهُمْ وَلَا يُحِبُّونَكُمْ وَتُؤْمِنُونَ

خبردار! اے مسلمانو! تم ان لوگوں سے محبت کرتے ہو۔ مگر وہ تم سے محبت نہیں

بِالْكِتَابِ كُلِّهِ ۝

کرتے حالانکہ تم سب کتابوں پر ایمان لاتے ہو۔

وَإِذَا كُفُّوا قَوْلًا
أَمْتًا ۖ وَإِذَا خَلَوْا عَصَوْا
عَلَيْكُمْ أَلَا تَأْمَلُونَ الْغَيْظَ
قُلْ مَوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ ۚ إِنَّ
اللَّهَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ۝
(آل عمران)

اور جب وہ تم مسلمانوں سے ملتے ہیں
تو یہ کہتے ہیں کہ ہم بھی ایمان والے ہیں اور
جب اکیلے ہوتے ہیں تو تم مسلمانوں پر بار
غصہ کے انگلیاں چلاتے ہیں۔ اے حبیب
تم فرما دو کہ اے کافرو! تم اپنی گھٹن میں مر
جاؤ۔ اللہ خوب جانتا ہے۔ دلوں کی بات!

برادران اسلام! سورہ آل عمران کی یہ چند آیتیں میں نے بطور نمونہ کے آپ کو سنا دی
ہیں۔ ورنہ اس مضمون کی سیکڑوں آیتیں صفحات قرآن میں ستاسوں کی طرح جگمگا رہی ہیں
اور یہ آیتیں ایمان والوں کے لئے ہدایت کا نور ہیں۔ اور ان سیاسی مولویوں کے لیے
بہت ہی بڑا تازیانہ عبرت ہیں۔ جو ہندو مسلم اتحاد کا کھوکھلا اور گمراہ کن نعرہ لگا کر خود بھی گمراہی
کے گہرے اور گندے گڈھے میں گرتے ہیں اور ہندوگان خدا کو بھی گمراہ کرتے رہتے ہیں۔
یہاں تک کہ ملے جلے تہوار مناتے مسلم وغیرہ مسلم کے درمیان شادیاں کرنے، مشترکہ
کوڈیل، وغیرہ نہ ہر لاپرواہی پر "قومی یکجہتی" یا "قومی دھارے میں بہنے" کی شکر چڑھا کر مسلمانوں
کی ایمانی روح کو فنا کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے اور یہ ملت فروش مولوی گونگے
شیطان کی طرح خاموش۔ بلکہ پورے جوش و خروش کے ساتھ کفایت کی ان گندی اور گھناؤنی
حرکتوں کے پردہ پوش بنے ہوئے ہیں۔ واللہ! کیا خوب کہا ہے شفیق جو پوری مروج
نے ان سیاسی اور کھدر دھاری مولویوں کے بارے میں ہے

عجب حال ہے امت کے نا خداؤں کا

خیال ہے وطنیت کے دیوتاؤں کا

لباس جسم پہ ہے ہاشمی عباؤں کا

دماغ پر ہے اثر مغربی ہواؤں کا

کبھی وطن، کبھی مزدور، یا کن کا غم

نہ فکر شام و فلسطین ہے، نہ یا و حرم

حضرات! یہ تو بہت پرانا طریقہ ہے کہ زہر پر شکر چڑھا کر، انہیں میٹھی گولیوں
لطیفہ! کے نام پر کھلا کھلا کر ہزاروں لاکھوں کا خون کر دیا جاتا ہے۔ اسی طرح خواب

اور گھٹیا چیزوں کو بہت ہی خوبصورت اور شاندار نام رکھ کر مارکیٹ میں فروخت کیا جاتا ہے
 آپ کبھی کسی عطار کے دوا خانے پر جا کر دواؤں کے ڈبوں پر نظر ڈالئے۔ آپ دیکھیں گے
 کہ ایک ڈبہ پر موٹے حروف میں ”حب السلاطین“ لکھا ہوا ہے۔ آپ دیکھتے ہی پھڑک
 جائیں گے کہ ”حب“ کے معنی ”دانہ“ اور سلاطین کے معنی بادشاہ آپ سوچیں گے کہ یہ
 شاید بادشاہوں کے تاج پر لگائے جانے والے ہیر جو اہرات کے دُر دانے ہوں گے
 مگر جب آپ ڈبہ کھول کر دیکھیں گے۔ تو اس میں ”جمال گوٹہ“ ہوگا۔ دیکھ لیا آپ نے؟
 ”جمال گوٹہ“ کا جیکبوں نے کتنا خوبصورت اور شاندار نام رکھ دیا ہے۔ حالانکہ یہ دوا
 نجینیت دوائی ہے کہ اگر چند دانے کسی کو کھلا دیجئے۔ تو ذات بھر میں اس کا ”بیت
 الخلا“ بیت الشیاطین بن جائے گا اور صبح ہوتے ہوتے اس کا بھی ایک دو تین
 ہو جائے گا!

اسی طرح کسی ڈبے پر لکھا ہوا ملے گا۔ ”فلوس خیار شنبہ“ یہ نام پڑھ کر آپ سوچنے
 لگیں گے کہ شاید یہ جنت کا کوئی پھل ہوگا۔ یا کم سے کم تمشک و عنبر کا سوتیلا بھائی
 ہوگا۔ مگر ڈبے میں سے نکالیں گے تو ”املتاس“ کا گودا نکلتے گا۔ جس کی صورت اتنی
 مکروہ کہ دیکھتے ہی متلی آنے لگے اور سیرت کا یہ حال کہ اگر کسی کو اس کا جو شانہ
 پلا دیا جائے تو اس کے چہرے کی چو حدی بدل جائے گی۔ اور منہ کا علیہ بگڑ جائے گا
 اور صبح ہوتے ہوتے وہی انجام ہوگا جو جمال گوٹہ کھانے والے کا ہوا کرتا ہے!
 اسی طرح کتب خانوں میں جا بیٹے تو ایک کتاب کے ٹائٹیل پر ”تقویتہ الایمان“
 نام لکھا ہوگا۔ آپ خوش ہو کر اس کو اٹھالیں گے کہ سبحان اللہ! اس کتاب سے ایمان
 میں قوت پیدا ہوگی۔ مگر چند سطریں پڑھنے کے بعد آپ کو پتہ چلے گا۔ کہ ارے یہ

”تَقْوِيَةُ الْإِيمَانِ“ نہیں ہے۔ بلکہ یہ تو ”تَقْوِيَةُ الْإِيمَانِ“ ہے یعنی اس کو پڑھتے ہی ایمان کی وفات ہو جائے گی!

مسلمانوں! بس یہی حال ہے اس زمانے میں ”قومی یکجہتی“ اور ”قومی دھارے“ کے خوشنماؤ۔ خوبصورت لفظوں کا کہ یہ مسلم قوم کے لئے ایک ستم قاتل اور زہر ہلاک ہے جس پر خوبصورت نام کی شکر چڑھا دی گئی ہے۔ تاکہ قرآنِ مَذاَن توحید کی حلقی سے اتار کر ان کے ایمان کا خون کر دیا جائے۔ اور درحقیقت یہ سیاسی مولوی ہی اس خوفناک سازش کے وہ آلہ کار ہیں۔ جن کے بل بوتے پر یہ مسلم کش اسکیمیں پروان چڑھ رہی ہیں۔

مسلمانو! ان ملت فروش مولویوں کی حرکتوں سے ہم مسلمانوں کو جو دُکھ پہنچے ہیں۔ ان کو اس کے سوا اور کس طرح بیان کروں کہ ہے

غم کے مارے جو مسکرائے ہیں آنسوؤں کو پسینے آئے ہیں۔

مہربانی، خلوص، ہمدردی ہم نے کیا کیا فریب کھائے ہیں

واسطہ جب پڑا ہے اپنوں سے غیر کیا کیا نہ یاد آئے ہیں۔

بہرکیف ہم کو ان ملت فروش علماء کی جمعیت سے کچھ کہنا نہیں ہے کیونکہ ہم ان لوگوں سے بایوس ہو چکے ہیں۔ مگر ہمیں تو توحید الہی کے پرستاروں اور مدنی تاجدار کے جاں نثاروں سے یہی کہنا ہے جو قرآن نے فرمایا کہ تم اپنے اور اللہ کے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ۔

مسلمانو! خدا کی قسم! تم مانویانہ مانور مگر یہ حقیقت آفتاب سے زیادہ روشن ہے کہ زمین پھٹ سکتی ہے۔ اور ایک دن پھٹ جائے گی۔ آسمان ٹوٹ سکتا ہے۔ اور ایک دن ٹوٹ جائے گا۔ چاند اور سورج کی روشنی ختم ہو سکتی ہے۔ اور ایک دن ختم ہو جائے گی۔ مگر احکم الحاکمین کا فرمان نہ کبھی بدلا ہے نہ بدل سکتا ہے۔ فَكُنْ تَجِدَ يُسْئِلُكَ اللَّهُ تَبْدِيلًا سَنَ لَوْ۔ خدا کا دستور ناقابلِ ترمیم ہے۔ اس میں رد و بدل ناممکن، اور کسی قسم کی تبدیلی محال ہے۔ ہمارے ہزاروں تجربے غلط ہو سکتے ہیں اور ہماری آنکھ کا معائنہ اور مشاہدہ فریب نظر ہو سکتا ہے۔ مگر عالم الغیب والشہادۃ

کافر مان کبھی ہرگز غلط نہیں ہو سکتا ہے

ہزار فلسفیوں کی چٹاں چٹیں نہیں بدلی،

خدا کی بات بدلتی نہ تھی، نہیں بدلی،

اس لئے اے میرے دینی و ایمانی بھائیو! تم ہر حال میں اپنے رب کے

فرمان اور تعلیم قرآن پر دل و جان سے قربان ہوتے رہو۔ اور رحمتِ عالم صلی اللہ

علیہ وسلم کے اسوہٴ حسنہ کو حزرِ جان بنائے رکھو کیونکہ ایک مسلمان کے لیے رحمتِ عالم

کی پیروی ہی جانِ ایمان ہے۔ اعلیٰ حضرت قبلہ بریلوی قدس سرہ فرماتے ہیں:

سرتا قدم اللہ کی اک شان ہیں یہ

ان سائیں انسان، وہ انسان ہیں یہ

قرآن تو ایمان بتاتا ہے انہیں،

ایمان یہ کہتا ہے، مری جان، میں یہ

شاعر مشرق ڈاکٹر اقبال نے بھی مسلمانوں کو اتباعِ رسول کا درس دیتے ہوئے

کیا خوب کہا ہے کہ ہے

بمصطفیٰ برسائے خویش را کہ دیں ہمہ دوست

اگر باو نہ رسیدی، تمام بولہبی است،

یعنی اے مسلمان! تو پیارے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کر کے ان کے

در بارِ قرب میں رسائی حاصل کر، اور ان کا غلام بن جا۔ کیونکہ ان کی ذاتِ اقدس ہی

کا نام دین ہے۔ اگر تو ان کے دربار کا غلام نہ بن سکا تو پھر تجھ میں اور بولہب میں

کوئی فرق نہیں رہ جائے گا!

برادرانِ ملت! قرآن کا فرمان آپ سن چکے کہ اللہ
مبین دوست، مبین دشمن اور مومنین کے دشمنوں کو دوست بنانا حرام ہے۔

مسلمانوں دوست اور دشمن کا ذکر آگیا تو آپ یہ بھی سن لو کہ دوست کون کون اور

کتنی قسم کے ہوتے ہیں؟ اور دشمن کون کون، اور کتنی طرح کے ہوتے ہیں؟ تو بزرگوں

نے فرمایا کہ دوست بھی تین ہیں۔ اور دشمن بھی تین ہیں۔ تین دوست کون کون ہیں؟ سنئے
 حَبِيبُكَ۔ وَحَبِيبُ حَبِيبِكَ
 ایک تیرا دوست دوسرا تیرے دوست
 کا دوست تیسرا تیرے دشمن کا دشمن۔

اور تین دشمن کون کون ہیں؟ سنئے!

عَدُوُّكَ۔ وَعَدُوُّ حَبِيبِكَ وَ
 حَبِيبُ عَدُوِّكَ۔
 ایک تیرا دشمن۔ دوسرا تیرے دوست کا دشمن
 تیسرا تیرے دشمن کا دوست!

بحان اللہ! کتنے تجربے کی اور کتنی انمول بات ہے۔ کہ ایک دوست تو وہ ہے کہ وہ
 خود تم سے محبت رکھتا ہے۔ اور ایک دوست وہ ہے جو اگرچہ تم سے تو محبت
 نہیں رکھتا۔ مگر تمہارے کسی دوست سے محبت رکھتا ہے تو تم اپنے دوست کے
 دوست کو بھی اپنا دوست ہی سمجھو۔ اور ایک دوست وہ بھی ہے کہ وہ نہ تم سے محبت
 رکھتا ہے۔ نہ تمہارے کسی دوست سے محبت رکھتا ہے۔ مگر وہ تمہارے کسی دشمن کا
 دشمن ہے۔ تو وہ یقیناً اپنے دشمن کو شکست دینے کے لیے تمہاری طرف دوستی کا ہاتھ
 بڑھائے گا۔ تو تم اس کو بھی اپنا دوست ہی سمجھو! اسی طرح تمہارا ایک دشمن تو وہ ہے۔
 جو خود تم سے دشمنی رکھتا ہے۔ اور ایک دشمن تو وہ بھی ہے جو اگرچہ تم سے تو دشمنی نہیں
 رکھتا۔ مگر تمہارے کسی دوست سے دشمنی رکھتا ہے۔ تو تم اس کو بھی اپنا دشمن ہی سمجھو
 اور ایک دشمن وہ ہے جو نہ تم سے دشمنی رکھتا ہے۔ نہ تمہارے کسی دوست کا دشمن ہے
 مگر وہ تمہارے دشمن کا دوست ہے۔ تو تم اس کو بھی اپنا دشمن ہی سمجھو!

حضرات گرامی! اب جب کہ آپ نے دوست اور دشمن کی قسموں کو جان لیا۔ تو اب
 فیصلہ کیجیے کہ کفار آپ کے دوست ہیں یا دشمن؟ اہی۔ یہ تو ایسے دشمن ہیں کہ یہ تمہارا
 تینوں قسم کے دشمن ہیں۔ آپ بار بار سن چکے کہ قرآن میں خداوند قدوس کا فرمان ہے
 کہ۔ عَدُوِّ عَدُوِّكَ یعنی کفار تمہارے دشمن ہیں۔ اور تمہارے
 دوست اللہ کے بھی دشمن ہیں۔ اور تمہارے تمام دشمنوں یعنی یہود و نصاریٰ وغیرہ کے
 بھی یہ دوست ہیں۔ لہذا یہ تمہارے دشمن بھی ہوئے اور تمہارے دوست کے دشمن بھی ہوئے۔

اور تمہارے دشمن کے بھی دوست ہوئے۔
حضرات گرامی! اب جب کہ یہ ثابت ہو گیا کہ کفار و مشرکین تمہارے دشمن ہیں۔ تو اب جو لوگ
ان سے محبت رکھیں۔ وہ تمہارے دشمن کے دوست ہیں۔ اور تم سن
چکے کہ دشمن کا دوست بھی دشمن ہی ہوتا ہے۔ تو پتہ چلا کہ کفار و مشرکین سے دوستی اور محبت
کرنے والے، خواہ وہ کسی صورت میں ہوں، کسی لباس میں ہوں خواہ وہ اپنا کچھ بھی نام رکھیں
اور کتنا بھی اپنی مسلم دوستی کا ڈھنڈورہ پیٹیں۔ مگر خدا کی قسم وہ یقیناً مسلمانوں کے دشمن ہی
ہیں۔ لہذا مسلمانوں کو لازم ہے کہ فرمان الہی لا تتخذوا عدوی وعدوکم اولیاء
پر عمل کرتے ہوئے ان دشمنوں کو بھی ہرگز ہرگز اپنا دوست نہ بنائیں۔ بلکہ یہ سمجھ کر کہ یہ مسلمانوں
کی صورتوں میں مسلمانوں کے قونی بدن کے شرے ہوئے اعضاء ہیں ان کو اپنے سے الگ تھلگ
رکھ کر اپنے قونی بدن کو سڑ جاتے اور برباد ہونے سے بچائیں۔

حضرات گرامی! میرا خیال ہے کہ شاید آپ میری اس تقریر
موالات و معاملات سے اپنے دل میں ایک بہت بڑا خلیجان اور اضطراب
محسوس کرتے ہوں گے۔ اگر ہم امڈ اور رسول کے دشمنوں سے بالکل الگ تھلگ
رہ کر زندگی بسر کریں گے۔ تو ہماری معاشی اور سماجی زندگی بالکل تباہ و برباد ہو جائے گی
۔۔۔ کیونکہ نہ ہم تجارت کر سکیں گے۔ نہ کوئی صنعتی کارخانہ قائم کر سکیں گے۔ نہ کوئی
محنت و مزدوری کر سکیں گے۔ نہ رفاہ عامہ کا کوئی کام ہو سکے گا۔ کیونکہ ملک بھر کے افراد
کا تعاون حاصل کئے بغیر کسی طرح ہماری ملکی اور شہری زندگی برقرار نہیں رہ سکتی۔ اس لئے
ہم کس طرح کفار و مشرکین وغیرہ سے بالکل کنارہ کش ہو کر زندہ رہ سکیں گے؟

تو بیداران ملت! خوب اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ دین اسلام انسانوں کی زندگی کو
تباہ کرنے کے لئے نہیں آیا ہے۔ بلکہ دین اسلام تو انسانی زندگی کو سنوارنے، اور اس
کو معراج ترقی پر پہنچانے کے لئے عالم وجود میں آیا ہے۔ اس لئے ہرگز ہرگز قرآنی تعلیم
کو کسی شک و شبہ کی نظر سے نہ دیکھئے۔ بلکہ انتہائی ماضی و ماضی، اور نگاہ بصیرت کے
ساتھ قرآن کے الفاظ پر نظر رکھئے اور غور فرمائیے کہ قرآن نے لا تتخذوا عدوی
وعدوکم اولیاء۔ فرمایا ہے۔ یعنی کفار سے دوستی کو حرام ٹھہرایا ہے کفار کے

ساتھ خرید و فروخت، لین دین، ایک ساتھ اٹھنے بیٹھنے، اور دنیاوی معاملات کو حرام نہیں قرار دیا ہے۔

عزیزانِ گرامی! خوب اچھی طرح سمجھ لیجئے۔ اور ذہن نشین کر لیجئے کہ ایک ہے۔
 ”موالاة“ (دوستی) اور ایک ہے ”معاملات“ (لین دین) ”موالاة“ اور چیز ہے۔ اور
 معاملات ”اور چیز“ قرآن کا فرمان یہ ہے کہ دشمنانِ اسلام کے ساتھ موالاة اور دوستی
 ناجائز و حرام ہے۔ معاملات یعنی خرید و فروخت لین دین حرام نہیں ہے۔ یاد رکھئے کہ
 معاملات کے لئے نہ موالاة ضروری ہے نہ موالاة کے لئے معاملات ضروری ہیں۔ ہو سکتا
 ہے کہ ایک شخص سے آپ ہزاروں معاملات عمر بھر کرتے رہیں۔ مگر ذرا بھی اس سے
 آپ کی دوستی اور محبت نہ ہو۔ اسی طرح ہو سکتا ہے کہ ایک شخص سے آپ کی دوستی اور محبت
 ہو۔ مگر آپ اس سے کوئی بھی لین دین کا معاملہ نہ کریں۔

قرآن دشمنانِ ایمان کے ساتھ معاملات کرتے کو منع نہیں کرتا۔ آپ ان لوگوں کے
 ساتھ معاملات کر سکتے ہیں۔ قرآن ان لوگوں کے ساتھ دوستی کو منع کرتا ہے کہ خبردار
 خبردار! ان لوگوں کو اپنا دوست بنا کر ان کو اپنا قومی اور مذہبی رازدار نہ بنائیں۔ اور اپنے
 دینی و قومی مسائل میں ان لوگوں پر اعتماد نہ کریں۔ بلکہ ہمیشہ ان لوگوں سے ہوشیار رہیں
 اور ان لوگوں سے محبت کر کے ان کے کفری شعار کو ہرگز ہرگز کبھی اختیار نہ کریں بلکہ اپنے
 اسلامی عقائد پر پیاروں کی طرح مستقیم اور برقرار رہیں اور کفار و مشرکین کے ساتھ بقدر ضرورت
 ہی تعلقات اور میل جول رکھیں۔

برادرانِ اسلام! کون نہیں جانتا کہ ”سنڈاس“ بہت ہی خراب جگہ ہے۔ ہرگز ہرگز
 وہ انسان کے رہنے کی جگہ نہیں ہے۔ مگر بوقتِ ضرورت وہاں ہر انسان کو جانا ہی پڑتا
 ہے۔ مگر دشمنی کا تقاضا یہی ہے کہ ”سنڈاس“ میں اتنی ہی دیر ٹھہریئے۔ جتنی
 دیر تک وہاں ٹھہرنے کی ضرورت ہے۔ اگر آپ سنڈاس میں پلنگ بچھا کر دن رات
 پڑے رہیں تو جھلا اس کو حماقت کے سوا اور کیا کہا جاسکتا ہے؟ اسی طرح دشمنانِ اسلام
 سے اپنی دنیاوی اور معاشی ضرورتوں کے لیے بس اتنا ہی ربط و ضبط اور تعلق رکھئے
 جس سے آپ کی ضرورتیں پوری ہو جائیں۔ اگر آپ نے ضرورت سے زیادہ میل جول رکھا

اور ان کو اپنے دل میں بٹھا کر یا خود ان کے دل میں بیٹھ کر ان کو اپنا دلی دوست،
 اور اپنا قومی و ملی راز دار بنالیا۔ اور اپنا سارا قومی و ملی راز ان کو بتا دیا۔ یا اتنی گہری دوستی
 کر لی کہ ان کے دینی شعاروں اور کفر و شرک کے کاموں سے آپ متنفر نہ رہے۔ بلکہ ان
 کے مہنواہن گئے۔ تو پھر سمجھ لیجئے کہ یقیناً آپ تعلیم اسلام کے مستحکم جہاز کو جس پر آپ سوار
 ہیں۔ ایسا خطرناک تار پٹو مار رہے ہیں جس کا انجام آپ کی قومی و ملی ہلاکت و بربادی کے سوا
 کچھ بھی نہیں ہو سکتا۔ اور انتہائی خطرہ ہے کہ کفار کی ایسی دوستی اور محبت آپ کو کفر کے غار میں
 گرا دے گی اور آپ کی دولت ایمان غارت و برباد ہو جائے گی۔ لہذا آپ کے ملی وجود
 کی خیریت، اور آپ کے ایمان و اسلام کی سلامتی اسی میں ہے کہ فاسد کو صالح سے
 بد کو نیک سے، بُرے کو اچھے سے دور ہی رہنے دیجئے۔ اور قرآن کی اس مقدس آیت
 کو اپنی زندگی کا نصب العین بنا لیجئے کہ اشد اور مومنین کے دشمنوں یعنی کفار و مشرکین، منافقین
 و مرتدین، یہود و نصاریٰ غرض تمام دشمنان دین سے دوستی اور محبت کا رشتہ نہ جوڑیے۔
 اور ان لوگوں کو اپنا دوست نہ بنائیے بہر کیف میں سمجھتا ہوں کہ ایک حد تک میں نے
 سورہ ممتحنہ کی ابتدائی آیتوں کا مطلب آپ کے سامنے واضح طور پر بیان کر دیا ہے۔
 اس کے بعد اب اس کے سوا میں آپ سے اور کیا کہہ سکتا ہوں کہ۔

من انچہ شرط بلاغ است باتونی گویم

تو خواہ از سخنم پند گیر و خواہ ملال

ہاں آپ کے لیے یہ دعا کرتا ہوں کہ خداوند کریم سب کو قبول حق کی توفیق بخشے اور صدق

دل سے بارگاہ الہی میں اپنی یہ عرضی پیش کرتا ہوں کہ

حریم کبریٰ سے آشنا کر

دلوں کو مرکز مہر و وفا کر

اُسے بازوئے جہد بھی عطا کر

جسے نان حویں بخشی ہے تو نے

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد و آلہ و اصحابہ اجمعین



سینتیسوال و عظم

مناہین بے نقاب

ہو اگر نیت بُری اچھے عمل بے کار ہیں !

جاگتا ہے دُرو بھی مثل نگہاں رات بھر



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

اَمَّا بَعْدُ فَقَدْ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی فِیْ کِتَابِہِ الْعَظِیْمِ وَخَطَابِہِ الْقَدِیْمِ

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مَا کَانَ اللّٰہُ لَیْذَرَ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلٰی مَا اَنْتُمْ عَلَیْہِ حَتّٰی

یَبْیِّنَ الْغَیْبِیَّاتِ مِنَ الطَّیِّبِ وَمَا کَانَ اللّٰہُ لَیْطْلِعْکُمْ عَلٰی

الْغَیْبِ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ یَجْتَبِیْ مِنْ رُّسُلِہِ مَنْ یَّشَآءُ مِنْہُمْ فَاٰمِنُوْا

بِاللّٰہِ وَرُسُلِہِ ۚ وَاِنْ تُوْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَلَکُمْ اَجْرٌ عَظِیْمٌ ۝

(آل عمران)

براہِ اَن مَّتّٰتِ اِکْ اِکْ بَارِہٖ اَوَازِ بَلَدِ دُرُو شَرِیْفِ پڑھ لیجئے ۔

اللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰی سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِهِ وَاصْحَابِهِ
قَدْرَ حُسْنِهِ وَجَمَالِهِ -

الصُّبْحُ بِذِي طُلُعَتِهِ وَاللَّيْلُ بِذِي وَفَرَّتِهَا
فَمُحَمَّدٌ نَا هُوَ سَيِّدُنَا وَالْعِزُّ لَنَا مِنْ طَاعَتِهِ
نور جن کالے پیشانی میں آدم آئے آج دنیا میں وہی نور مجسم آئے
آمنہ کیوں نہ بھلا فخر کریں قسمت پر ان کی آغوش میں جب فخر دو عالم آئے

حضرات گرامی! آپ نے دیکھا ہوگا کہ شہد کی مکھیاں ہزاروں کی تعداد میں اپنے چھتے کے
اندر انتہائی سکون و اطمینان کے ساتھ اپنے کام دھندھے میں لگی رہتی ہیں کچھ شہد بنانے
میں، کچھ چھتے کی تعمیر میں، کچھ انڈوں بچوں کی نگہداشت میں مصروف رہتی ہیں لیکن اگر کوئی
انسان ان کے چھتے کو اک ذرا ہاتھ لگا دے تو پھر مت بلوچھے کہ ان سکون و وقار کے
مجموں کے جوش و خروش، اور ان کے غیظ و غضب کا کیا عالم ہوتا ہے؟ ایک دم ان
مکھیوں کا جم غفیر ایک بھرے ہوئے شکر کی صورت میں مہینھناٹا ہوا چھتے سے نکل
پڑتا ہے۔ اور اس انسان پر اس طرح حملہ آور ہو جاتا ہے کہ جذبہ انتقام میں اپنے
نفع و نقصان، بلکہ اپنی جان کی پروا نہیں کرتا!

حضرات! بس بالکل ٹھیک یہی حال مکہ مکرمہ بلکہ پورے جزیرۃ العرب کا ہوا
یہاں کی پوری آبادی نہایت پر سکون ماحول میں اپنی تلاش معاش میں مصروف اور اپنے
کاروبار میں مشغول تھی۔ نہ عقائد میں کوئی اختلاف تھا۔ نہ طریقہ عبادت میں کوئی تھگڑا تھا
کہ ایک دم بالکل ناگہاں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور ہوا۔ ایک دن جبل حراء کے
غار سے حضور احمد مختار صلی اللہ علیہ وسلم اپنے پروردگار کی نازل کی ہوئی چند آیات
لے کر تشریف لائے۔ اور خدا کے گھر میں خدا کے اس کلمۃ الحق کا اعلان فرمایا کہ لا الہ
الا اللہ محمد رسول اللہ بس اس کلمۃ الحق کا اعلان کرنا تھا کہ ایک دم مکہ کے امن و
سکون کی دنیا میں ایک بھونچال آگیا۔ اور اس ریگستان کے خشک سمندر میں ایسا ہولناک
طوفان برپا ہو گیا کہ بحر عرب کی موجوں کا نظام درہم برہم ہو گیا۔ ہر متنفس کے سینے

میں آتش غیظ و غضب کا ایک تنور بھڑک اٹھا۔ اور ہر شخص ہوش و خروش میں پارے کی طرح بے قرار پھرنے لگا۔ غرض نبی برحق کے خلاف مخالفتوں کا ایسا طومار کھڑا ہو گیا اور ایسی ہلچل مچ گئی کہ مکہ کی زمین دہل گئی اور حرم الہی کا سکون غارت ہو گیا۔ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ محمد رسول اللہ کے نعرہ حق سے ایک ایسی فضا پیدا ہو گئی کہ جس کے بارے میں اس کے سوا اور کیا کہا جاسکتا ہے کہ

وہ بجلی کا کڑکا تھا یا صوت ہادی

عرب کی زمین جس نے ساری ہادی

برادران ملت! حضور نبی برحق کے خلاف سارا مکہ صف آرا ہو کر نکل پڑا اور

ہر طرف بھی شور و غل مچا ہوا تھا کہ۔

أَجْعَلُ إِلَٰهَةً إِلَٰهًا وَاحِدًا
یعنی کیا محمد بن عبد اللہ نے تمام معبودوں کی جگہ ایک معبود
انَّ هَذَا الشَّيْءُ عَجَابٌ ۝
ٹھہرا دیا یقیناً یہ بہت ہی عجیب بات ہے۔

ہر جگہ یہی شور برپا تھا کہ اے عرب والو!

غضب ہو گیا۔ اٹھو۔ دوڑو۔ دیر مت کرو۔ دیکھو عبد اللہ کے بیٹے محمد نے ہمارے تمام خداؤں کو ان کے انٹ گھنٹ کے ساتھ ملک بدر کر کے، بلکہ صفحہ ہستی سے مٹا کر ایک خدا ئے واحد کی خدائی کا اعلان کر دیا۔ لہذا اے عرب والو! اپنے دیوتاؤں کی مدد اور اپنے خداؤں کی امداد کے لئے تن من و جان کی بازی لگا دو۔ اور جس قیمت پر بھی ممکن ہو عبد اللہ کے بیٹے کی آواز حق کو دبا دو۔ اور اس کلمۃ الحق کے پرچم کی دھجیاں فضائے آسمانی میں بجھیر دو۔ تاکہ مکہ کی فضاؤں میں اس صوت سرمدی کا نام و نشان بھی باقی نہ رہ جائے!

چنانچہ نور ایمان کے چراغ کو بجھانے
ایمان کے خلاف شیطانی پلان اور دین برحق کے نام و نشان کو مٹانے

کے لیے مکہ والے طرح طرح کے شیطانی پلان بنانے لگے۔ کفر و شرک کے بڑے بڑے گروہوں نے سب سے پہلے یہ اسکیم بنائی کہ رسول برحق کے خلاف قسم قسم کے

پروپاگنڈوں کا ایسا زور باندھ دو کہ لوگ ان سے بدظن ہو کر ان کی کسی بات پر دھیان ہی نہ دیں۔ چنانچہ ایک دم مکہ والوں نے یہ پروپاگنڈہ شروع کر دیا۔ کہ عبداللہ کے فرزند پاگل اور دیوانے ہو گئے ہیں۔ خود آپ کا حقیقی چچا ابولہب آپ کے پیچھے مکہ کی گلیوں میں یہ اعلان کرتا پھرتا تھا۔ کہ خبردار! کوئی ان کی کسی بات پر توجہ نہ کرے۔ یہ ہمارے دیوتاؤں کی جھپٹ میں آگئے ہیں۔ اور پاگل ہو گئے ہیں۔ ظالموں نے مکہ کے کوچہ و بازار میں شریر لڑکوں کا غول آپ کے پیچھے لگا دیا جو آپ کے جسم نازک پر پتھراؤ کرتے تھے۔ اور یہ دیوانے ہیں۔ یہ پاگل ہیں کا شور مچا کرتے تھے۔ کسی طرف سے یہ پروپاگنڈہ ہونے لگا کہ یہ جادوگر ہیں۔ کچھ یہ کہتے پھرتے تھے کہ یہ کاہن، میں غرض آپ کی ذات مقدسہ پر قسم قسم کی کذب و بہتان کے طوفان اٹھائے گئے!

مگر براہِ راست! رسولِ برحق علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کلمۃ الحق کا نعرہ کوئی انسانی آواز نہیں تھی۔ جو چند غنڈوں کے شور و غوغا کے دنگوں سے دب جاتی۔ یہ تو نعرہ حق کی صوتِ سرمدی تھی۔ یا تجلی حقانیت کی ایک بجلی تھی جس کی آواز پر زمین و آسمان کا ذرہ ذرہ گوش بر آواز تھا۔ جس انسان کے کان میں اس نعرہ حق کی گونج پہنچتی اُسکے دل و دماغ کا گوشہ گوشہ اس کی تاثیر سے مطلع انوار ہو جاتا اور وہ اس دعوتِ حق پر لبیک کہتا ہوا شمعِ نبوت کا پروانہ بن جاتا تھا۔ آج ابوبکر صدیق، خدیجۃ الکبریٰ، علی مرتضیٰ، زید بن حارثہ مسلمان ہوئے۔ تو کل عثمان غنی، حمزہ، زبیر، سعد، سعید دامنِ اسلام میں آگئے۔ تو پر سول عمار بن یاسر، صہیب رومی اور بلال، آسمانِ اسلام میں بدر ہلال بن کر چلے۔ چند دن گزرے تھے کہ عہ

مشہور تر زمانے میں ہیبتِ عمر کی تھی

ان پر بھی دم میں چھا گئی ہیبتِ رسول کی

کل تک تو یہ عمر بن خطاب نیکی تلوار لے کر رسولِ برحق کا سر کاٹنے کے لیے

مکہ کی گلیوں میں چکر لگایا کرتے تھے۔ مگر آج رسولِ رحمت کے مقدس قدموں

پر اپنا سر کٹانے کے لیے بے قرار دوڑتے پھرتے نظر آنے لگے۔

(رضی اللہ عن جمیع الصحابۃ اجمعین)

حضرات! اہل مکہ نے جو یہ منظر دیکھا۔ تو ان کے ہوش اڑ گئے۔ اور انہوں نے اپنی سعی لا حاصل پر کفِ افسوس ملتے ہوئے اپنے "دار الندودہ" میں ایک زبردست میٹنگ بلائی۔ اور سب نے سر جوڑ کر پوری دماغ سوزی کے ساتھ یہ فیصلہ کیا کہ ہمارے اب تک کے تمام پروپاگنڈوں کا جال تو بکھر چکا۔ اور نبی برحق کو بدنام کرنے کی ہماری ساری کوششیں رائیگاں، اور تمام وسیعہ کاریاں ناکام ہو گئیں۔ لہذا اب یہ پروگرام بناؤ کہ قرآن کی آواز ہی کسی کے کان میں نہ پڑنے پائے۔ اور جب بھی، اور جہاں کہیں بھی پیغمبر خدا قرآن کی تلاوت فرمائیں۔ تو راستے روک لو۔ اور کسی کو ان کے پاس جانے ہی نہ دو۔ اور تالی پیٹ پیٹ کر، اور سیٹیاں بجا بجا کر اس قدر شور و غل مچاؤ کہ قرآن کی تلاوت کوئی سنتے ہی نہ پائے۔ چنانچہ قرآن مجید میں رب العزت جل جلالہ نے کفار مکہ کی اس سکیم کا پردہ فاش کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ:-

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَا تَسْمَعُوا
لِهَذَا الْقُرْآنِ وَالْغَوْا فِيهِ لَعَلَّكُمْ
تَغْلِبُونَ ۝
(ختم السجدۃ)

یعنی کفار کے لوگوں سے یہ کہا کہ اس قرآن کو سنو ہی مت۔ اور خوب شور و غوغا مچاؤ۔ امید ہے کہ اس ترکیب سے تم غالب آ جاؤ گے۔

چنانچہ مکہ والوں نے انتہائی کوشش کر ڈالی کہ قرآن کی آواز کسی کان میں نہ پڑے مگر خدا کی شان کہ ہے

کہیں پھونکوں سے بھتی ہے تجلی نور ایمان کی
ہوارو کے تو کشتی تیز چلتی ہے مسلمان کی

کفار مکہ کی کوششوں کے بڑے بڑے مضبوط قلعے تاثیر اسلام کی آندھیوں کے سامنے مکڑیوں کے جالے سے بھی زیادہ کمزور ثابت ہوئے اور دین برحق کے متلاشی کسی نہ کسی طرح ہزاروں رکاوٹوں کے پہاڑوں سے بھی ٹکراتے ہوئے قرآن سنتے ہی اور مسلمان ہوتے ہی رہے اور مسلمان زبان حال سے کہتے رہے کہ ہے

نکالی سیکڑوں نہریں کربانی کچھ تو کم ہو گا۔

مگر پھر بھی مرے دریا کی طغیانی نہیں جاتی،

برادرانِ ملت! جب کفار مکہ کی یہ ساری تدبیریں ناکام ہو گئیں۔ تو وہ اپنی مسلسل

ناکامیوں سے چراغِ پا ہو کر آگ بگولہ ہو گئے۔ اور ظالموں نے خدا کے محبوب پر انتہائی

بے دردی کے ساتھ ایذا رسانیوں کا کوہِ ستم توڑنا شروع کر دیا۔ جسمِ اطہر پر پتھروں

کی بارش کی راستوں میں کانٹے بچھائے۔ بائیکاٹ کیا یہاں تک کہ عرشِ الہی کا

ہمانِ شعب ابی طالب کی تنگ گھاٹی میں محصور کر دیا گیا۔ اور آپ کے متبعین کو اتنا

نتایا گیا کہ کسی پرکوڑوں کی بارش کی گئی کسی کو آگ کے جلتے ہوئے کوٹوں پر لٹایا گیا

کسی کو چٹائی میں لپیٹ کر ناک میں دھواں پہنچایا گیا کسی کے شکم یا پشت میں نیزہ مار کر

شہید کر دیا گیا۔ غرض ظلم و ستم کے ایسے ایسے طوفان اٹھائے گئے۔ کہ بحیرہ عرب

کے تلام کو سکتہ آگیا۔ اور سرزمینِ حجاز کا ذرہ ذرہ بلبلا اٹھا۔ حد ہو گئی کہ رحمتِ عالم

کے قتلِ ناحق کا بزولانہ منصوبہ بتایا گیا حتیٰ کہ رحمتِ للعالمین نے اپنے محبوب و وطنِ مکہ

کی سرزمین کو خیر باد کہہ کر ہجرت فرمائی۔ اور وطن سے سیکڑوں میل دور مدینہ جا کر سکونت

فرمائی۔ مگر مکہ کے درندہ صفت خونخواروں کو اب بھی رحمتِ عالم پر رحم نہیں آیا۔ بلکہ

مدینہ پر بڑے بڑے فوجی حملے کئے۔ ۱۲ھ میں جنگِ بدر کا معرکہ ہوا۔ ۱۳ھ میں

جنگِ احد کی خون آشام لڑائی ہوئی۔ یہاں تک کہ ۱۵ھ میں مکہ والوں نے مختلف

قبائل کے بائیس ہزار لشکرِ جوار کو ساتھ لے کر شہرِ مدینہ پر تین طرف سے اتنے زور کا

حملہ کیا کہ مدینہ کی زمین دہل گئی۔ اور سرورِ عالم نے صحابہ کے ساتھ خندق کھود کر شہر۔

مدینہ کی حفاظت کا انتظام فرمایا۔ ان کے علاوہ بہت سی چھوٹی بڑی لڑائیاں ہوئیں۔ مگر

کفارِ مکہ کا ہر ایک منصوبہ ناکام ہی ہوتا رہا۔ اور ہمیشہ دینِ برحق کا بول بالا، اور کفار

کا منہ کالا ہی ہوتا رہا!

حضراتِ گرامی! جب کفارِ مکہ اپنی سازشوں اور دھیسے کاریوں

کفار کا آخری حربہ | سے مایوس ہو چکے تو ان لوگوں نے یہ خطرناک پلان بنا لیا

کہ اسلام اور مسلمانوں کو مٹانے کے لئے پانچواں کالم بناؤ۔ یعنی کچھ ایسے لوگوں کو منتخب کرو۔ جو مسلمانوں کی صورتوں میں ہوں۔ جو مسلمانوں کی طرح نماز و روزہ اور حج و زکوٰۃ کے پابند ہوں۔ جو اسلام کا لبادہ اوڑھ کر مسلمانوں میں ملے جلے رہیں۔ اور اندرونی طور پر اسلام کی جڑوں کو کھوکھلی کرتے رہیں۔ اور مسلمانوں میں مل جل کر کفر کا مشن چلاتے رہیں۔ چنانچہ پانچواں کالم تیار ہوا اور کفار مکہ اور یہودیوں کی سازش سے ایک ایسا گروہ بن گیا۔ جو بظاہر تو مسلمان تھے۔ اور اپنی زبانوں سے مسلمان ہونے کا اعلان کرتے تھے۔ مگر ان کے دلوں میں کفر کی خیانت بھری ہوئی تھی۔ اور ان کے دل و دماغ کے گوشے گوشے میں اسلام کی عدوت کا ایسا زہر پھیل رہا تھا۔ کہ یہ لوگ دن رات اسلام کی بیخ کنی، اور رسول کی مخالفت میں سرگرم رہتے تھے۔ اور اسلام کی ترقی اور رسولِ حق کی عظمتوں کے بلند میناروں کو دیکھ دیکھ کر بغض و عناد، اور حسد و فساد کی آگ میں جلتے رہتے تھے۔ یہ لوگ ایک طرف تو کفار سے انتہائی گہرا تعلق، اور دالہانہ محبت رکھتے تھے۔ اور دوسری طرف مسلمانوں کے سامنے دن رات اپنے مسلمان ہونے کا ڈھنڈورہ پیٹتے رہتے تھے۔ براہِ درانِ ملت! کفار کا یہ پانچواں کالم وہی خطرناک گروہ ہے جس کو قرآن و حدیث میں "منافقین" کہا گیا ہے۔ یہ لوگ مکر و فریب، اور وسیع کاریوں کے فن میں ایسے چار سو بیس تھے۔ کہ ان کی تدلیس و تبلیس پر ابلیس کو بھی پسینہ آ جاتا تھا۔ چنانچہ قرآن مجید میں حضرت حق جل جلالہ نے ارشاد فرمایا کہ۔

يُخَيِّعُونَ اللَّهَ وَالْكَافِرِينَ
 اٰمَنُوا جَ وَمَا يَخْدَعُونَ اِلَّا
 اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُونَ
 یہ لوگ اللہ تعالیٰ اور مومنین کو دھوکہ
 دیا جاتے ہیں۔ اور حقیقت میں یہ لوگ
 خود اپنے آپ کو فریب دے رہے ہیں
 مگر انہیں اس کا شعور نہیں! (بقرہ)

اور مسلمانو! لطف تو یہ ہے کہ یہ لوگ اپنی دُورخی پالیسی، اور منافقانہ چالوں پر مارے خوشی کے بغلیں بجایا کرتے تھے۔ اور دونوں ہاتھوں میں لٹور رکھتے تھے۔ قرآن کریم گواہ ہے کہ۔

وَإِذَا الْقُرْآنُ يُقْرَأُ فَاسْمِعُوا
سَمْعَكُمْ وَارْكَعُوا
رُكُوعًا وَسَجْدُوا
سَجْدَةً ۚ وَارْكَعُوا
وَسَبِّحُوا بِحَمْدِ رَبِّكُمْ
حِينَ قُمْتُمْ ۚ وَارْكَعُوا
وَسَبِّحُوا لَهُ حِينَ تَقُومُونَ
وَبِمَا رَحْمَةٍ هِيَ مِنْكُمْ
رَبُّكُمْ ۚ إِنَّكُمْ لَعِندَ رَبِّكُمْ
كَانُونَ ۝

(بقرہ)

یعنی جب یہ لوگ ایمان والوں سے ملتے
تھے تو یہ کہتے تھے کہ ہم تو مومن ہیں، اور
جب اپنے شیطانوں کے پاس اکیلے ہوتے
ہیں تو یہ کہتے ہیں کہ ہم تو تمہارے ساتھ
ہیں۔ ہم تو یوں ہی ہنسی کرتے ہیں۔ اور۔
مسلمانوں سے مذاق کرتے رہتے ہیں !

غرض یہ منافقین بظاہر بڑے نمازی، روزہ دار، اور حج و زکوٰۃ کے پابند یہاں
تک کہ جہاد بھی کرتے تھے مگر باطن میں یہ لوگ بکے کافر تھے۔ اور اسلام و بانی اسلام
صلی اللہ علیہ وسلم کے بدترین دشمن تھے۔ چنانچہ ہر موقع پر یہ لوگ اسلام کو مٹانے
اور رسول برحق کے وقار و اعتبار کے پرچم رفعت کو سرنگوں کرنے کی کوششوں میں لگے
رہتے تھے۔ اور اپنی قریب کاریوں سے امتار پھیلاتے رہتے تھے۔ ایک طرف تو یہ۔
لوگ اپنے ایمان و اسلام کا دعویٰ کر کے مسلمانوں کے ساتھ ملے جلے رہتے۔ اور مالِ
غنیمت میں حصہ لیا کرتے تھے۔ اور دوسری طرف کافروں کے جاسوس بن کر کفار سے
بھی رقبیں اور تحالف وصول کیا کرتے تھے۔ غرض دونوں ہاتھوں میں لڈو رکھتے تھے۔
اور بیکد خوش و خرم رہتے تھے۔ اور ایک مدت تک اپنی اس منافقانہ روش سے
خوب خوب فائدہ اٹھاتے رہے۔

مگر جب ان لوگوں کی شرارتوں کی انتہا ہو گئی۔ اور پاپ کا گھڑا بھر چکا۔ تو پھر تہدید
خداوندی نے ان ظالموں کو لٹکایا۔ اور یہ آیت کریمہ نازل ہوئی جو میں نے خطبہ کے بعد
آپ لوگوں کے سامنے تلاوت کی ہے !
حضرات ! اب آپ انتہائی توجہ کے ساتھ اس مقدس آیت کا ترجمہ سماعت فرمائیں
ارشاد خداوندی ہے کہ۔

مَا كَانَ اللَّهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِينَ
عَلَىٰ مَا أَنتُمْ عَلَيْهِ حَتَّىٰ يَمِيزَ
بَيْنَ الْغَالِبِ وَالْمَغْلُوبِ ۚ
بَعْنِ اللّٰہ تعالیٰ مسلمانوں کو اس حال
پر چھوڑنے کا نہیں جس پر تم ہو۔ جب تک

الْغَيْبِ مِنَ الطَّيِّبِ وَ
وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُظْلِعَكُمْ
عَلَى الْغَيْبِ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَجْتَبِي
مَنْ يَرْسُلُ مِنْ يَشَاءُ

گندے کو ستھرے سے جدا نہ کر دے
اور اللہ کی یہ شان نہیں کہ اسے عام
لوگو! تمہیں غیب کا علم دیدے۔ ہاں اللہ
جہن لیتا ہے اپنے رسولوں میں سے جسے
چاہے۔

فَامِنُوا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهِ
وَإِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَأَعْلَوْنَا فَعَلَكُمْ
أَجْرٌ عَظِيمٌ (آل عمران)

چاہے۔
تو تم لوگ اللہ اور اس کے رسولوں پر
ایمان لاؤ اور پہنچاؤ گاری کرو تو تمہارے
لیے بڑا ثواب ہے۔

منافقتیں بے نقاب!

یہاں تک کہ رب العزت جل جلالہ نے
وَمِنْ حَزْكَوْمِنَ الْأَعْرَابِ
مُنْفِقُونَ ط وَ مِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ تَف
مَرَدُّوْا عَلَی النِّفَاقِ تَف لَا تَعْلَمُهُمْ
نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ط سَنُعَذِّبُهُمْ
مَرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّوْنَ إِلَى عَذَابِ
عَظِيْمٍ ۝

۴
 ۵ تو بہ کی یہ آیت نازل فرمائی کہ
 یعنی تمہارے آس پاس کے کچھ گنوار
 منافقین ہیں۔ اور کچھ مدینہ والے نفاق کے
 خوگر ہو گئے ہیں۔ اے محبوب! آپ ابھی
 تک ان کو نہیں جانتے تھے۔ ہم انہیں جانتے
 ہیں۔ جلد ہم انہیں دو مرتبہ عذاب دیں گے
 ۔ پھر وہ بڑے عذاب کی طرف لوٹائے
 جائیں گے!

حضرات! اس آیت کے نزول کے بعد بالکل ہی ان منافقوں کا پول کھل گیا۔
خداوند عالم نے ان ظالموں کو تین عذاب کی وعید فرمائی۔ دو عذاب تو دنیا میں اور ایک
بہت بڑا عذاب آخرت میں۔ پہلا عذاب دنیا میں ذلت و رسوائی کا عذاب ہوا۔ اور وہ
اس طرح کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے روایت کی ہے کہ ایک دن
مسجد نبوی میں جمعہ کے خطبہ کے وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر چڑھ کر ایک

ایک منافق کا نام لے کر پکارا۔ اور فرمایا کہ

تُحْرِيَا فُلَانٌ فَاخْرُجْ فَاِنَّكَ

یعنی اے فلاں! تو کھڑا ہو جا۔ اور مسجد

سے نکل جا۔ کیونکہ تو منافق ہے۔

اس وقت مسجد نبوی میں چھتیس منافق موجود تھے۔ ان سب کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم

نے مسجد سے باہر نکال کر جمعہ کی نماز ادا فرمائی۔ (روح المعانی ج ۱ ص ۱۱ و خازن ج ۲ ص ۳۶)

دوسرا عذاب ان کو ان کی قبروں میں دیا جائے گا۔ اور تیسرا عذاب آخرت میں ان کو جہنم

میں بھونک دیا جائے گا۔ جو یقیناً بہت ہی بڑا عذاب ہے!

بہر حال سورہ آل عمران میں جو خدا کا وعدہ تھا کہ اللہ تعالیٰ خبیث کو طیب سے

چھانٹ دے گا اور گندے کو ستھرے سے جدا کرے گا۔ وہ وعدہ خداوندی پورا ہو گیا۔

کہ منافقین کو خدا نے مومنین سے چھانٹ کر جدا فرما دیا۔ پھر

اے نبی! آپ کفار اور منافقین دونوں

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ

سے جہاد کیجئے اور ان لوگوں کے ساتھ سختی

وَالْمُنَافِقِينَ وَاعْلِظْ عَلَيْهِمْ

کا برتاؤ فرمائیے۔

کا قہرانہ حکم نازل ہو گیا۔

حضرات! اس آیت کے نزول کے بعد تو پھر منافقوں کے لیے امن و امان کی کوئی

گنجائش ہی باقی نہیں رہ گئی۔ ذلت و رسوائی کا عذاب ان ظالموں کے سروں پر تہر

خداوندی بن کر اتر پڑا۔ اور خدا کی لمبی چوڑی زمین ان شرارت کے مجسموں کے لئے

تنگ ہو گئی۔ اور دم زدن میں ان کی ساری منہی خوشی ہرن ہو گئی۔ ظالم ساری چوڑی

بھول گئے۔ ہر طرف منحوسوں کی طرح مُنھ لٹکائے اور پتھر چھپائے بھاگے بھاگے پھرتے

تھے۔ اور زبانِ حال سے کہتے جاتے تھے۔ کہ ہ

فریاد ہے۔ فریاد ہے! یہ کیسی بلا آئی

گھر گھر مرا چر چاہے۔ گھر گھر مری رسوائی

حضرات گرامی! آپ نے سن لیا کہ منافقوں
عداوت رسول چھپ نہیں سکتی | نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی،

دشمنی کو چھپانے کے لیے ہزاروں جتن کئے۔ جھوٹی قسمیں کھاتے رہے۔ اور طرح طرح
 کی فریب کاریوں اور مکاریوں سے اپنے نفاق پر پردہ ڈالتے رہے۔ نماز پڑھتے رہے
 روزہ رکھتے رہے۔ حج و زکوٰۃ کے پابند رہے۔ بھادوں میں شرکت کرتے رہے اور
 اپنے حال و حال سے ہر دم ہر قدم پر یہی کوشش کرتے رہے کہ عداوت رسول کا جو
 طوفان ہمارے سینوں میں امنڈ رہا ہے وہ کسی پر ظاہر نہ ہونے پائے مگر آپ نے
 دیکھ لیا کہ خداوند جبار و قہار نے ان پھپھے ہوئے کفار کا پردہ کس طرح فاش کر دیا۔ اور
 یہ نابکار کس طرح دونوں جہاں میں ذلیل و خوار ہو گئے۔

اور مسلمانو! یاد رکھو کہ یہ عذاب خداوندی صرف زمانہ رسالت ہی کے منافقین
 کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔ بلکہ قیامت تک آنے والے تمام منافقین کا یہی حشر ہوگا
 کہ وہ رحمتِ عالم کے بارے میں اپنے نفاق و شقاق کو چھپانے کی لاکھ کوشش کریں
 مگر خداوند ذوالجلال کا قہر و جلال ایک نہ ایک دن ضرور ان کا پردہ فاش کر کے انہیں
 عذاب دارین کے وبال میں ڈال دے گا۔ کیا خوب فرمایا۔ اعلیٰ حضرت قبلہ بریلوی علیہ
 الرحمتہ نے کہ ہے

وہابی گرچہ اخفامی کند بغض نبی لیکن

نہاں کے ماند آں راتے کز سازند محفلہا

یعنی اس دور کے منافقین وہابی اگرچہ نبی کی دشمنی کو چھپاتے ہیں۔ مگر بھلا وہ

رات کس طرح چھپ سکتا ہے؟ جن کے ذکر کے لئے محفلیں منعقد کی جاتی ہیں۔

چنانچہ ہزاروں واقعات میں صرف دو واقعات میں اس وقت آپ کو سنا

دیتا ہوں۔ جو حیدریتِ آموتہ ہیں۔ ذرا توجہ سے سنئے!

حضرات! بھیڑی ضلع تھانہ کے بمبیوں احباب

بھوپالی مولوی کی درگت | نے یہ بیان فرمایا کہ ایک مرتبہ بھیڑی میں ایک

وہابی مولوی بھوپال سے آیا ہے۔ جو بہت ہی زرد و دار مقرر، اور بچہ چرب زبان و اعظم تھا وہ
 حضور علیہ السلوٰۃ والسلام کے فضائل پر ایسی دلولہ انگیز تقریر کرتا تھا کہ بھیڑی کے سنی
 اس کے وعظ پر لٹو ہو گئے اور سارا شہر اس طرح اس کا گردیدہ ہو گیا کہ روزانہ ہزاروں
 سامعین اس کے وعظوں میں شریک اجلاس ہوتے تھے۔ بھیڑی کے کسی سنی عالم نے
 جب لوگوں کو یہ بتایا کہ یہ وہابی ہے۔ تو عوام برہم ہو گئے۔ اور کہنے لگے کہ جہلا اتنا
 بڑا مداح رسول وہابی کیونکر ہو سکتا ہے؟ مہینوں تک یہ مولوی بھیڑی میں تقریریں
 کرتا رہا۔ اور دونوں ہاتھوں سے نذرانے کی رقم بٹورتا رہا۔ بہت سے لوگوں کو مرید
 بھی کر لیا۔ مگر میں عرض کر چکا کہ قدرت خداوندی کا یہ دستور ہے کہ کبھی نہ کبھی منافقوں
 کے ڈھول کا پول ضرور کھل جاتا ہے۔ چنانچہ اس مولوی کا بھی یہی انجام ہوا۔ کہ
 ایک جلسے میں وعظ کہتے کہتے ایک دم یہ کہنا شروع کر دیا کہ مسلمانو! خدا ایسا قادر ہے
 ایسا قادر ہے۔ اتنی قدرت والا ہے کہ ایک محمد رسول اللہ کی کیا حقیقت ہے! خدا
 اگر چاہے تو ایک سیکنڈ میں لاکھوں محمد رسول اللہ پیدا کر ڈالے۔ مولوی کا
 یہ بے تکا جملہ سن کر سارا مجمع فرط حیرت سے مولوی کا منہ تیکنے لگا۔ اور ایک سنی عبد الغفار
 نامی جس کو عام طور پر بھیڑی والے کامریڈ عبد الغفار کہا کرتے ہیں۔ یہ بہت ہی
 غریب آدمی ہیں اور مجھ فقیر سے بھی بہت ہی دالہانہ محبت رکھتے ہیں۔ ایک دم
 یہ بھرے جلسے میں کھڑے ہو گئے۔ اور کہنے لگے کہ مولوی صاحب آپ بالکل غلط
 کہتے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ خدا کی قسم اب اللہ تعالیٰ ہرگز ہرگز کسی محمد رسول اللہ کو نہیں
 پیدا کرے گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ قرآن میں فرما چکا ہے کہ محمد رسول اللہ ”خاتم النبیین“
 ہیں۔ لہذا اب اگر خدا نے کسی دوسرے ایک بھی محمد رسول اللہ کو پیدا کر دیا تو خدا جھوٹا
 ہو جائے گا۔ اور خدا کا جھوٹا ہونا محال ہے۔ عبد الغفار کامریڈ کا یہ کہنا تھا کہ پورا مجمع
 مشتعل ہو گیا۔ اور مولوی کو مارنے کے لئے دوڑ پڑا۔ یہاں تک کہ مشتعل عوام نے
 مولوی کو تخت سے گھسیٹ کر نالی میں پٹخ دیا۔ اور مولوی نجس کیچڑ میں لت پت ہو کر
 سر پٹ بھاگا۔ اور گھر میں گھس گیا۔ اور دوسرے دن پردے والی گاڑی میں چھپ کر
 بھیڑی سے جو بھاگا۔ تو پھر مرتے دم تک کبھی بھیڑی کا رخ نہیں کیا اور ہر شخص نے

جان لیا۔ پہچان لیا۔ اور مان لیا کہ واقعی یہ بھوپالی مولوی بہت ہی جنجالی قسم کا وہابی
مولوی تھا!

حضرات! اسی طرح احمد آباد کے ایک مہتمم شاعر
ایک اجمیری مولوی کی مرمت | حضرت ضیاء مرحوم نے مجھ سے بیان فرمایا کہ

احمد آباد کے محلہ جمال پور میں جیوا بھائی قصائی کی مسجد میں اجمیر کے ایک مولوی صاحب
جو چھپے ہوئے وہابی تھے ہر سال بارہویں شریف کا وعظ بیان کیا کرتے تھے۔ اور ایسے
انداز میں تقریر کرتے تھے کہ کسی کو کبھی یہ شبہ بھی نہیں ہو سکتا تھا کہ یہ بد
مذہب ہوں گے۔ مگر آخر تائیکے؛ آخر دستور خداوندی نے ایک دن اپنے قہر و غضب
کا عذاب اس پر نازل ہی فرما دیا۔ اور اس کا پردہ اس طرح فاش کر دیا کہ وہ انتہائی ذلیل
و خوار ہو کر ہمیشہ کے لیے احمد آباد سے فرار ہو گیا۔ واقعہ یہ ہوا کہ حضور علیہ السلام کے
قصائل کا بیان کرتے ہوئے انہوں نے ایک جلسے میں یہ کہا کہ حضور کا سایہ نہیں تھا
پھر ایک دم ناگہاں اس کی زبان پر یہ بے تکلفاظ آ گئے۔ کہ اچی! حضور کا سایہ
نہیں تھا۔ تو اس میں کیا خاص بات ہے؟ جن کا بھی سایہ نہیں ہوتا شیطان کا بھی سایہ
نہیں ہوتا۔ بھوت اور چڑیل کا بھی سایہ نہیں ہوتا۔ سایہ نہ ہونا کوئی فضیلت کی بات نہیں ہے
حضرات! مولوی کی زبان سے اس بیہودہ بکواس کا نکلنا تھا۔ کہ ایک دم سامعین
غیظ و غضب میں آپے سے باہر ہو گئے۔ اور ایک قریشی نوجوان نے مولوی کی دونوں
ٹانگیں پکڑ کر منبر سے گھسیٹا۔ اور فرشتے پر گرا دیا۔ اور لوگوں نے لاتوں اور گھونٹوں سے
اس قدر بے بجاؤ کی مرمت کر دی کہ کپڑے تو کپڑے بدن تک کے گرد و غبار جھڑ گئے۔
اور مولوی صاحب نے بڑی مشکل سے جان بچا کر اپنی قیامگاہ میں پناہ لی۔ حضرت ضیاء
صاحب کہنے لگے کہ میں ان مولوی صاحب کو اچھی طرح جانتا تھا۔ اور ان کے پاس
اٹھتا بیٹھتا بھی تھا۔ اس واقعہ کے بعد میں جب ان کے پاس گیا۔ اور میں نے کہا کہ آپ
مے اپنی بہترین تقریر میں یہ گندہ بروزہ کہاں سے اور کیوں ملا دیا؟ تو وہ مولوی صاحب
کفِ افسوس ملتے ہوئے کہنے لگے۔ کہ بھائی! خدا کی قسم! میں کچھ بھی نہیں بتا سکتا کہ

کس طرح ایک دم میری زبان پر یہ الفاظ آ گئے !

حضرات ! اس واقعہ کو سنا کر حضرت ضیاء صاحب فرمایا کرتے تھے کہ واللہ ! مجھے تو اس کا عین الیقین حاصل ہو گیا ہے کہ بد مذہبوں کے دل کی خباثت کبھی نہ کبھی ان کی زبان پر ضرور آ جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کبھی نہ کبھی اور کسی نہ کسی طرح بد مذہبوں کی بد مذہبی کو ضرور ظاہر ہی فرما دیتا ہے ۔

بہر کیفیت میں یہ عرض کر رہا تھا کہ دشمنانِ رسول لاکھ اپنے کو چھپائیں اور نماز و روزہ اور حج و زکوٰۃ اور قسم قسم کی عبادت کا نقاب اوڑھ کر اپنے نفاق کو پوشیدہ رکھنے کے لئے ہزاروں لاکھوں تدبیریں کر ڈالیں مگر اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ حَتَّىٰ يَسِيرَ الْجَبِيثُ مِنَ الطَّيِّبِ یعنی اللہ تعالیٰ جہیت کو طیب سے گندے کو ستھرے سے ناپاک کو پاک سے یعنی منافق کو مومن سے ضرور چھانٹ کر الگ کر دے گا۔ اور کبھی نہ کبھی ضرور منافق کا نفاق ظاہر ہو کر رہے گا۔ اور دل کی بد عقیدگی کسی نہ کسی دن ضرور زبان پر آ کر رہے گی !

حضرات ! آپ یوں سمجھئے کہ اگر نجاست کے ڈھیر پر کوئی راکھ ڈال دے

ایک مثال | تو وقتی طور پر تو نجاست بالکل پھپھپ جاتی ہے۔ مگر کب تک ؛ آخر جب ہواؤں کے تھونکے اس راکھ کو اڑا دیں گے تو کبھی نہ کبھی ضرور وہ نجاست ظاہر ہی ہو کر رہے گی اسی طرح دل کی نجاست یعنی بد عقیدگی اور رسول کی دشمنی کو منافق اپنی عبادتوں کی راکھ سے لاکھ چھپائے۔ مگر قہر خداوندی کی آندھی کسی نہ کسی وقت اس کی عبادتوں کی راکھ کو اڑا کر اس کی بد عقیدگی کی نجاست کو ظاہر ہی کر دے گی۔ اس لئے کہ خداوند قدوس کا وعدہ ہے کہ وہ جہیت کو طیب سے اور گندے کو ستھرے سے۔ اور منافق کو مومن سے ضرور چھانٹ کر الگ الگ کر دے گا۔ اور منافق کی ساری عبادت غارت اور اکارت ہو جائے گی۔ کیوں ؛ اس لئے کہ

ہو اگر نیت بُری اچھے عمل بے کار ہیں ۔

جاگتا ہے دزد بھی مثل نگہاں رات بھر

وما علینا الابلاء وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد و آلہ وصحبہ

اُرتیسواں و غلط

وجاہتِ کلیم اللہ علیہ السلام

صحبتِ پر روم سے مجھ پر ہوا یہ رازِ فاش!

لاکھ کلیم سر بجیب، ایک کلیم سر بکف



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

نَحْمَدُهُ وَنُصَلِّي عَلَى رَسُولِهِ الْكَرِيمِ

أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ آذَوْا مُوسَى فَبَرَّأَهُ

اللَّهُ مِمَّا قَالُوا وَكَانَ عِنْدَ اللَّهِ وَجِيهًا (احزاب)

حضرت گرامی! بہ آوازِ بلند دربارِ رسالت میں درود و سلام کا نذرانہ عقیدت پیش

کیجئے۔ اللہم صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلَى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَصَحْبِهِ

أَجْمَعِينَ أَبَدًا أَبَدًا

برادرانِ اسلام! اس وقت میں نے آپ کے سامنے سورہ احزاب کی ایک آیت شریفہ

تلاوت کرنے کی سعادت حاصل کی ہے۔ اس آیت میں حضرت رب العزت جل جلالہ

نے حضراتِ انبیاء کرام کی اس وجاہتِ نبوت اور عظمتِ رسالت کا ذکر فرمایا ہے۔ جو

حذا کے مقدس نبیوں اور رسولوں کا وہ طرہ امتیاز ہے کہ دنیا کے عظیم سے عظیم تر انسانوں

کے لیے بھی اس کے کردار میں جھٹے کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ درحقیقت نبوت و رسالت کی عظمت و وجاہت، مقامِ انسانیت کا وہ بلند ترین شرف، اور عظیم المرتبت فضل و کمال ہے کہ اوریجِ ثریا کی رفعتیں، اور آفتاب و ماہتاب کی طلعتیں اس کے آگے سر جھکتے ہیں اپنی سر بلندی کی معراج پاتی ہیں !

حضرات ! اس آیت کے ترجمہ اور تفسیر سے پہلے میں مناسب سمجھتا ہوں کہ اس آیت کے نازل ہونے کا سبب بیان کر دوں۔ اور یہ بتا دوں کہ یہ آیت کب، اور کہاں، اور کس موقع پر نازل ہوئی ہے؟

شان نزول | حضرات ! تفسیر خازن شریف میں ایک حدیث ہے۔ جس کو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت کیا ہے۔ اور یہ حدیث بخاری شریف میں بھی ہے کہ جنگِ حنین کے موقع پر مالِ غنیمت تقسیم فرماتے وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اقرع بن حابس اور عیینہ بن حصی وغیرہ اشرفِ عرب کو سو سواونٹ عنایت فرمادیا۔ یہ دیکھ کر ایک شخص یہ کہنے لگا کہ معاذ اللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تقسیم میں عدل نہیں فرمایا۔ جب یہ بات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوئی تو قلبِ نازک پر بڑا صدمہ گذرا۔ اور شدتِ غیظ و غضب سے چہرہ الزر پر سرخی نمودار ہو گئی اور آپ نے اس وقت یہ ارشاد فرمایا کہ بھلا اللہ اور اس کا رسول اگر عدل نہ کرے گا تو پھر کون عدل کرے گا پھر فرمایا کہ یَرْحَمُ اللّٰهُ مُوسٰی قَدْ اُوْذِيَ بِاَكْثَرِ مِنْ هٰذَا فَصَبْرٌ یَّعْنٰی اللّٰهُ تَعَالٰی حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اپنی رحمت نازل فرمائے۔ بلاشبہ لوگوں نے ان کو اس سے کہیں زیادہ ایذا پہنچائی تھی۔ تو انہوں نے صبر کیا تھا۔

(خازن ج ۳ ص ۷۷)

حضرات ! اسی موقع پر حضرت حمی جلالت نے اس آیت کو نازل فرما کر مسلمانوں کو تنبیہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ أَذَوْا
یعنی اے ایمان والو! تم ان لوگوں کی طرح
مت ہو جاؤ جنہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام

مُوسَىٰ فَكَذَّآكَ اللَّهُ مِنَّمَا
قَالُوا ۖ وَكَانَ عِنْدَ اللَّهِ
وَجِيهًا ۖ

کو ایذا دی۔ تو اللہ نے حضرت موسیٰ کو ان
لوگوں کی کہی ہوئی باتوں سے بری ظاہر فرما
دیا۔ اور حضرت موسیٰ اللہ کے نزدیک ابرو
والے ہیں!

حضرات گرامی! لوگوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کس طرح ستایا تھا؛ اور کیا تکلیف
پہنچائی تھی؛ اور پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو لوگوں کی کہی ہوئی باتوں سے
کیونکر اور کس طرح بری فرمایا؛ یہ ایک بہت ہی عبرت خیز، اور نصیحت آمیز واقعہ ہے۔ اور یہ
واقعہ جہاں بارگاہ نبوت کے گستاخوں کی شرارتوں کا آئینہ دار اور تہمت و افترا کی ایک درد
ناک داستان ہے۔ وہاں یہ اہل ایمان کے لیے ہدایت کا بہت بڑا سامان، اور حضرت
انبیاء کرام علیہم السلام کی عظمتِ شان کا ایک نورانی نشان بھی ہے!

حضرات! واقعہ یہ ہے کہ قوم بنی اسرائیل میں یہ ایک
بنی اسرائیل کا غسل برہمنہ عام رواج تھا کہ یہ لوگ مجمع عام میں بالکل مادرِ نژاد
برہمنہ ہو کر غسل کرتے تھے۔ چشموں اور تالابوں پر بھنڈ کے بھنڈ بالکل سر سے پاؤں تک
ننگے ہو کر نہایا کرتے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اسی قوم کے ایک فرد تھے۔ اور اسی
ماحول کے اندر پیدا ہوئے تھے لیکن خداوند عالم نے ان کو نبوت کی عظمت سے سرفراز
فرمایا تھا۔ اس لئے بھلا آپ کی عصمتِ نبوت اس جیسا سوز بے غیرتی کو کب برداشت کر
سکتی تھی؛ آپ بنی اسرائیل کی اس بے حیائی سے انتہائی متنفر اور مجذوبیزار تھے۔ اور ہمیشہ
یا تو تنہائی میں چھپ کر، یا تہمد باندھ کر غسل فرماتے تھے۔ بنی اسرائیل نے جب یہ
دیکھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کبھی بھی، اور کسی حالت میں بھی بالکل برہمنہ بدن ہو کر نہیں
نہاتے۔ تو ظالموں نے آپ پر یہ تہمت لگا دی کہ آپ کے بدن کے اندرونی حصہ میں
برص کا سفید داغ، یا کوئی ایسا عیب ہے جس کو چھپانے کے لیے یہ کبھی ننگے بدن
نہیں ہوتے!

حضرات! اس تہمت کا ظالموں نے اس قدر چرچا کیا کہ ہر کوچہ و بازار میں اس پروپاگنڈہ

کا شہرہ ہو گیا۔ ظاہر ہے کہ اس مکر و دیر پا گندہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قلبِ نازک پر بڑا صدمہ گذرا۔ اور آپ کو اس سے بڑی تکلیف اور اذیت پہنچی۔ چنانچہ جب آپ کے قلب مبارک پر رنج و غم کے صدمات پہنچے۔ تو بھلا خداوند قدوس اپنے مقدس کلیم کے رنج و غم کو کب گوارا فرما سکتا تھا؟ اور اپنے ایک برگزیدہ رسول پر ایک عیب کی تہمت بھلا خلاق عالم کے نزدیک کیونکر اور کس طرح قابلِ برداشت ہو سکتی تھی؟ ارحم الراحمین کی غیرت نے غیب سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی براءت اور بے عیبی ظاہر کر دینے کا ایک ایسا سامان پیدا فرما دیا۔ کہ ایک دم بنی اسرائیل کے پیر و پاگندوں، اور ان کے شکوک و شبہات کے تمام گرد و غبار پھینٹ گئے۔ اور آپ کی براءت اور بے عیبی کا سورج آفتابِ نصرت النہار سے زیادہ عالم آشکار ہو گیا۔ اور تمام بنی اسرائیل ایک زبان ہو کر کہنے لگے کہ۔

وَاللّٰهِ مَا بِمُوسٰی مِنْ
یعنی خدا کی قسم! حضرت موسیٰ میں تو کوئی

عیب ہی نہیں ہے!

حضرات! اب سن لیجئے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی براءت خداوند قدوس کس طرح ظاہر فرماتا ہے؟ تقریباً تمام تفسیروں، اور حدیث کی معتبر کتابوں میں لکھا ہوا ہے۔ کہ عین اسی حالت میں کہ ہر طرف حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عیب دار ہونے کا چرچا ہو رہا تھا۔ ایک دن آپ پہاڑوں کے دامنوں میں چھپے ہوئے ایک چشمہ پر غسل کے لیے تشریف لے گئے اور یہ دیکھ کر کہ یہاں دور دور تک کسی انسان کا نام و نشان نہیں ہے۔ اس لئے آپ اپنے تمام کپڑوں کو ایک پتھر پر رکھ کر بالکل برہنہ ہو کر غسل فرماتے لگے!

حضرات گرامی! خدا کے ایک مقدس نبی کا لباس ایک پتھر نے جو

ایک تاریخی پتھر اپنے سر پر اٹھایا۔ تو اس لباس کی نورانیت سے اس پتھر کے دل و جگر میں ایک ایسا ایمانی جوش پیدا ہو گیا کہ اس پتھر نے خدا کے حکم سے یہ عزم کر لیا کہ میں حضرت موسیٰ علی نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی براءت کا اعلان کروں گا۔ چنانچہ جیسے ہی حضرت موسیٰ علیہ السلام غسل کر کے پانی سے باہر نکلے تو کیا دیکھتے ہیں کہ پتھر آپ کے کپڑوں کو لئے ہوئے سر پٹ بھاگا چلا جا رہا ہے۔ یہ دیکھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام بھلی

پتھر کے پیچھے پیچھے دوڑنے لگے اور فرمانے لگے کہ تَوْبَتِي حَجَرٌ - تَوْبَتِي حَجَرٌ
یعنی اسے پتھر میرا کپڑا۔ اسے پتھر میرا کپڑا۔ مگر پتھر تھا کہ برابر بھاگتا ہی رہا۔ یہاں تک کہ شہر
کی بڑی بڑی سڑکوں سے گذرتا ہوا گلی کو چوں میں پہنچ گیا اور آپ بھی بالکل بربنہ پتھر کے
تعاقب میں دوڑتے چلے گئے۔ اس طرح بنی اسرائیل کے ہر چھوٹے بڑے نے اپنی آنکھوں
سے دیکھ لیا کہ سر سے پاؤں تک آپ کے مقدس جسم میں کہیں بھی کوئی عیب نہیں
ہے۔ بلکہ آپ کے بدن کا ہر حصہ حسن و جمال میں اس قدر نقطہ کمال پر پہنچا ہوا ہے کہ اس
دور میں اس کا مثل و مثال تقریباً محال تھا۔ چنانچہ ہر شخص کی زبان پر یہی جملہ تھا کہ وَاللّٰهِ
مَا يَمُوسِي مِنْ بَأْسٍ - یعنی خدا کی قسم حضرت موسیٰ علیہ السلام بالکل ہی بے عیب ہیں

(بخاری ج ۱ ص ۲۸۳)

حضرات! جب یہ پتھر خوب اچھی طرح آپ کی برأت کا اعلان کر چکا۔ تو خود بخود ٹھہر گیا
حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام اس قدر غضب و جلال میں تھے کہ آپ نے اس
پتھر کو اپنے عصا سے مارنا شروع کر دیا۔ اور اتنے زور زور سے مارا کہ اس پتھر پر چند
نشانات پڑ گئے۔ لیکن اس کے بعد جب آپ کو یہ خیال آیا کہ اس پتھر نے تو مجھ پر بڑا احسان
کیا ہے کہ میری برأت کا اعلان کیا ہے۔ تو ایک دم آپ کو اس پتھر پر پیار آگیا اور آپ نے اس کو سنبھال
کر اپنے جھولے میں رکھ لیا۔ اور پھر عمر بھر اس کو اپنی صحبت و رفاقت سے کبھی جدا نہیں فرمایا۔
حضرات گرامی! یاد رکھئے کہ یہ پتھر وہی خوش نصیب پتھر ہے۔ کہ جب میدان تیبہ میں
بنی اسرائیل نے پیاس سے بے تاب ہو کر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پانی کا سوال کیا۔
تو آپ نے اسی پتھر پر ایک مرتبہ اپنا عصا مار دیا۔ تو اس پتھر سے بارہ چشمے جاری
ہو گئے۔ اور بنی اسرائیل کے بارہ خاندانوں کے ہزاروں انسان اپنے اپنے چشموں سے
برسوں سیراب ہوتے رہے۔

حضرات! مشہور تو یہ ہے کہ پتھر لبی سختی کی وجہ سے کسی
پتھروں کے کارنامے چیز کا کوئی اثر حیلہ قبول نہیں کرتا چنانچہ کوئی انسان بات
کا اثر قبول نہ کرے تو اس کو کہا جاتا ہے کہ یہ بڑا ہی سنگدل ہے یا یہ کہا جاتا ہے کہ

اس کے سینے میں دل نہیں ہے۔ بلکہ پتھر ہے۔ مگر آپ کو یہ سن کر بڑا تعجب ہو گا۔ کہ
حضرات انبیاء علیہم السلام کے عشق و محبت میں پتھروں کے کارنامے ایسے ایسے شاہکار
بن کر نمودار ہوئے ہیں کہ جن کو دیکھ کر بنی نوع انسان حیران رہ جاتے ہیں! چنانچہ ابھی ابھی
آپ نے سن لیا۔ کہ خدا کے مقدس کلیم پر ایک عیب جوئی کا پردہ پانگنڈہ سن کر ایک بے
جان پتھر میں ایسا جوش ایمان پیدا ہو گیا کہ اس نے آپ کی برائیت کا اعلان کر کے قیامت
تک کے لئے اپنی لازوال عزت و شہرت کا سامان کر لیا!

مقام ابراہیم | اسی طرح حرم الہی کا ایک مقدس اور تاریخی پتھر مقام ابراہیم "بھی تو ایک
پتھر ہی ہے۔ مگر اس مقدس پتھر کا یہ کارنامہ ہے کہ جب خدا کے
خلیل جلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام کعبہ معظمہ کی تعمیر کے لئے اس پتھر پر کھڑے ہوئے تو
یہ پتھر اپنے سر پر حضرت خلیل اللہ کا پائے مبارک اٹھا کر جوش محبت میں اتنا رقیق القلب
ہو گیا۔ کہ موم کی طرح نرم ہو گیا اور اس پر آپ کے مقدس قدموں کا نشان پڑ گیا۔ چنانچہ اس
ایمانی محبت کی بدولت یہ پتھر مقام ابراہیم کے معزز لقب سے سرفراز ہو گیا۔ اور خداوند
قدس نے اس کو ایسی عظمت عطا فرمادی۔ کہ قرآن میں کہیں اس کو **رَقِیْبَةُ الْبَيْتِ**
مَقَامُ اِبْرٰهٖمَ فرما کر اپنی عظمت و کبریائی کا ایک نشان بنا دیا۔ اور کہیں **وَاتَّخِذُوا**
مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّیٰ فرما کر اس کو تمام اہل ایمان کے لئے "جائے نماز" ہونے کا شرف
بخش دیا اور یہ فرمایا کہ اے ایمان والو! تم نماز میرے لئے پڑھو۔ سجدہ مجھے کر دو۔ مگر میرے
سجدہ کے وقت تم لوگ اپنی پیشانیوں کو اس مقدس پتھر کے پاس رکھو۔ جس نے حضرت خلیل اللہ
کے قدموں کے نشان کو جوش ایمان کے ساتھ اپنے سر پر اٹھایا اور اپنی جان کی طرح اس کا
نہجیان بنا ہوا ہے!

ابو جہل کی کنکریاں | حضرات! ابو جہل کی مٹھی میں چھپی ہوئی کنکریاں بھی تو ان ہی پتھروں
کی نسل سے تھیں۔ مگر آپ جانتے ہی ہیں کہ ان ننھی ننھی کنکریوں
نے ابو جہل کی مٹھی میں اپنے فطری سکوت اور پیدائشی خاموشی کے طلسم کو توڑ کر زور
زور سے کلمہ پڑھا۔ اور نبی برحق کی صداقت کا ڈنکا بجا کر یہ اعلان کر دیا کہ ہے

اعجاز مصطفائی کا عالم نہ پوچھیے پتھر میں جان ڈال دی اگویا بنا دیا
 اسی طرح کوہ احد پتھروں کا ایک پہاڑ ہی تو ہے۔ مگر اس کے بارے
 میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے کہ **هَذَا جَبَلٌ يُجَبُّنَا وَ**
نُجَبُّهُ۔ یعنی یہ ایک ایسا پہاڑ ہے کہ یہ ہم سے محبت رکھتا ہے اور ہم اس سے
 محبت رکھتے ہیں۔ چنانچہ آپ لوگوں نے بارہا سنا ہو گا کہ ایک مرتبہ حضور رحمت عالم
 صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنے تینوں رفیقوں حضرت صدیق اکبر و فاروق اعظم اور حضرت عثمان
 غنی رضی اللہ عنہم کو اپنے ساتھ لے کر احد پہاڑ پر رونق افروز ہوئے تو
لَا هَتَرْنَا لَهُ الْجَبَلُ یعنی پہاڑ جوش مسرت و شادمانی میں جھوم اٹھا اور بنے لگا اس وقت
 رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہاڑ کو مخاطب فرمایا کہ

أُثْبِتُ أَحَدُ فَاِئْتَا عَلَيَّ یعنی اسے پہاڑ! ٹھہر جا کہ اس وقت تجھ
نَبِيٌّ وَصِدِّيقٌ وَشَهِيدَانِ پر ایک نبی ہے اور ایک صدیق ہے۔ اور
 دو شہید ہیں۔

یہ سن کر پہاڑ ساکن ہو گا!

برادران اسلام! سبحان اللہ۔ سبحان اللہ! اس حدیث سے جہاں یہ معلوم ہوا کہ پہاڑ
 بھی آپ کو جانتا، پہچانتا اور مانتا تھا، اور آپ پر ایمان لا کر آپ کا تابع فرمان تھا۔ وہاں اس
 حدیث سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی امت کے خاتمہ کی بھی خبر تھی
 کیونکہ برسوں پہلے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر اور حضرت عثمان
 غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی شہادت کی خبر دے دی۔ سبحان اللہ! کیوں نہ ہو! میرے
 پیارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تو یہ شان ہے کہ

فرشِ تاعرش سب آئینہ صفا تر حاضر
 شش بہت بہت مقابل شبِ دردناک ہی حال

دھوم و الذجھ میں ہے آپ کی بینائی کی،

حجر اسود اسی طرح "حجر اسود" جو خانہ کعبہ کے ایک کونے پر جڑا ہوا ہے۔ یہ بھی ایک

پتھری ہے۔ مگر اس کو حضرت آدم صلی اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ایک خاص نسبت ہے کہ اس کو حضرت آدم علیہ السلام جنت سے اپنے ساتھ لائے اس نسبت نبوت کی بدولت حضرت حق جل مجدہ نے اس پتھر کو وہ رتبہ بلند بخشا۔ کہ ایک مرتبہ امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے "حجر اسود" کا بوسہ لیتے وقت یہ فرمایا کہ

أَمَّا وَاللَّهِ إِنِّي لَا أَعْلَمُ أَنَّكَ
حَجَرٌ لَا تَصُرُّ وَلَا تَنْفَعُ وَلَا تَكُونُ
لَا إِنِّي رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسْتَلَمَكَ مَا
اسْتَلَمْتُكَ -

یعنی خبردار! اے حجر اسود! میں خوب جانتا ہوں کہ تو ایک پتھر ہے۔ تو نہ کوئی نقص پہنچا سکتا ہے۔ نہ کوئی نفع دے سکتا ہے اگر میں نے یہ نہ دیکھا ہوتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تجھ پر ہاتھ رکھ کر تجھ کو چومتے تھے۔ تو میں تجھ کو نہ چومتا۔

(بخاری ج ۱ ص ۲۱)

حضرت فاروق اعظم کے ان الفاظ کو سن کر فوراً حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے آپ کو ٹوک دیا۔ اور یہ فرمایا کہ اے امیر المومنین! آپ نے یہ کیا کہہ دیا کہ حجر اسود کوئی نفع یا نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ بلاشبہ یہ نفع بھی پہنچا سکتا ہے اور نقصان بھی۔ کیا آپ نہیں جانتے کہ جب روز ازل میں خداوند عزوجل نے تمام انسانوں سے اپنی ربوبیت کا عہد و اقرار لیا۔ تو اس عہد نامہ کو ایک کاغذ میں لکھوا کر اسی حجر اسود کو عطا فرمایا۔ اور وہ اس عہد نامہ کو نگل گیا۔

رَأَيْتُ يُبْعَثُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ
وَلَهُ عَيْنَانِ وَ لِسَانٌ وَ
شَفَتَانِ -

اور یہ حجر اسود جب قیامت کے دن اٹھایا جائے گا تو اس کی دو آنکھیں ایک زبان اور دو ہونٹ ہوں گے۔

يَشْهَدُ لِمَنْ وَافَى
بِالنُّوَافَةِ فَهُوَ آمِينُ
اللَّهِ فِي هَذَا الْكِتَابِ -

اور جن لوگوں نے عہد الست کو پورا کیا ہو گا ان کے لئے یہ شہادت دے گا کہ یونکہ یہ عہد نامہ کی دستاویز کے معاملہ میں اللہ کا امین ہے۔

فَقَالَ لَهُ عُمَرُ لَا أَبْقَانِي
اللَّهُ يَا مَرْحُومٌ كُنْتُ فِيهَا يَا
أَبَا الْحَسَنِ - رواه الحاكم -

یعنی حضرت علیؑ شہر خدا کی تقریریں کہ حضرت
عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اے ابوالحسن
خدا اس زمین میں مجھے باقی نہ رکھے جس زمین
میں تم نہ رہو!

(مزینۃ الدرایہ المقدمہ الہدایہ ص ۱۱)

بہر کیف میں یہ عرض کر رہا تھا کہ پتھروں کو بھی خدا کے مقدس نبیوں سے ہمیشہ الفت
و محبت اور ایک والہانہ لگاؤ رہا ہے۔ اور ان پتھروں نے ایمانی محبت کے جوش میں ایسے
ایسے ایمان افروز کارنامے انجام دئے ہیں جن کو سن کر انسان حیران اور دنگ رہ جاتا ہے
حضرات! جب انبیاء علیہم السلام کے عشق و محبت میں بیجان پتھروں کا یہ عالم ہے۔
تو خدا کی قسم! وہ انسان جس کے سینے کا صندوق اور دل کی تجوری محبت رسول کی دولت سے
خالی ہو وہ پتھر سے بھی گیا گزرا ہے۔ و اللہ! کیا خوب کہا ہے کسی حقیقت شناس
نے کہ۔

کافر ہے وہ بد بخت جو اس دل کو کہے دل
جس دل میں نہ ہو الفت سرکار مدینہ

بہر حال میرے بزرگو! اور دوستو! میں یہ عرض کر چکا کہ جب خدا کے مقدس کلیم
جناب موسیٰ علیہ السلام کو بنی اسرائیل کے گستاخوں نے ایک عیب لگا کر دکھ دیا اور
تکلیف پہنچائی۔ تو ایک پتھر نے خداوند قدوس کے حکم سے آپ کی برائت کا اعلان
کیا۔ اور اسی تاریخی واقعہ کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے رب العزت جل مجدہ نے اپنے
علیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی امت کو اپنے اس فرمان سے سرفراز فرمایا کہ۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا

تَكُونُوا كَالَّذِينَ أَذَوْا مُوسَىٰ

فَبَرَّأَهُ اللَّهُ مِمَّا قَالُوا كَانَ

عِنْدَ اللَّهِ وَجِيهًا

یعنی اے ایمان والو! تم ان لوگوں کے

مثل مت ہو جانا جنہوں نے حضرت موسیٰ

علیہ السلام کو دکھ دیا تھا۔ تو اللہ نے ان

کو لوگوں کی کہی ہوئی بات سے بری کیا۔ اور

ان کے بے عیب ہونے کا اعلان فرما کر ان

کی عظمت و دجاہت کا خطیہ پڑھا!

مطلب یہ ہے کہ اے مسلمانو! خبردار۔ خبردار تم میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی ہرگز ہرگز اپنے کسی قول یا فعل سے رنج و ایذا مت پہنچاؤ۔ بلکہ ہر وقت ہر دم اور ہر قدم پر یہ دھیان رکھنا کہ تمہاری حیات کے کسی لمحہ میں تمہاری کسی بات سے میرے محبوب کی شان میں کوئی بے ادبی، کوئی ایذا رسانی، کوئی گستاخی نہ ہوتے پائے ورنہ یاد رکھو کہ اسی سورۃ احزاب میں خداوند ذوالجلال کا فرمانِ جلال اپنے پورے قافلہ ہر آنہ تیور کے ساتھ تمہیں للکارا ہوا ہے کہ ایمان والو! سن لو!

رسول کو ایذا دینے والے ملعون

یعنی بیشک جو ایذا دیتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کو ان پر اللہ کی لعنت ہے دنیا اور آخرت میں۔ اور اللہ نے ان کے لئے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے!

إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ
وَرَسُولَهُ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فِي
الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأَعَدَّ لَهُمْ
عَذَابًا مَّهِينًا

حضرات گرامی! یہاں یہ ایک نکتہ بھی قابل غور ہے کہ جب بنی اسرائیل کے گستاخوں نے حضرت موسیٰ علیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایک عیب کی تہمت لگائی۔ تو خداوند عالم ان کو اس تہمت سے بڑی ٹھہرانے کے لئے کسی انسان یا کسی جن یا کسی فرشتہ کو بھی مقرر فرما سکتا تھا۔ مگر اس قادر و قیوم نے ایک بے جان پتھر کو اس خدمت پر مامور فرما کر یہ واضح فرمادیا کہ انبیاء کرام کی عزت و عظمت کی حفاظت، اور ان کی امداد و نصرت جن ملک کی تو انا بیٹوں اور انسانی طاقتوں ہی پر موقوف اور انہیں کی رہن منت نہیں۔ بلکہ ہم ایسے ناصر و نصیر اور قادر و قدیر ہیں کہ اگر ہم چاہیں تو ایک پھر سے نمرود جیسے جابر بادشاہ کو ہلاک و برباد کر کے اپنے خلیل کی مدد فرما سکتے ہیں۔ اور ایک بے جان پتھر سے اپنے کلیم کی برات کا اعلان کر سکتے ہیں لہذا

اے انسانو! اے جنو! اے فرشتو! تم اس خیال و گمان میں نہ رہو کہ اگر تم لوگ میرے رسول
کی امداد و نصرت نہ کرو گے تو وہ منظر و منظر نہ ہوں گے۔ بلکہ حضرت حق جل جلالہ اپنی کائنات
عالم کا ذرہ ذرہ، قطرہ قطرہ ہر وقت اور ہر دم خدا کے رسولوں کی خدمت گزاری کے لیے، اور
ان کے قدموں پر اپنی جان نثاری کے لیے ایک وقادار سپاہی کی طرح تیار رہتا ہے
اللہ اکبر۔ اللہ اکبر! سبحان اللہ۔ سبحان اللہ! پڑھئے ایک بار یہ آواز بلند درود شریف۔

اللہم صل علی سیدنا محمد وعلیٰ آلہ وارضہم
وبارک وسلم!

حضرات گرامی! اب اس آیت کا آخری جملہ بھی سن لیجئے! خداوند عالم نے حضرت موسیٰ
علیہ السلام کی شان میں فرمایا کہ **وَكَانَ عِندَ اللَّهِ وَجِيهًا** یعنی حضرت
موسیٰ علیہ السلام خدا کے نزدیک "وجیہ" ہیں!

حضرات! اب ذرا "وجیہ" کے معنی بھی سن لیجئے۔ "وجیہ" کس کو کہتے ہیں؟ اور
وجیہ اس لفظ کے کتنے معنی ہیں؟ سنیے! "وجیہ" کے تین معانی ہیں سردار قوم۔ ابرو والا مرتبہ والا
تفسیر خزائن العرفان میں لکھا ہے کہ اس آیت میں "وجیہ" کے تین معانی مراد ہیں۔ صاحب جاہ
مرتبہ والا۔ مستجاب الدعوات یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام خداوند ذوالجلال کی بارگاہ عظمت
میں عزت والے، مرتبہ والے اور اس قدر مقبولیت کی منزل میں ہیں کہ کائنات ان کی ہر دعا اور ہر تمنا کو قبولیت
کے شرف سے سرفراز فرماتا ہے۔ اور ان کی ہر مراد اور آرزو کو پوری فرمادیتا ہے۔

اللہ اکبر! مسلمانو! غور کرو کہ خداوند عالم نے یہ نہیں فرمایا کہ حضرت موسیٰ تمام کائنات
و مخلوقات کی نگاہ میں ابرو والے، مرتبہ والے، عزت والے ہیں۔ بلکہ یہ ارشاد فرمایا
وَكَانَ عِندَ اللَّهِ وَجِيهًا یعنی دنیا والے تو دنیا والے، تخت و تاج والے
تو تخت و تاج والے، سلاطین عالم تو سلاطین عالم، حضرت کلیم علیہ السلام کی عزت و
آبرو اور ان کے مراتب و درجات کا تو یہ عالم ہے کہ وہ خداوند اکرم، اور خلاق عالم
کے دربار عظمت میں عزت و مرتبہ والے ہیں۔ سبحان اللہ!

مسلمانو! سنو اور غور کرو کہ اگر کوئی شخص دنیا کے کسی بادشاہ کے دربار میں عزت

والا ہو جاتا ہے۔ تو دنیا والے قدرتی طور پر اس شخص کا ادب و احترام کرنے لگتے ہیں۔
اس سے ڈرنے لگتے ہیں۔ اس سے بڑی بڑی امیدیں وابستہ کرتے رہتے ہیں۔ تو بھلا
جو کوئی خلاق عالم کے دربار معظم میں عزت و آبرو کی عظمت، اور مراتب و درجات کی دولت
سے مالا مال ہو۔ وہ کیونکر نہ مخلوق خدا کی نگاہوں میں مکرم و محترم ہوگا؟ اور کیونکر نہ تمام دنیا
والے اپنی اپنی دینی و دنیاوی مرادوں میں اس سے اپنی امیدیں وابستہ کریں گے۔

حضرت گرامی! اب آپ سمجھ لیجئے۔ اور اندازہ لگائیے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ
السلام خدا کے دربار میں "وجیہ" یعنی آبرو والے، مرتبہ والے، اور مستجاب الدعوات میں
تو پھر بھلا خدا کے محبوب اکرم، رسول محترم، خلیفۃ اللہ الاعظم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ
تعالیٰ علیہ وسلم کی عزت و عظمت، اور ان کی وجاہت کا خدا کے دربار میں کیا عالم ہوگا
جو باعث ایجاد عالم ہیں، جن کی جو دو عطا سے بزم ہستی نے لباس وجود پہنا۔ جن کی نظر کرم
نے کائنات عالم کی زلفوں کے بیچ و خم کو سنوارا۔ جن کی رحمت کے پوارے سارے
جہاں کے ڈوبتے ہوئے سفینوں کو ہلاکت کی موجوں سے نکال کر ساحل نجات پر پہنچا
دیا۔ جو سردر انبیاء بھی ہیں اور تاجدارِ رحمت بھی جو مصداقِ کائنات بھی ہیں اور متکلم

دَمَّا يَنْطِقُ عَنِ الْكَلَمِ اِنَّ هُوَ اَلَدَّخِي يُوحٰی بھی

جو شہنشاہ ہر دوسرا بھی ہیں۔ اور محبوب کبریا بھی جو احمد مجتبیٰ بھی ہیں اور محمد مصطفیٰ بھی
ہے وہ مصداقِ کائنات ختدائی جس کی منزل عرش معلیٰ،

نکتہء مآذنی کا محرم صلی اللہ علیہ وسلم

شاہِ اُمم سلطان مدینہ، وہ جس کے کف پاپا پسینہ

گلگدہ فردوس کی شبنم صلی اللہ علیہ وسلم

جن کا پیارا نام محمد، فوزِ مخلصِ مؤید،

حسنِ مجرؤ نورِ مقدم صلی اللہ علیہ وسلم

سبحان اللہ سبحان اللہ! میرے رسول خاتمِ خدا کے حبیب اکرم صلی اللہ علیہ

وسلم کی عزت و عظمت، ان کی قدر و منزلت ان کی شان و جاہت کا کیا کہنا؟ سارے عالم میں

اعلان کر دو! میں کہتا ہوں کہ ہے

میں لکھ رہا ہوں وصف رسالت کا

روح الامین لائیں درق ماہتاب کا

کیا شان ہے حبیب خدا کے دیار کی

ہر ذرہ ہے جواب یہاں آفتاب کا

حضرات اسی لئے خداوند قدوس نے اپنے حبیب اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے

بارے میں ارشاد فرمایا کہ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا

لِتُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَتُعَزِّرُوهُ وَتُوَقِّرُوهُ وَتُسَبِّحُوهُ

بِكُورَةٍ وَأَصِيلًا

شاہد اور مبشر اور نذیر بنا کر بھیجا ہے۔ اور اے انسانو! ہم نے اپنے محبوب کو تین اعلیٰ

درجے کی صفات کے ساتھ بھیج دیا تو اب تم انسانوں سے ہمارے تین مطالبے بھی ہیں پہلا

مطالبہ توبہ ہے کہ لَتُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ کہ تم لوگ اللہ اور اس کے

رسول پر ایمان لاؤ۔ دوسرا مطالبہ یہ ہے کہ وَتُعَزِّرُوهُ وَتُوَقِّرُوهُ

یعنی تم لوگ اس رسول کی تعظیم و توقیر کرو۔ اور تیسرا مطالبہ یہ ہے کہ وَتُسَبِّحُوهُ بِكُورَةٍ

وَأَصِيلًا یعنی تم لوگ اللہ تعالیٰ کی صبح و شام پاکی بیان کرو اور اس کی عبادت کرو!

مسلمانو! دیکھ لو۔ یہ آیت پکار پکار کر اعلان کر رہی ہے کہ آنکھ دالو! دیکھ لو

تعظیم رسول کا جلوہ۔ کہ خداوند عالم نے انسانوں سے اپنے مطالبات کی جو ترتیب پیش

فرمائی ہے وہ یہ ہے کہ سب سے پہلا مطالبہ تو ایمان کا ہے اور ایمان کے بعد اپنی

عبادت کا مطالبہ نہیں بلکہ ایمان کے بعد وَتُعَزِّرُوهُ وَتُوَقِّرُوهُ فرما کر

اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و توقیر کا مطالبہ کیا ہے۔ پھر اس کے بعد وَتُسَبِّحُوهُ

بِكُورَةٍ وَأَصِيلًا فرما کر اپنی عبادت کا مطالبہ فرمایا!

عمارت اسلام کی تین منزلیں! سبحان اللہ! مسلمانوں! اس خداوندی ترتیب

سے پتہ چلتا ہے کہ ایک مسلمان کے لیے سب سے پہلے ایمان ضروری ہے۔ پھر تعظیم رسول۔ پھر خدا کی عبادت۔ اب اگر ایمان لانے کے بعد کوئی پھلا انگ لگا کر خدا کی عبادت کرنے لگے۔ اور درمیان کی منزل تعظیم رسول کو چھوڑ دے تو بلاشبہ اس نے خدا کی مقرر کی ہوئی ترتیب کو ٹھکرا دیا لہذا وہ کبھی فلاح کی منزل پر پہنچ کر کامیاب نہیں ہو سکتا۔ گویا اس آیت نے ہم کو یہ سبق دیا کہ عبادت اسلام کی تین منزلیں ہیں۔ پہلی منزل ایمان۔ دوسری منزل رسول کی تعظیم۔ تیسری منزل خدا کی عبادت۔ اس لئے لازم ہے کہ ایمان لانے کے بعد تعظیم رسول کی منزل پر پہنچیں۔ اس کے بعد خدا کی عبادت کریں۔ اس لیے کہ بغیر تعظیم رسول کے خدا کی عبادت ہرگز ہرگز مقبول نہیں ہو سکتی سبحان اللہ! کسی فارسی کے شاعر نے کیا خوب کہا ہے کہ ہے

زمین پاک طیبہ با حرم خویش نسبت دارد
کہ آل کا نشانہ رب العلیٰ را مست باب این جا۔

یعنی طیبہ کی پاک زمین حرم کعبہ کے ساتھ ایک بہت ہی اچھی نسبت ہے اور بہت ہی پیارا تعلق رکھتی ہے اذ وہ نسبت و تعلق یہ ہے کہ کعبہ خداوند رب العلیٰ کا گھر ہے۔ اور مدینہ کا گنبد خضرا و اس گھر کا دروازہ ہے! ہر کیفیت پر اور ان ملت! خلاصہ کلام یہ ہے کہ حضرات انبیاء کہ اسم کی تعظیم و تکریم حاصل ایمان بلکہ ایمان کی جان ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو اس کی پہچان اور اس نعمت عظمیٰ کی عظمت پر قربان ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

اے خدا! جسم میں جب تک کہ مری جان رہے۔ تجھ پہ صدقے! تیرے محبوب بہ قربان رہے
شامیانہ پر جہریں کا ہو تربت پر کشتہ عشق محمد کی یہ پہچان رہے
کچھ رہے یا نہ رہے۔ پر یہ دعا ہے کہ امیر نزع کے وقت سلامت میرا ایمان رہے

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد و آلہ وصحبہ

اجمعین ط

انتالبیسوال و عطا

عید میلاد

دو عالم کا حاصل یہی بار ہوئی ہے

مری عید کا مل یہی بار ہوئی ہے



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

نَحْمَدُهُ وَنُصَلِّي عَلَى رَسُولِهِ الْكَرِيمِ

أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

وَإِذْ قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِبَنَاتِهِ إِسْرَءِيلَ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ

إِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَةِ وَمُبَشِّرًا

بِرَسُولٍ يَأْتِي مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ فَلَمَّا

جَاءَهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ قَالُوا هَذَا سِحْرٌ مُّبِينٌ

(صف)

برادران ملت! یہ آواز بلند درود سلام کا غمرہ لگائیے۔

اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ

جو عشق نبی میں مست ہوا، کیا بات ہے اس مستانے کی
ہر گام پہ سو سو عقل فدا، گو شکل تو ہے دیوانے کی

جس دشت میں ان کا منوالا، طیبہ کے ترانے گاتا ہو
شاداب چمن سے بہتر ہے۔ کیا بات ہے اس ویرانے کی

وہ کیفِ حنوری کیا کہئے؛ کہئے بھی تو کہنا مشکل ہے
افسوں کی وہ لذت کیا کہنا؟ یہ بات نہیں سمجھانے کی

اس بزم کے قابل میں بھی نہیں، یہ دل بھی نہیں، یہ جاں بھی نہیں
دن رات یہ الجھن رہتی ہے کیا فکر کوں نذرانے کی؟

آتا ہے خوشی کا وہ موقع جس موقع پہ جاں قربان کروں
آئیں گے، الحمد میں آئیں گے، بس دیر تو ہے مرجانے کی

حضرات گرامی! یہ بارہویں شریف کی مقدس محفل، یعنی جلسہ میلاد النبی صلی اللہ
علیہ وسلم ہے جو مولائے کل، حضور ختم الرسل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت با
سعادت کے ذکر جمیل اور آپ کی سیرت مقدسہ کے بیان کے لیے منعقد کیا گیا ہے۔
حضرات! سال کے بارہ مہینوں میں ایک مسلمان کے نزدیک ماہ ربیع الاول کی بارہویں
تاریخ وہ ایمان افروز اور روح پرور تاریخ ہے۔ جو ایمانی شادمانی کے ہزاروں گلشن
اپنے دامن میں لئے ہوئے ہے۔ درحقیقت یہ تاریخ ایک مسلمان کی وہ ”عید سعید“
ہے۔ کہ عید الفطر ہو، یا عید الاضحیٰ، شبِ برأت ہو، یا شبِ قدر، ہر اسلامی خوشی کا دن،
اور ہر ایمانی شادمانی کی رات اسی بارہویں شریف کا طفیل اور صدقہ ہے۔ وابتداء یہ
مقدس تاریخ اگر اپنے دامن میں ولادتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسرت لئے
ہوئے عالم وجود میں نہ آتی۔ تو نہ کعبہ قبلہ رابل ایمان ہوتا۔ نہ نزولِ قرآن ہوتا نہ دین
اسلام ہوتا نہ کوئی مسلمان ہوتا ہے

ہوتے کہاں خلیل و بنا کعبہ و منی؟

لولاک ولے! صابحی سب تیرے گھر کی ہے۔

مسلمانو! سبحان اللہ۔ سبحان اللہ! اس بار ہویں شریفیت کی شان کا کیا کہنا؟ سن
لو۔ اس بار ہویں شریفیت، اور میلاد رسول کی عظمت کا کیا پوچھنا؟ سے

مسرت کی محفل ہی بار ہویں ہے دو عالم کا حاصل یہی بار ہویں ہے
سکون بخش بسمل یہی بار ہویں ہے مری عید کامل یہی بار ہوں ہے

یہ بارہ نہ ہوتی تو کچھ بھی نہ ہوتا

محمد نہ ہوتے تو کچھ بھی نہ ہوتا

نہ شمس و قمر کی جیسے جگمگاتی؟ نہ شاخوں پہ بیٹھی کلی مگراتی

نہ شبیم میں پتی چمن کی نہائی نہ اگر گلوں کو صبا گد گداتی

یہ بارہ نہ ہوتی تو کچھ بھی نہ ہوتا

محمد نہ ہوتے تو کچھ بھی نہ ہوتا

دو عالم کی بستی بسی اس کے صدقے گلوں کو ملی تازگی اس کے صدقے

ملی جس کو جنت، ملی اس کے صدقے دلی اس کے صدقے نبی اس کے صدقے

یہ بارہ نہ ہوتی تو کچھ بھی نہ ہوتا

محمد نہ ہوتے تو کچھ بھی نہ ہوتا

یہ محفل ہے نعتیں سنانے کی محفل یہ محفل ہے خوشیاں منانے کی محفل

یہ محفل ہے آقا کے آنے کی محفل یہ محفل ہے قسمت بنانے کی محفل

یہ بارہ نہ ہوتی تو کچھ بھی نہ ہوتا

محمد نہ ہوتے تو کچھ بھی نہ ہوتا

حضرات! اس بند کے آخری دو مصرعے بڑے ہی روح پرور

میلاد میں رسول کی آمد اور ایمان افروز ہیں۔ سبحان اللہ ماشاء اللہ سنئے اور

غور سے سنئے ہر

یہ محفل ہے آقا کے آنے کی محفل

یہ محفل ہے قسمت بنانے کی محفل

وامثلہ! بڑا ہی کیفیت آور، اور دہ آفریں شاعر ہے۔ اور آپ یہ نہ سمجھئے کہ یہ میرے
 دماغ کی جولانی، یا میرے زور بیان کی طوفانی روانی ہے۔ بلکہ یہ ایک ایسی روشن حقیقت
 ہے۔ کہ آفتاب و ماہتاب کی تجلیاں اس سے نور و ضیا کی بھیک مانگا کرتی ہیں!
 مسلمانو! تم گسار درد مندوں، اور چارہ گر بیکیاں، رحمت عالم و عالمیان صلی اللہ
 علیہ وسلم کا مدینہ سے کہیں آنا اور جانا یہ کوئی نادر الوجود یا تعجب خیز بات نہیں۔ مسلمانو! خوب
 سمجھ لو کہ تم مدینے سے دور ہو۔ مگر مدینے والے تم سے دور نہیں ہیں۔ اعلیٰ حضرت قیلتے
 کیا خوب فرمایا کہ ہے

وہ شرف کہ قطع ہیں نسبتیں، وہ کرم کہ سب فریب ہیں

کوئی کہہ سے یا اس و امید سے وہ کہیں نہیں وہ کہاں نہیں

مسلمانو! غور کرو کہ تم اس دقت زمین پر بیٹھے ہو۔ اگر میں تم سے کہوں کہ تم چاند تاروں
 کو دیکھو۔ تو تم نظر اٹھا کر ایک سکند سے بھی کم میں چاند تاروں کو دیکھ لو گے اور تمہاری
 آنکھوں کا نور ایک سکند سے بھی کم میں لاکھوں میل کی دوری پر بسنے والے چاند تاروں
 تک پہنچ کر پلٹ بھی آئے گا۔ تو جب تمہاری آنکھوں کے نور کا چاند تاروں تک جانا اور
 پلٹ آنا۔ ایک سکند سے بھی کم میں روزانہ لاکھوں بار ہو سکتا ہے تو وہ ذات
 انور جو صرف نور ہی نہیں۔ بلکہ نور علی نور بلکہ اصل ہر نور ہے۔ جو ساری خدائی کا بھی نور
 ہے۔ اور خدا کا بھی نور ہے۔ اگر وہ مدینہ سے ہماری محفل میلاد میں جلوہ گر ہو جائیں
 اور پھر مدینہ تشریف لے جائیں۔ تو اس میں کون سا تعجب کا مقام ہے؟ کیا ہماری آنکھوں
 کے نور سے خدا کا خاص نور کروڑوں درجے افضل و اعلیٰ نہیں ہے؟ تو پھر ایک
 پل بھر میں ان کے یہاں آئے اور جانے میں کون ہے جو شک یا انکار کر سکتا
 ہے؟

غریب و اور دوستو! حضرت مولانا آسی علیہ الرحمۃ نے اس مضمون پر کیا خوب قطع لکھا

ہے۔ غلط خطہ ہوے عشق بازو! جو شہ ہر در سہرا تک پہنچا

وہ خدا تک، وہ خدا تک، وہ خدا تک پہنچا

کیا نہ پہنچے گا وہ فریاد کو میری پل میں ؟
جو پلک مارنے میں عرش خدا تک پہنچا ؟

مسلمانو! اسی طرح یہ بھی ایمان رکھو کہ در رسول وہ مقدس چوکھٹ ہے کہ
یہاں قسمت بنتی بھی ہے۔ اور بگڑاتی بھی ہے۔ اچی کون نہیں جانتا کہ حضرت
ہلال ایک حبشی غلام تھے نہ کوئی عزت تھی نہ کوئی وقار۔ مگر جب یہی ہلال حضور احمد مختار
صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں پہنچ کر ان کی مقدس چوکھٹ سے چمٹ گئے تو ان کی قسمت
بن گئی۔ کہ جب مدینے کی گلیوں میں چلتے پھرتے تھے تو وہ جتنی صحابہ جن کی آنکھوں میں
نور بصارت کے ساتھ ساتھ نور بصیرت بھی تھا۔ جب وہ ہلال کے چہرے کو دیکھتے تھے
تو زبان حال سے پکار اٹھتے تھے کہ

یہ راجھا ہے فلک پر نہ ہلال اچھا ہے
چشم بینا ہو تو دونوں سے ہلال اچھا ہے۔

اور ثعلبہ بن ابی عاصم جو دور صحابہ میں اتنے عبادت گزار اور مقبول خلائق و باوقار
تھے کہ لوگ محبت و پیار میں ان کو ”حامیۃ المسجد“ یعنی مسجد کا بھوتہ کہتے تھے مگر جب
انہوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا۔ اور رحمتِ عالم نے ان سے رد ٹھکران
کو اپنی چوکھٹ سے ٹھکرا دیا۔ تو ایک دم ان کی قسمت اس طرح بگڑ گئی کہ ایمان کی
دولت برباد ہو گئی۔ اور یہ سرپا۔ پٹک کر مر گئے۔ مگر مردودیت کا بدنام داغ ان کی
پیشانی سے نہ دھل سکا۔ اور یہ دونوں عالم میں ذلیل و خوار ہو گئے۔ اللہ اکبر! بالکل سچ کہا
کسی عادت نے کہ

خدا کا تہر ہے ان کی نگاہ کا پھرنا
گر جو ان کی نظر سے سنبھل نہیں سکتا

بہر کیف حضرات گرامی! میں نے خطبہ کے بعد سورہ ”صف“ کی ایک آیت مبارکہ
کی تلاوت کی ہے جو اسی مضمون پر شاہدِ عدل ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم
کی ولادت باسعادت کی تاریخ عید، اور خوشی منانے کی تاریخ ہے !

اس آیت کریمہ میں خدا کے ایک اولوالعزم پیغمبر حضرت مسیح مریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک نورانی وعظ ہے جسے وہ اپنی قوم بنی اسرائیل کو برسوں سناتے رہے۔
حضرات! جناب عیسیٰ علیہ السلام کے اس مقدس وعظ پر ایک نگاہ ڈالنے سے پتہ چلتا ہے کہ بارہویں شریف کی تاریخ صرف اسی امت مسلمہ کے لئے مسرت و شادمانی کا دن نہیں ہے بلکہ حضرت مسیح اس تاریخ کے آنے سے سیکڑوں برس پہلے اپنی قوم بنی اسرائیل کو یہ درس دے رہے ہیں کہ ولادت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک تاریخ بلاشبہ مسرت و شادمانی اور عید منانے کا دن ہے۔ چنانچہ اب آپ اس آیت کا ترجمہ سن کر بغور ملاحظہ فرمائیے۔ کہ کس طرح حضرت مسیح اس تابناک حقیقت پر اپنی مہر تصدیق ثبت فرما رہے ہیں کہ پیارے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارہویں شریف فرخ و سرور کے نور سے منور اور اہل ایمان کے لئے خوشی منانے کا دن ہے۔ لہذا یہ تاریخ ایک مسلمان کے نزدیک سب سے بڑی عید کا دن ہے!
حضرات گرامی! ارشادِ ربانی ہے کہ!

وَاذْ قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ
يَبْنِيْٓ اِسْرَآئِيْلَ اِنِّیْ رَسُوْلُ
اللّٰهِ اَنِیْٓ اَکْمُرُ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ
یَدَیِّ مِنَ التَّوْرٰتِ وَ
مُبَشِّرًا بِرَسُوْلِ یَاْتِیْ مِنْ
بَعْدِیْ اَسْمُہٗٓ اَحْمَدُ

یعنی اے محبوب! اس وقت کو یاد کیجئے
جب عیسیٰ بن مریم نے یہ فرمایا کہ اے بنی
اسرائیل! میں تمہاری طرف اللہ کا رسول
ہو کر آیا ہوں۔ اور میرے دو تبلیغی مشن ہیں
ایک تو یہ کہ مجھ سے پہلے جو خدا کی کتاب
توریت نازل ہوئی ہے۔ میں اس کی
تصدیق کرنے کے لئے آیا ہوں کہ وہ حرف
بحرف صحیح اور منزل من اللہ ہے۔ اور دوسرا
یہ کہ میں اس عظمت والے رسول کی خوشخبری دینے
کے لئے آیا ہوں جو میرے بعد تشریف لائیں گے
جن کا نام ”احمد“ ہے۔

فَلَمَّا جَاءَهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ
قَالُوا هَذَا سِحْرٌ مُّبِينٌ ۝

لیکن جب وہ رسول معجزات لے کر تشریف لائے۔ تو لوگوں نے یہ کہا کہ یہ تو کھد ہوا

جادو ہے !

برادرانِ اسلام! غور فرمائیے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام حضور نبی آخر الزمان
بشارت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی خبر کو مُبَشِّرًا ۲۱ بِرَسُولٍ
کے لفظ سے بیان فرما رہے ہیں۔ حضرت مسیح علیہ السلام نے مُخْبِرًا ۲۱ بِرَسُولٍ
نہیں فرمایا کہ میں ایک رسول کے آنے کی خبر دے رہا ہوں۔ یا مُعَلِّمًا بِرَسُولٍ
نہیں کہا کہ میں ایک رسول کی آمد کا اعلان کرنے کے لئے آیا ہوں، بلکہ یہ فرمایا کہ

مُبَشِّرًا بِرَسُولٍ یعنی میں ایک رسول کی بشارت اور خوشخبری دینے کے لئے آیا ہوں !
اس لئے کہ ”خبر“ تو خوشی کی بھی ہوتی ہے۔ اور ”خبر“ غم کی بھی ہوتی ہے۔ اور اسی
بھی ”خبر“ ہوتی ہے۔ جو نہ خوشی کی ہو نہ غمی کی۔ اسی طرح ”اعلان“ بھی تین قسم کا ہوتا ہے۔
خوشی کا اعلان، غمی کا اعلان۔ ایسا اعلان جو نہ خوشی کا ہو نہ غم کا۔ مگر ”بشارت“ تو وہی
خبر کہلائے گی جو خوشی کی خبر ہو۔ چنانچہ علامہ بیضاوی اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ
الْبَشَارَةُ هُوَ الْخَبَرُ السَّارُّ فَإِنَّهُ يَظْهَرُ أَثَرُ السُّرُورِ فِي الْبَشَرَةِ -
(بیضاوی ص ۴) یعنی بشارت اسی خبر کو کہتے ہیں جو خوشی کر دینے والی ہو۔ اور خوشی
کی خبر کو ”بشارت“ اس لئے کہتے ہیں کہ اس خبر کا اثر انسان کے ”بشرہ“
یعنی کھال پر ظاہر ہوتا ہے۔ کہ بشارت اور خوشی کی خبر سن کر فطری طور پر انسان کے رخسار
پر ایک خاص قسم کی بشارت کے آثار نمودار ہو جاتے ہیں !

• برادرانِ ملت! جب آپ نے قرآن کی زبان سے سن لیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام
تے حضور نبی آخر الزمان خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی خبر کو بشارت
اور خوشخبری کہا۔ تو ثابت ہو گیا کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کا دن شادمانی
و مسرت اور خوشی مناتے کا دن ہے۔ اس لئے اس میں کوئی شک نہیں کہ بارہویں
شریف مسلمانوں کی ایک بہت بڑی عید کا دن ہے !

عبدال میلاد پر خوشی منانا | حضرات! کیوں نہ ہوا کہ حضرت حق جل جلالہ کا ارشاد ہے کہ

قُلْ بِفَضْلِ اللَّهِ وَبِرَحْمَتِهِ
فَبِذَلِكَ فَلْيَفْرَحُوا هُوَ
خَيْرٌ مِمَّا يَجْمَعُونَ ۝

یعنی اے محبوب! آپ فرمادیجئے کہ اللہ
کے فضل اور اس کی رحمت ہی پر لوگوں کو
چاہئے کہ خوشی منائیں۔ یہ ان کے سب دھن
دولت سے بڑھ کر ہے جس کو لوگ جمع کرتے
ہیں۔ (یونس)

میرے بزرگو اور بھائیو! جب خدا کے فضل اور اس کی رحمت پر خوشی منانے کا
خداوند قدوس نے حکم فرمایا ہے۔ تو غور کیجئے کہ حضور بنی آخر الزمان، چارہ ساز دردمنداں
شفیع عاصیاں کی اس دنیا میں تشریف آوری سے بڑھ کر ایک مومن کے لئے اور کون سا
فضل خداوندی ہوگا! اور رحمتہ للعالمین کی رحمت کاملہ سے بڑی اور کون سی رحمت ہوگی
جو ایک مسلمان کے لیے فلاح و ارین کا سامان بنے گی۔ اس لئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام
کے یوم ولادت پر خوشی منانا یہ احکم الحاکمین کا فرمان ہے۔ لہذا جس مسلمان کے سینے میں۔
دولت ایمان ہوگی وہ یقیناً بارہویں شریف پر خوشی منائے گا!

مسلمانوں! اب تم ہی بتاؤ کہ مسلمانوں کے خوشی منانے
خوشی منانے کے طریقے | کے کیا کیا اور کون کون سے طریقے ہیں؟ تم جانتے ہو کہ

اظہار مسرت اور خوشی منانے کے یہی طور طریقے تو ہیں کہ انسان جب خوشی مناتا ہے تو
اپنے جسم اور لباس کو زینت دیتا ہے۔ اپنے مکان، اپنی دکان، اپنے سامان
کو صاف ستھرا کر کے سجاتا ہے، آرائش کرتا ہے۔ جھنڈے جھنڈیاں لگاتا ہے روشنی
کرتا ہے۔ اپنے دوست اور احباب کو اپنے گھر بلاتا ہے۔ قسم قسم کے پکوان پکاتا ہے اور
خوش ہو ہو کر کھاتا ہے۔ اپنے چہرے پر شگفتگی اور بشاشت کا اظہار کرتا ہے۔
تم ہی بتاؤ کہ اگر کسی کے گھر کوئی خوشی ہوگی تو کیا وہ اظہار خوشی کے لیے میلے کچیلے اچھے
پرانے کپڑے پہنے گا؟ کیا وہ اپنے مکان، دکان اور سارے سامان کو پھوہڑا اور گندہ رکھے گا؟

کیا وہ اپنے مکان اور صحن کو اظہارِ مسرت کے لئے بالکل اندھیرا بنے دے گا؟ کیا وہ خوشی کے دن اچھے اچھے کھانے نہیں کھائے کھلائے گا؟ کیا وہ خوشی کے دن خوشی منانے کے لئے مکی اور یاجرجے کا ستو کھائے گا؟ اور کھلائے گا؟ جس کو منہ میں رکھ کر جب گردن پر گھون مارے تو وہ حلق سے اترے؟

تو میرے بھائیو! جب بارہویں شریف عید اور خوشی منانے کا دن ہے۔ تو ظاہر ہے کہ خوشی منانے کے تمام جائز طریقے اس دن برتے جائیں گے۔ چنانچہ اہل سنت و جماعت چونکہ بارہویں شریف کو عید میلاد اور خوشی منانے کا دن مانتے ہیں۔ اس لئے مکاؤں وکانوں، سڑکوں اور گلیوں کو سجاتے ہیں۔ جھنڈے اور جھنڈیاں لگاتے ہیں۔ شامیانے تان کر مجلسوں کو روشنیوں اور قسم قسم کی آرائشوں سے مزین کر کے ذکرِ میلاد کی مجلسیں منعقد کرتے ہیں۔ مٹھائیاں تقسیم کرتے ہیں۔ زردہ پلاؤ، بریانی، حلوی وغیرہ قسم قسم کی غذائیں تیار کر کے نیازِ فاتحہ دلاتے ہیں۔ اور کھاتے کھلاتے ہیں۔ اور اچھے اچھے کپڑے پہن کر، اور نعت شریف اور صلاۃ و سلام پڑھ پڑھ کر اپنی ایمانی بشارت اور روحانی شادمانی و مسرت کا اظہار کرتے ہیں۔ اور زبانِ حال و قال سے یہ اعلان کرتے ہیں کہ

غرض ہے السداد نجدیت ہو

رسول حق کا چرچا جا بجا ہو۔

اور جن لوگوں کے نزدیک رحمۃ للعالمین کی ولادت کا دن خوشی کا دن نہیں ہے وہ اس دن اپنے گھروں کو گندہ اچھوٹا اور اندھیرا ہی رکھتے ہیں۔ نہ اچھا کھاتے کھلاتے ہیں۔ نہ صاف ستھرا کپڑا پہنتے ہیں۔ نہ اپنے چہروں پر مہنسی خوشی کے آثار ظاہر کرتے ہیں۔ بلکہ "ابجد ہوز" بنے منہ لٹکائے پھرتے ہیں۔ اور سنیوں کے جشنِ مسرت کی ذہنیات اور آرائشوں پر نتختے پھلتے اور جلتے بھنتے رہتے ہیں!

اب مسلمانو! فیصلہ تمہارے ہاتھ میں ہے کہ کون قرآن کے فرمان پر عمل کر رہا ہے؟ اور کون فرمانِ قرآن سے منہ موڑ رہا ہے؟ قرآن نے تو ولادتِ رسول کو "بشارت" یعنی خوشخبری اور خوشی منانے کا دن بتایا ہے۔ اب جو قرآن پر ایمان رکھتا ہے۔ وہ بارہویں کے دن

ضرورت خوشی منائے گا۔ اور خوشی منانے کے جتنے جائز طریقے ہیں۔ وہ سب کرے گا۔ اور
ہو اس دن کو خوشی کا دن نہ مان کر اظہار شادمانی و مسرت کا اعلان نہیں کرتا۔ وہ لاکھ بار کہے
کہ میں قرآن پر ایمان رکھتا ہوں۔ مگر خدا کی قسم اس کا عمل اس کے قول کی تکمیل کر رہا ہے۔
کہ وہ بارہویں شریف کو خوشی کا دن نہیں مانتا!

پڑھئے درود شریف۔ اللہ صلی علی سیدنا محمد و علی آلہ
و اصحابہ و بارک و سلم۔

حضرات! آپ کو معلوم ہے کہ قرآن مجید رمضان شریف کی ایک رات میں
شب قدر لوح محفوظ سے آسمانِ ادل پر نازل کیا گیا۔ اور آسمانِ ادل سے
قییئس برس میں رفتہ رفتہ حضور اکرم علیہ السلام پر اترا۔ تو رمضان شریف کی وہ ایک
مقدس رات جس رات میں قرآن مجید لوح محفوظ سے آسمانِ ادل پر نازل ہوا اس رات
کی عظمت اور بزرگی کا خطبہ پڑھتے ہوئے قرآن مجید میں حضرت حق جل مجدہ نے ارشاد
فرمایا کہ۔

إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ
الْقَدْرِ وَمَا أَدْرَاكَ مَا لَيْلَةُ
الْقَدْرِ لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ
أَلْفِ شَهْرٍ
یعنی ہم نے بیشک قرآن کو شب قدر میں
نازل کیا اور تمہیں کیا معلوم کہ شب قدر کیا
ہے شب قدر ایک ہزار مہینوں سے
بہتر ہے!

مسلمانو! غور کرو کہ رمضان شریف کی ایک رات میں قرآن مجید لوح محفوظ سے آسمان
دنیا پر اترا تو وہ ایک رات عظمت و فصیلت میں اتنا بلند مرتبہ رکھتی ہے کہ اس کا نام ہی
”شب قدر“ یعنی مرتبہ والی رات ہے۔ اور وہ اکیلی ایک رات ایک ہزار مہینوں سے بہتر ہے
تو پھر بھلا سوچئے کہ پورا قرآن جس ذاتِ اقدس پر نازل ہوا۔ جو قرآن کے امین اور
رسول رب العالمین ہیں۔ وہ جس تاریخ میں روئے زمین پر تشریف لائے۔ کیا وہ تاریخ سال
کی تین سو ساٹھ تاریخوں میں ایک خاص حیثیت سے افضل و اعلیٰ، اور بہتر و بالائے ہوگی ہوگی
اور ضرور ہوگی!

حضرات گرامی! اسی لئے جو لوگ بارہویں شریف کی محفلیں منعقد کرتے ہیں اور جلسوں کو قسم قسم کی آرائشوں سے آراستہ کرتے ہیں۔ اور اس طرح اپنے فرح و سرور اور شادمانی و مسرت کا اظہار کرتے ہیں وہ لوگ یقیناً قرآن کے فرمان پر عمل پیرا ہو کر اپنے ایمان و عمل کی دنیا کو نور ایمان کی روشنی سے اس طرح جگمگا دیتے ہیں کہ ان کے وجود و مستی کا ہر ذرہ رشک آفتاب و ماہتاب بن جاتا ہے۔ اور جو لوگ اس دن کی کوئی قدر نہیں کرتے بلکہ اس دن کی عظمت کو گھٹاتے رہتے ہیں۔ وہ یقیناً خسروان و محرومی کے اتنے یقین غار میں گر پڑے ہیں۔ جہاں آفتاب سعادت کی شعاعیں بھی نہیں پہنچ سکتی ہیں!

اس لئے پیارے مسلمانو! میں آخری دم تک تم سے یہی کہتا رہوں گا کہ

مثیل فارس زلزلے ہوں نجد میں
نکر آیات ولادت یہ کہئے

کیونکہ سلف صالحین اور موجودہ دور کے تمام علم و ادب و ایمان اہلسنت ہمیشہ بارہویں شریف کی محفلیں اور مجالس میلاد شریف منعقد کرنے سے رے اور اس کی برکتوں سے مالا مال ہوتے رہے ہیں

یہاں تک کہ حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی جو علماء دیوبند اور علماء اہلسنت دونوں کے شیخ الحدیث اور مسلم الثبوت مقتدا اور پیشوا ہیں۔ انہوں نے تو بارہویں شریف کی مجلس میلاد شریف کے بارے میں ایک ایسا واقعہ لکھا ہے کہ اگر علماء دیوبند واقعی ان کو اپنا پیشوا اور استاذ حدیث مانتے ہیں۔ تو اس کو پڑھ کر انہیں چاہئے کہ میلاد شریف کی مخالفت سے توبہ کر لیں!

حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے غالباً اپنی کتاب الدر الثمین میں لکھا

ہے کہ ان کے والد ماجد حضرت مولانا شاہ عبد الرحیم صاحب قبلہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ بیان فرمایا کرتے تھے کہ میں ہر سال بارہویں شریف کے میلاد شریف میں طعام اور شیرینی تقسیم کرتا تھا۔ مگر ایک سال کچھ تنگدستی ہو گئی۔ تو میں نے بھٹے ہوئے چنے پر فاتحہ دے کر

بار ہویں شریف کے میلاد شریف میں تقسیم کر دیا۔ تو مجھے خواب میں حضور رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہو گئی۔ اور میں نے یہ دیکھا کہ میرے دہی چنے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے رکھے ہوئے ہیں۔ اور حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہو رہے ہیں!

سبحان اللہ، ماشاء اللہ! اس بشارت عظمیٰ پر ہماری جان قربان! رحمت عالم نذاہ ابی و امی کہتے کریم و رحیم آتا ہیں۔ کس قدر اپنی امت پر مہربان! اور مسکین نوان میں کہ اپنے ایک مسکین امتی کے بھٹے ہوئے چوڑوں کے تحفہ کو قبول فرما کر اپنے دیدار پڑ الوار کی دولت سے مالا مال فرما دیا۔ سبحان اللہ! سے

کیوں تاجدارو! خواب میں دیکھی کبھی یہ شے
جو آج بھولیوں میں گدایانِ در کی ہے

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد و آلہ وصحبہ

اجمعین



چالیسواں وعظ
محجوزیارت

یہ مکہ ہے یہاں دیوانگی بھی حسنِ ایماں ہے
مگر طیبہ میں دامن ہوش کا چھوٹا تو سب چھوٹا

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ
اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
وَبِاللّٰہِ عَلٰی النَّاسِ حِجَّہُ الْبَیْتِ مِنْ اُسْطَظَاعِ الْیَمِ سَبِیْلًا
وَمَنْ کَفَرَ فَاِنَّ اللّٰہَ غَفِیُّ الْعٰلَمِیْنَ
(آل عمران)

بادشاہِ ملت! بہ آواز بلند درود شریف پڑھیے!
اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَاٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ وَاَبَارِكْ وَسَلِّمْ
صَلَاةٌ وَسَلَامًا عَلَیْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰہِ!
حضرات! پہلے ایک نعت اشرافیہ پیش کرتا ہوں۔ سماعت فرمائیے!

حاجیو! اب گنبدِ سرکارِ تھوڑی دور ہے
رحمتِ حق کا علمبردارِ تھوڑی دور ہے
مشقِ دستی میں قدم آگے بڑھا کر دیکھ لو!
گنبدِ خضرِی کا وہ مینارِ تھوڑی دور ہے

ہے خریدارِ گنہ رحمت کا تاجر جس جگہ
 نعمتِ کونین ملتی ہے گماؤں کو جہاں
 اللہ اللہ! وہ گلستانِ مدینہ مرجبا!
 لے کے اترے تھے جہاں بہرِ بل بھی فوجِ ملک
 وہ شہیدانِ محبت کی مقدس خواب گاہ
 کیوں نہیں تھمتے ہیں آنسو کیوں کھینچا جاتا ہے دل
 عاصیو! وہ مصطفیٰ بازارِ تھوڑی دُور ہے
 وہ محمد کا سخی دربارِ تھوڑی دُور ہے
 پھول سے بہتر ہیں جس کے خارِ تھوڑی دُور ہے
 وہ احد کا جنتی کہسارِ تھوڑی دُور ہے
 وہ بقیع پاک پر انوارِ تھوڑی دُور ہے
 اب یقیناً کوچہ دلدارِ تھوڑی دُور ہے
 دشتِ طیبہ ہے۔ یہاں چل سر کے بل اسے اعظمی
 مصطفیٰ کا جنتی دربارِ تھوڑی دُور ہے

حضرات! میں آج "سج و زیارت" کے موضوع پر چند منٹ آپ سے خطاب کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔

مسلمانو! یوں تو ایک مسلمان اپنی زندگی میں قسم قسم کے بہت سے سفر کرتا ہی رہتا ہے۔ تجارتی سفر، تعلیمی سفر، ملاقاتی سفر، تفریحی سفر، وغیرہ وغیرہ مگر حج و زیارت کے لیے حرمین طیبین کا سفر اپنی خصوصی نوعیت کے لحاظ سے ایک عجیب ہی سفر ہے۔ اس سفر کی ایمانی کشش اور روحانی جاذبیت، اور قدم قدم پر نئے نئے دلولوں کا طوفانی جوش و خروش ایک نرالا کھیف و سرور، ایک عجیب قسم کی سرمستی و بے خودی، ایک رقت انگیز وارفتگی، ایک باشعور دیوانگی، کی ملی جلی کیفیات سے ایک عجیب عالم ہوتا ہے کہ اس سفر کا مسافر زبانِ حال سے یہ کہتا ہوا گرتا پڑتا چلا جاتا ہے کہ

چلو وادی عشق میں پا برہنہ !!

یہ جنگل وہ ہے جس میں کانٹا نہیں ہے

اس سفر میں بڑی بڑی کلفتوں اور تکلیفوں کے خارزار، اس طرح نگاہوں کے سامنے آتے ہیں کہ گریا ہر نوکِ خار میں بہشت کے گلزار اپنی پوری بہار کے ساتھ دعوتِ دیدار سے رہے ہیں۔ کمزور و ناتواں حُجّاج جو ضعفِ پیری کا شکار ہیں کمزور و لاچار ہیں۔ مگر دیارِ حبیب کی منزلوں کو جلد سے جلد طے کرنے کے لیے اس قدر بے قرار ہیں کہ ان کے دوش ہوش

پر ایک خاص قسم کا جوش سوار ہے۔ اور وہ سراپا کیف و مستی کے اُئینہ دار بنے ہوئے ہر قدم پر زبان حال سے یہ نغمہ گاتے ہوئے اُفتاں، خیزاں، چلے جا رہے ہیں کہ

وہ قدم بھی نہیں چلنے کی ہے طاقت مجھ میں
شوق کھینچے لے جاتا ہے۔ میں کیا جاتا ہوں

برادرانِ ملت! کیوں نہ ہو؟ آخر ان مسافروں کا مقصد سفر، اور منزل مقصود کیا ہے؟ واللہ یہ وہ مسافر ہیں جو اپنے اللہ کا گھر، اور اپنے محبوب کا در دیکھنے کے شوق میں اپنے گھر سے سفر میں نکل پڑے ہیں۔ سبحان اللہ! خدا نے ایک مسلمان کو آنکھ دی۔ آنکھوں میں روشنی دی۔ مسلمان نے اپنی اس آنکھ سے زمین دیکھی، آسمان دیکھا، سارا جہاں دیکھا۔ لیکن اگر مسلمان نے اپنی اس آنکھ سے اللہ کا گھر، اور اس کے محبوب کا در نہیں دیکھا۔ تو گویا کچھ بھی نہیں دیکھا۔ مسلمان میری دعا ہے کہ خداوندِ کریم ہر مسلمان کو اپنا گھر، اور اپنے محبوب کا در دکھائے۔ (آمین)

مسلمانو! ذرا سوچو تو سہی کہ ان مسافروں کا مقصد سفر کتنا جاذبِ قلب و نظر، اور ان کی منزل مقصود کتنی پرکشش اور کس قدر روح پرور ہے؟ پھر کیوں نہ ہر قدم پر جوش و خروش کی پوری دنیا جھک جھک کر ان کے قدموں کا بوسہ لے؟ اور کیوں نہ یہ لوگ کیف و مستی کا ایک ایسا انوکھا مجسمہ بن جائیں جن کو مستِ الت کے سوا کچھ بھی نہ کہا جاسکے اور کیوں نہ ان کی ہر اداؤں میں دالہانہِ مستی اور ستانہِ دار فنگی کا ایسا سرد و رخوار ہو جس کو دیکھ کر ہر شخص بے اختیار پکار اٹھے کہ

سمجھ سکے نہ حقیقت کا راز فرزانے!

زبانِ حال سے کہتے رہے جو دیوانے

برادرانِ اسلام! میں عرض کر چکا کہ اس سفر کے دو مقاصد ہیں۔ ایک بیت اللہ شریف کا حج۔ دوسرے رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے دربارِ پُر انوار کی ماضی۔ یہ دونوں مقاصد ایک مومن کی نگاہِ ایمان میں کتنے باند اور کس قدر عظمت داتے ہیں؟ اللہ اکبر

مبارک ہیں، مبارک ہیں۔ خدا شاہد مبارک ہیں

یہ مکہ دیکھنے والے۔ مدینہ دیکھنے والے

حج و زیارت کیلئے | برادران ملت! صاحب استطاعت مسلمان کے لیے عمر بھر میں ایک بار حج کرنا فرض ہے۔ اور روضہ منورہ کی زیارت قریب بواجب

ہے۔ قرآن مجید میں پروردگار عالم جل جلالہ کا فرمان ہے کہ

إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ
لِلنَّاسِ لَكَذِي بَيْكَةِ مَبَارَكًا
وَهُدًى لِّلْعَالَمِينَ ه فِيهِ آيَاتٌ
بَيِّنَاتٌ مَّقَامُ إِبْرَاهِيمَ ه وَمَنْ
دَخَلَهُ كَانَ آمِنًا ط

یعنی سب سے پہلا گھر جو بغرض عبادت لوگوں
کے لیے بنایا گیا وہ ہے جو مکہ میں ہے۔ برکت
والا ہے۔ اور تمام جہان کے لیے ہدایت ہے
اس میں کھلی ہوئی نشانیاں ہیں۔ مقام ابراہیم ہے
اور جو شخص اس میں داخل ہوا وہ امن پانے
والا ہے۔

وَاللَّهُ عَلَى النَّاسِ حَجُّ الْبَيْتِ
مَنْ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا ه
وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ عَنِ
الْعَالَمِينَ ه

اور اللہ کے لیے ان لوگوں پر بیت اللہ کا
حج ہے جو وہاں تک کا راستہ طے کرنے
کا طاقت رکھتے ہوں۔ اور جو کفر کرے تو
اللہ سارے جہان سے بے نیاز ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ایک دوسری آیت میں ارشاد ہے کہ :-

وَأَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلَّهِ ط

یعنی حج اور عمرہ کو اللہ کے لیے پورا کر دو۔

حضرات! ان آیتوں سے حج کی فرضیت ثابت ہے۔ یاد رکھیے کہ حج سہ ماہ میں فرض
ہوا اور حج کی فرضیت اتنی ہی قطعی اور یقینی ہے جتنی کہ نماز و روزہ اور زکوٰۃ کی فرضیت قطعی
و یقینی ہے۔ جو شخص اس کے فرض ہونے کا انکار کرے وہ کافر ہے، اور جو بلا عذر باوجود
حج فرض ہونے کے حج نہ کرے، یا بلا عذر حج میں تاخیر کرے وہ سخت گناہگار ہے!

حضرات! حج کے اجر و ثواب، اور اس کی نفیست کا کیا کتنا؟ سبحان اللہ! حضور سید عالم
صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جس نے حج کیا اور رفث (فحش کلامی) نہ کیا۔ اور فسق نہ کیا تو
وہ گناہوں سے پاک ہو کر ایسا لوٹا جیسے اُس دن کہ ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا تھا (یعنی)
حضرات! اسی طرح حضور سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ منورہ کی زیارت

کے بارے میں ارشادِ ربانی ہے کہ۔

وَكُتُوا أَنْفُسَكُمْ إِذْ ظَلَمْتُمْ أَنْفُسَكُمْ جَاءُوكُمْ فَاسْتَغْفِرُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَوَّابٌ ۖ
یعنی اگر وہ لوگ جنہوں نے کوئی گناہ کر کے اپنی جانوں پر ظلم کر لیا ہے اسے رسول! آپ کے دربار میں حاضر ہو جائیں۔ پھر اپنے گناہوں سے توبہ کر کے اللہ سے بخشش مانگیں۔ اور رسول بھی ان کے لیے مغفرت کی دعا کریں۔ تو وہ لوگ اللہ کو بہت زیادہ توبہ قبول کرنے والا، رحم فرمانے والا پائیں گے!

اسی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے حج کیا۔ اور میری زیارت نہ کی۔ اس نے مجھ پر جہاکی۔ (بہارِ شریعت)
اللہ اکبر! بھلا اس بد نصیب کا کہاں ٹھکانا ہوگا؟ جو خدا کے پیارے محبوب پر ظلم و جفا کرے گا۔ اسی لیے علماء اہل سنت یہ فتویٰ دیتے ہیں کہ روضہ منورہ کی زیارت اس قدر اہم ہے کہ واجب کے قریب ہے۔ اور بہت ہی بڑا بد نصیب ہے وہ حاجی جو مدینہ منورہ نہ جائے۔ اور صرف حج کر کے مکہ سے بھاگ نکلے! خداوند کریم ہر مسلمان کو در رسول کی حاضری نصیب فرمائے (آمین) اللہ اکبر

اللہ اکبر! اپنے قدم اور یہ خاک پاک
حضرت ملائکہ کو جہاں وسیع سر کی ہے

حضرات گرامی! حج کے فرائض و واجبات، اور سن و مستحبات اسی طرح
آدابِ حرمین | زیارت کے مسائل پر تو مجھے اتنے قلیل وقت میں روشنی ڈالنی نہیں ہے
یہ سب مسائل تو معلم صاحبان ہر حاجی کو بتا ہی دیتے ہیں پھر حج و زیارت کے بارے میں
بہت سے چھوٹے چھوٹے رسائل بھی مسائل بتانے کے لیے کافی ہیں۔

میں تو اس وقت اس مجلس میں صرف سفر حج و زیارت میں مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ
کے ادب و احترام کے بارے میں چند کلمات عرض کر دینا چاہتا ہوں۔ جو درحقیقت ان دونوں

مغفروں کی روح مقاصد ہیں۔ اعلیٰ حضرت بریلوی قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں کہ
 حرم کی زمیں، اور قدم رکھ کے چلنا ارے سر کا موقع ہے اور جانے والے
 اور حضرت مولانا اکیسیہ الرحمہ نے تو بڑا ہی کیف اور وجداً فریں شعر لکھا ہے وہ
 اپنے کیف و وجد کے عالم میں فرماتے ہیں کہ

اے پائے نظر! ہوش میں آگئے نبی ہے
 آنکھوں سے بھی چلنا تو یہاں بے ادبی ہے

حضرات! مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ ان دونوں حرموں کے
 مکہ میں مست، مدینہ میں ہوشیار

بارے میں ایک مصرع بہت ہی مشہور ہے کہ

با خدا دیوانہ باش، دبا محمد ہوشیار
 میں نے اپنی تک بندی کرتے ہوئے اس کی تضمین کی ہے اور پہلا مصرع یہ ملا دیا ہے
 در حرم وارتگی کن، در مدینہ ہوش دار
 با خدا دیوانہ باش، دبا محمد ہوشیار

یعنی خدا کے دربار حرم مکہ میں تو خوب خوب اپنے جنون عشق، اور وارتگی و بے خودی
 کا مظاہرہ کر دے مگر جب محمد رسول اللہ کے دربار مدینہ میں پہنچے۔ تو وہاں بالکل سنجیدہ اور ہوشیار
 بن کر دربار میں حاضری دو۔

بیکل بلام پوری نے اسی شعر کا اردو میں ترجمہ کرتے ہوئے لکھا ہے۔ اور ماشاء اللہ
 خوب لکھا ہے ملاحظہ فرمائیے۔ وہ فرماتے ہیں کہ۔

یہ مکہ ہے، یہاں دیوانگی بھی حسن ایساں ہے

مگر طیبہ میں دامن ہوش کا چھوٹا۔ تو سب چھوٹا

مطلب یہ ہے کہ مکہ مکرمہ جہاں حرم الہی ہے۔ یہاں تو دیوانگی کی ادائیں بھی ایمان کے
 حسن کا نشان ہیں۔ مگر مدینہ منورہ میں اگر آدمی نے ہوش کا دامن چھوڑ دیا۔ اور کوئی دیوانہ پن
 کی حرکت کر بیٹھا۔ تو پھر سمجھ لو کہ اس کا دین و ایمان سب کچھ چھوٹ گیا۔ یعنی دین و ایمان کی ساری
 دولت ہی غارت و برباد ہو جائے گی!

حضرات! ناری کا مصرع ”با خدا دیوانہ باش و با محمد ہوشیار“ درحقیقت یہ ایک مومن کے قلبی واروات کی سچی اور مکمل تصویر کشی اور ایمانی جذبات صادقہ کی بالکل صحیح عکاسی ہے! چنانچہ جج کے تمام افعال و اعمال پر اگر گہری نظر ڈالی جائے، تو ہر ہر عمل میں ایک خونِ عشق اور ایک قسم کی سرستی اور بے خودی کا منظر نظر آتا ہے۔

ذرا غور تو کیجیے کہ احرام کے وقت سے جج ختم ہونے تک بغیر سلاہوا ایک تہ بند اور ایک چادر کے سوا دوسرا کوئی لباس نہیں پہن سکتے۔ ہر وقت سر کھلا ہوا۔ اور ننگے سر رہنا ضروری ہے، نہ ججامت بنوا سکتے ہیں۔ نہ ناخن کاٹ سکتے ہیں۔ نہ خوشبو لگا سکتے ہیں۔ نہ موزہ پہن سکتے ہیں اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے۔ چیخ چیخ کر اور چلا کر ”لبیک لبیک کانوہ لگاتے پھرنا دیکھ لیجئے جو ہوش میں رہتا ہے وہ تو قسم قسم کی تراش تراش کے کپڑے اور بہترین لباس پہنا کرتا ہے۔ کرتا پانچامہ، شیردانی، کوٹ تو خیر اولٹرفیشن والوں کی پرانی تہذیب ہے اب تو بوٹشرٹ چلا ہے۔ اور تیلون تو ایسی نکلی ہے کہ سمجھ ہی میں نہیں آتا کہ یہ سلا کر پہنتے ہیں۔ یا پہن کر سلاتے ہیں۔ بہر کیف ہوش و خرد والے عموماً بغیر سلاہوا کپڑا نہیں پہنا کرتے۔ مستانوں ہی کی یہ نشان ہوتی ہے کہ وہ بلا سلاہوا کپڑا اپنے بدن سے پیٹے ننگے سر بھاگے بھاگے پھرتے ہیں۔ نہ کھال کی فکر، نہ بال کی پروا۔

پھر کعبہ کا طواف، چکر پر چکر لگانا، صفا و سروہ کی سعی، یہ چلت پھرت، یہ دوڑ بھاگ کبھی دھیرے دھیرے چلنا۔ کبھی دوڑنا۔ کبھی رمل کرنا یعنی سینہ تان کر شانہ ہلاتے ہوئے اکڑ اکڑ کر چلنا۔ کبھی حجر اسود کو چوم لینا، کبھی قنزم سے چپٹ کر رونا۔ کبھی کعبہ مقدسہ کی چوکھٹ پکڑ کر آہ دہکا اور گریہ و زاری کرنا۔ کبھی چاہ زمزم پر کھڑے کھڑے بھر بھر پیٹ پانی پینا، کبھی عرفات کے میدان میں کبھی مزدلفہ کے صحرائیں، کبھی منیٰ کی وادی میں پڑے رہنا۔ کبھی حجرہ کو کنکری مارنا۔ بتائیے یہ سب ادائیں، اور یہ سارے اعمال و افعال کیا ہیں؟ اور کیسے ہیں؟ یہ سب سر درِ عشق کے مستانوں اور شمع توحید کے پروانوں ہی کے رنگ و ڈھنگ تو ہیں۔ یہ سب خدا کے عشق و محبت اور والہانہ شوق و ذوق کی مار تھگی اور ریوانگی ہی کے تو آثار ہیں۔ پھر میدانِ عرفات میں ظہر کے وقت میں عصر پڑھنا، اور مزدلفہ میں عشاء کے وقت میں مغرب پڑھنا۔ پھر منیٰ

میں قربانی کر کے خون بہانا یہ بے وقت کی نمازیں، یہ خون بہانا، پھر چٹ پٹ جامت بنوا کر اور سسے ہوئے لباس پہن کر معنی سے مکہ جانا، اور طواف کرنے لگنا یہ سب ان ہی لوگوں کے کارناموں کی جھلکیاں تو ہیں جو کسی کے عشق میں شراب کیف و سرور سے مدہوش ہو کر عقل و ہوش کی دنیا سے نکل چکے ہوں اور کسی کے حسن و جمال کے متوالے ہو کر اس کی محبت میں دیوانے ہو چکے ہوں۔ غرض حج کے تمام اعمال میں ایسے ہی مناظر کی تجلیاں ہیں۔ جیسے کوئی عاشق اپنے ہوش و خرد کی دنیا سے بنیاد ہو کر جنون عشق کے میدان میں پہنچ گیا ہو۔ اور اپنے محبوب کی یاد میں ننگے سر، بال الجھے، بے چین دبے قرار، ایک جگہ سے دوسری جگہ چھینٹا چلاتا، دوڑتا بھاگتا پھرتا ہو۔ اور طرح طرح کے ایسے اعمال و افعال کرتا پھرتا ہو جو ہوش و خرد کے عالم میں رہنے والے نہیں کیا کرتے!

حضرات گرامی! ایسی مطلب ہے اس مصرع کا کہ ”یہ مکہ ہے یہاں دیوانگی بھی حین ایمان“ مگر یہی حاجی جب روضہ منورہ کی زیارت کے ارادے سے، یہ منورہ روانہ ہوتا ہے تو اب بلا سلاہوا لباس پہن کر ننگے سر نہیں چلتا نہ چیخ چیخ کر اور چلا پلا کر کوئی نعرہ مارتا ہے بلکہ سسے ہوئے صاف و شفاف کپڑے پہنتے۔ خوشبو میں بسے۔ پورے سکون و اطمینان اور باوقار رفتار کے ساتھ درود و سلام کا ورد و وظیفہ پڑھتے ہوئے باادب باقرینہ دیارِ مدینہ کی مقدس سرزمین پر قدم رکھتا ہے۔ اور گنبدِ خضریٰ کا دیدار ہوتے ہی اگرچہ جوشِ اشتیاق اور جذبہ عشق میں ہر نائراں قدر بے قرار ہو جاتا ہے کہ اس کا دامن سبتر تار تار ہوجاتا ہے۔ مگر سینے میں چھپا ہوا مفتی یعنی عظمتِ رسول سے بھرا ہوا دل فوراً یہ فوری دے کر ہوشیار اور خبر کر دیتا ہے کہ

پیشِ نظر وہ نو بہار، سجدے کو سر ہے بے قرار

روکے سر کو روکے۔ ہاں یہی امتحان ہے

یہاں کہ کس کی کوئی جینٹ نکلا جائے۔ دل میں بھرے ہوئے محبت کے جذبات آنسوؤں کا سیلاب بن کر آنکھوں سے اُسٹ پڑتے ہیں۔ بے انتہا رنگا ہیں نیچی، بلکہ آنکھیں بند ہو جاتی ہیں۔ اور گرم گرم آنسوؤں کی دھار رخسار پر بہنے لگتی ہے۔ جوشِ گریہ سے

اٹکبار ہو کر انکھیں زار زار روتی ہیں۔ مگر کمال ادب و احترام سے زبان پر سکوت و خاموشی کا ایسا قفل لگا ہوتا ہے کہ نہ مد آہ، نہ نکلتی ہے، نہ ”اوہ“ نہ ”ہائے“ نہ ”ہو“ بس خاموش چُپ چاپ کھڑے ہیں۔

لب واپیں، آنکھیں بند ہیں۔ پھیلی ہیں جھولیاں

کتنے مزے کی بھیک ترے پاک در کی ہے

غرض گنبد خضراء کا نظارہ ہو، یا سنہری جالیوں کا مواجہہ، رحمت عالم کا مصلیٰ ہو، یا منبر۔
محراب نبوی ہو، یا قبر انور۔ ستون مسجد ہوں یا سنگ در۔ بھرائی ہوئی اور دکھ بھری آواز میں
صلوٰۃ و سلام کے مدھم مدھم کے سوا کوئی صدا نہیں۔ ہر جگہ ہر مقام پر لَا تَوْفَعُوْا اَصْحٰوَا تَكُوْ
فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ کا تازیانہ ادب ہر وقت ہوشیار کرتا رہتا ہے کہ خبردار! یہ وہ مقام
ہے کہ

ادب گاہمیسست زیر آسماں از مرث نازک تر

نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا

یعنی آسمان کے نیچے یہ ایک ایسا ادب کا مقام ہے جو عرش سے زیادہ نازک
ہے۔ ماوشما تو کس شمار و قطار میں ہیں؟ یہ وہ با عظمت دربار ہے کہ جنید بغدادی اور بایزید
بسطامی جیسے اولیاء کبار بھی جب اس جگہ پر حاضر ہوتے ہیں تو زور زور سے بولنا تو درکنار
یہاں زور سے سانس بھی نہیں لیتے۔ کہ یہاں زور زور سے سانس لینا بھی بے ادبی ہے

حضرات! مولانا آسی علیہ الرحمہ کا شعر آپ سُن چکے کہ

اے پائے نظر ہوش میں آ کوئے نبی ہے

آنکھوں سے بھی چلنا تو یہاں بے ادبی ہے

ہر کیف جب آپ مکہ اور مدینہ دونوں جگہوں کی حاضری کے مناظر ایک حد تک
ذہن نشین کر چکے۔ تو اب دونوں جگہوں کے اعمال و انعال اور کوائف و احوال کو نظر میں رکھتے
ہوئے اس شعر کو پڑھنے کا لطف اٹھائیے کہ

یہ مکہ ہے یہاں دیوانگی بھی حسن ایماں ہے مگر طیبہ و امن ہوش کا چھوٹا تو سب چھوٹا

دیکھ لیجیے مکہ مکرمہ میں حج کا ہر ہر عمل یہ بتاتا ہے کہ حاجی عشق الہی کی سرستی میں دیدارِ خداوندی کے لیے دیوانہ بنا ہوا ہے۔ اور یہاں وارفتگی اور دیوانگی کی یہ ادائیں خدا کو پسند ہیں۔ اس لیے یہ ایمان کا حسن و جمال، اور سلام کے حسین و جمیل چہرے کا پوڑ ہیں اور مدینۃ الرسول خدا کے محبوب کا دربار ہے۔ اس لیے خدا کا حکم ہے کہ میرے محبوب کے دربار میں ہرگز ہرگز کوئی دیوانگی کا مظاہرہ نہ کرے۔ بلکہ یہاں سراپا ہوشیار ہو کر حاضری دے۔ یہاں یہی ایمان کا حسن ہے! اللہ اکبر! مسلمانو! خدا کی شان ہے کہ اپنے دربار میں اس کو اپنے بندوں کی دیوانگی پسند ہے۔ اور اپنے محبوب کے دربار میں اپنے بندوں کا ہوشیار و با وقار، اور با ادب رہنا محبوب ہے۔ سبحان اللہ! کُلُّ یَوْمٍ هُوَ فِی شَأْنِ ہر دن اس کی ایک نرالی شان ہے اور بندہ اس کی ہر شان پر جی جان سے قربان ہے!

یہ کیف میں یہ عرض کر رہا تھا کہ مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ کی دونوں ماضریوں کے آداب جُدا جُدا ہیں۔ مکہ کے حرم خداوندی اور دربارِ الہی میں ہر دم ہر قدم پر وہبدم عاشقانہ جوش و خروش مستانہ رفقا و روش، ہر سانس میں ایک سرور و مستی، ہر بات میں ایک وجد و اضطراب، ہر ورد اور ہر دعا میں ایک نعرہ مستانہ، کبھی لبیک کی چیخ و پکار، کبھی تکبیر و تہلیل کا شور، کبھی طواف کعبہ کے وقت تسبیحات اور دعاؤں کا ہنگامہ۔ اور مدینہ منورہ کے حرم نبوی میں قدم قدم پر سکون و وقار کا اظہار، ہر حرکت و سکون میں تواضع اور انکسار، سرورِ عشق کا سکون و اطمینان اکرام و احترام کی با ادب نیاز مندیاں، تعظیم و تکریم کی مودبانہ ادائیں، درود و سلام کی نرم نرم مگر درد بھری صدا میں ان دونوں مقاموں کی کیفیات کا نقشہ کھینچتے ہوئے زائرِ حرم حمیدِ صدیقی نے اپنے ایک شعر میں کیا خوب کہا ہے کہ

وال بس اک ہنگامہ تکبیر و تہلیل و طواف
یاں سرورِ عشق میں ہر شخص سرور آستیں!

اسی طرح اعلیٰ حضرت حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں صاحب بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے دونوں جگہوں کی کیفیات کو اشعار کے قالب میں ڈھالتے ہوئے جو تصویر کشی اور منظر نگاری فرمائی ہے۔ وہ پڑھنے، دیکھنے اور سننے کے قابل ہے۔ چند اشعار سنئے۔ عاشقانہ جذبات

کے ساتھ سنتے رہیے اور وجد و تواجید کے کیف و سرور سے سرور سنتے رہیے!

پہلے ایک مرتبہ درود شریف پڑھ لیجیے پھر اشعار سنئیے!

اللہم صل علی سیدنا محمد وعلی ال سیدنا محمد وبارک وسلم
 حاجو! اوشہ منشاہ کا روضہ دیکھو
 کعبہ تو دیکھ چکے، کعبہ کا کعبہ دیکھو
 رکن شامی سے مٹی وحشت شام غربت
 اب مدینہ کو چلو۔ صبح دل آرا دیکھو
 آب زمزم تو پیا۔ غرب بجائیں پیاسیں
 آؤ جو دیشہ کوثر کا بھی دریا دیکھو
 زیرِ میزاب ملے خوب کرم کے چھینٹے
 ابر رحمت کا یہاں روز برسنا دیکھو
 دھوم دیکھی ہے در کعبہ پہ بیتابوں کی
 ان کے مشتاقوں میں حسرت کا ترپنا دیکھو
 خوب آنکھوں سے لگایا ہے غلاط کعبہ
 قصر محبوب کے پردے کا بھی جلوہ دیکھو
 زینت کعبہ میں تھا، لاکھ عروسوں کا بناؤ
 وہاں ملیعوں کا جگر خوف سے پانی پایا
 بے نیازی سے وہاں کا پتی پائی طاعت
 دھوچکا ظلمتِ دل بوسہ تنگ اسود
 کر چکی رفعت کعبہ پہ نظر پروازیں
 غور سے سن تو رخصنا کعبہ سے آتی ہے صدا
 میری آنکھوں سے مرے پیارے کا روضہ دیکھو

حضرت گرامی! میں نے شروع ہی میں یہ عرض کر دیا تھا کہ میں اس اجلاس میں مدح و زیارت
 کے مسائل نہیں بیان کروں گا۔ بلکہ حرمین شریفین کے صرف چند آداب آپ کے سامنے عرض
 کروں گا۔ کیونکہ ادب ہی درحقیقت ان دونوں سفروں کے مقاصد کی جان ہے۔ مثل مشہور
 ہے کہ ”دوباد ادب بالفیض بے ادب بے نصیب“ یعنی ادب کرنے والا انسان ہی نصیب ور، اور
 خوش قسمت ہوتا ہے۔ اور جو انسان بے ادب ہوتا ہے وہ ہمیشہ بے نصیب اور بد قسمت
 ہی رہتا ہے۔

مسلمانو! ہم اور تم تو کس گنتی اور کس شمار میں ہیں۔ حضرت مولانا روم جن کے علم و فضل

اور بزرگی کی تمام عالم میں دھوم مچی ہوئی ہے۔ وہ اپنی خاص مناجات میں خالق کائنات سے جس بات کی دعا مانگتے ہیں۔ وہ یہی ادب ہے۔ چنانچہ ان کی مناجات کا مشورہ ہے کہ

از خدا خواہیم توفیق ادب !

بے ادب محروم گشت از فضل رب

یعنی ہم خدا سے ادب کی توفیق مانگتے ہیں۔ کیونکہ جو بے ادب ہوتا ہے وہ ہمیشہ خدا کے فضل سے محروم ہی رہتا ہے۔ اور جو بد نصیب خدا کے فضل سے محروم ہو گیا۔ ظاہر ہے کہ وہ دنیا و آخرت کی تمام بھلائیوں سے محروم ہو گیا۔

اس لیے حرمین شریفین کا سفر کرنے والے کے لیے لازم ہے کہ وہ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ بلکہ پورے دیار کا ادب و احترام ملحوظ رکھے۔ اور ہر دم ہر قدم پر وصیان رکھے کہ یہاں کافرہ ذرہ اللہ اور اس کے رسول سے ایک خاص بلکہ خاص الخاص نسبت و تعلق رکھتا ہے یہاں کی زمین کاچہ چہ نعین پاک مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی سر بلندیوں سے سرفراز ہو چکا ہے اور یہاں کے ہر خشک و تر پر رحمت عالم کی نظر کیما اثر پڑ چکی ہے۔ یہ دونوں شہر مہبط انوار الہی انہی دونوں شہروں میں قرآن کا نزول ہوا۔ اور جبریل امین اس سر زمین پر ہزاروں بار سورۃ الممتحیٰ سے اترے یہاں روزانہ ستر ہزار فرشتے صبح کو، اور ستر ہزار شام کو اترتے ہیں۔ مکہ مکرمہ میں کعبۃ اللہ اور مدینہ منورہ میں روضۃ رسول اللہ ہے۔ اس لیے لازم ہے کہ یہاں کے دیوار و در، شجر و حجر، خشک و تر، کنکر۔ پتھر۔ جاندار و بے جان انسان و حیوان، مکان و دکان باغ و میدان غرض ہر چیز کا ادب و احترام، اور اعزاز و اکرام کرتا ہے۔ مسلمانو! یہاں تک مسئلہ ہے کہ مکہ مکرمہ کے کسی ہرے درخت، یا ہری گھاس کو کاٹنا حرام ہے۔ اگر کوئی جانور خواہ شہری ہو یا جنگلی اگر کسی درخت کے سائے میں بیٹھا ہو۔ تو اس کو وہاں سے اٹھا کر خود اس سائے میں بیٹھنا حرام ہے۔

اللہ اکبر! جب وہاں کے درختوں، گھاسوں، اور جانوروں کو بھی ذرہ برابر ایذا دینا حرام ہے۔ تو پھر وہاں کے صاحب ایمان باشندوں کو جو اللہ اور اس کے رسول کے گھروں کے پڑوسی ہیں۔ بھلا کسی طرح کی کوئی تکلیف دینا کس طرح جائز ہو سکتا ہے ؟

یاد رکھیے کہ ذرا سی باتوں پر جو لوگ معلموں کو برا بھلا کہنے لگتے ہیں۔ یاد ہاں کے قلیوں
 حمالوں، اور سائلوں کو ڈانٹ ڈپٹ کر جھڑک دیتے ہیں۔ بلکہ دھکادے کر، اور برا بھلا کہہ کر
 دھتکار بھٹکار دیتے ہیں۔ درحقیقت وہ لوگ حرمین شریفین کا ادب نہیں جانتے۔ اور
 کعبہ مقدسہ اور روضہ منورہ کا اکرام و احترام نہیں کرتے۔ ان لوگوں کے بارے میں بہت
 بڑا خطرہ ہے کہ ان کی ان بے ادبیوں کی نحوست سے کہیں ان کے حج و زیارت کا ثواب
 ہی غارت و برباد نہ ہو جائے۔

حج میں انبیاء اور فرشتے | حضرات! مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں ایک بات کا خاص طور پر
 ہر جگہ ہر مقام، ہر منزل، ہر کوچہ و بازار بلکہ پورے دیار میں یہ
 خیال اور لحاظ رکھنا ضروری ہے کہ حج کے مجمع میں ہزاروں علماء و صالحین اور اولیاء کا طین
 مجاذیب و صالحین، بلکہ غوث و قطب، اور ابدال و افراد، یہاں تک کہ حضرات انبیاء کرام
 میں سے حضرت خضر و حضرت الیاس علیہما السلام بھی ہر سال موجود رہتے ہیں، پھر ہزاروں
 فرشتے بھی مختلف انسانوں کی صورتوں اور شکلوں میں اس مجمع کے اندر آسمانوں سے اتر
 پڑتے ہیں۔ اور بڑی مشکل یہ ہے کہ ہمارے تمہارے پاس ان بزرگوں کو پہچاننے والی
 نظر نہیں ہے۔ اس لیے خیریت اسی میں ہے کہ ہر وقت ہر گھڑی ہوشیار اور خبردار رہنا چاہیے
 خدا جانے تمہارے سامنے آنے والا انسان کون ہے؟ اور کس حال میں ہے؟ ممکن ہے
 کہ حمال اور سائل کوئی فرشتہ ہو جو تمہارا امتحان لینے کے لیے تم سے کچھ سخت کلامی
 کر رہا ہو۔ اس لیے حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمۃ کی اس نصیحت پر عمل کرنے میں
 بھلائی ہے کہ

ہر بیشہ گماں میر کہ خالی است
 شاید کہ پنگ خفتہ باشد

یعنی ہر جھاڑی کے بارے میں یہ گمان نہ رکھو کہ خالی ہی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ کسی
 جھاڑی میں کوئی چیتا سو رہا ہو۔ مطلب یہ ہے کہ ہر انسان کے بارے میں یہ خیال نہ
 کرو کہ کوئی بدھو یا چھیدی بقر عیدی ہی ہوگا۔ ممکن ہے کہ وہ کوئی باکمال عالم یا صاحب کرامت

دلی یا بزرگ فرشتہ ہو۔ ہر کیف خلاصہ یہ ہے کہ کسی کی کوئی بے ادبی نہ ہوتے پائے راسلے
کہ حرمین شریفین سے جن جن چیزوں کو کوئی ادنیٰ تعلق بھی ہو تو وہ بھی قابلِ احترام اور لائقِ
تعظیم ہیں۔

امام مالک کا ادب | مسلمانو! مدینہ منورہ کا ادب و احترام تو حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ
سے پوچھو۔ آپ تمام عمر مدینہ منورہ میں رہے مگر بیماری یا مجبوری
کے علاوہ کبھی شہر میں بول و براز نہیں کیا۔ بہت سے ترکی گھوڑے بادشاہ نے آپ کی
سواری کے لیے نذر کیے تھے جو آپ کے دروازے پر بندھے رہتے تھے مگر آپ
شہر مدینہ کے اندر کبھی کسی گھوڑے پر سوار نہیں ہوئے۔ ہمیشہ شہر کے اندر پیادہ پا چلتے
جب لوگ سواری پر سوار ہونے کے لیے اصرار کرتے تو آپ سختی سے انکار کر دیتے۔
اور فرماتے تھے کہ اے لوگو! مجھے بڑی شرم آتی ہے کہ جس مقدس شہر کے چتے چتے پر
حضرت اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم ناز پڑے ہوں میں اس شہر کی مبارک زمین کو
اپنی سواری کے جانوروں کے پاؤں سے روندنا ہوا چلوں۔ آپ شہر کی پرانی دیواروں کو
چوم لیا کرتے تھے کہ شاید ان پر حضور رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کا دست مبارک لگا ہو
اللہ اکبر! کیا خوب فرمایا کسی عاشق رسول نے۔

بزمینے کن نشان کف پائے تو بود!

ساہا مسجد ملک صاحب نظراں خواہ بود

یعنی یا رسول اللہ! جس زمین میں کہ آپ کے پائے اقدس کا نشان پڑا ہوگا۔
برہمابریس تک صاحب نظر اور چشم بصیرت وائے اُس زمین پر اپنا سر رکھ کر خدا کا سجدہ کرتے
رہیں گے۔ سبحان اللہ! ہ

یہ نہیں کہ خلد نہ ہونکو، وہ نکوئی کی بھی ہے آبرو!!

مگر اسے مدینہ کی آرزو! جسے چاہے تو وہ سماں نہیں

برادرانِ ملت! میری دعا ہے کہ ارحم الراحمین ہر مسلمان کو حج و زیارت کی دولت
نصیب فرمائے۔ اور سب کو حرمین شریفین کے ادب و احترام، اور ان دونوں شہروں

سے نسبت و تعلق رکھنے والی ہر ہر چیز کے اعزاز و اکرام کی توفیق عطا فرمائے (آمین) بھان اللہ
کیا غرب فرمایا جناب احقر نے

آرزو ہے روضہ اطہر کا منظر دیکھتے صبح انوار دیکھتے، شامِ مُعَبَّر دیکھتے
جالیوں کو تھام کر بادیدہ تر دیکھتے کوندقی برقی تجلی کا وہ منظر دیکھتے
ہم ریاضِ جنت الفردوس میں پڑھتے نماز پھر بہت نزدیک سے حضرت کا منبر دیکھتے
سرزمینِ طیبہ و بلحا کی کرتے سیر، ہم اور حکایاتِ جنون شوق پڑھ کر دیکھتے
سایہِ مینابِ رحمت میں دعا کرتے ہوئے اپنی چشمِ غم سے اپنا دیدہ تر دیکھتے

آپ زمزم سے وضو کرتے نہاتے بار بار
پھر گناہوں سے مطہر جسم احقر دیکھتے

حضراتِ گرامی!

واللہ! اس میں شک نہیں کہ حرمِ الہی مکہ مکرمہ اور حرمِ نبوی مدینہ منورہ کی
ماضی فداوندِ کریم کی بے شمار نعمتوں میں سے ایک بہت بڑی نعمت ہے اور
اس نعمتِ عظمیٰ سے وہی سرفراز ہوتے ہیں جو بہت ہی خوش نصیب ہیں!

برکیف اب دعا کے لیے ہاتھ اٹھائیے۔ میں دعا مانگتا ہوں اور آپ اخلاص
قلب کے ساتھ ”آمین“ کہیے!



کتابخانہ محمد ہارون موٹی

دُعَاء

یا الہی! ہر جگہ تیری عطا کا ساتھ ہو
 یا الہی! بھول جاؤں نزع کی تکلیف کو
 یا الہی! گور تیرہ کی جب آئے سخت رات
 یا الہی! جب زبانیں باہر آئیں پیاس سے
 یا الہی! حشر کی گرمی سے جب بھڑکیں بدن
 یا الہی! نامہ اعمال جب کھٹکنے لگیں
 یا الہی! جب سبیں آنکھیں حسابِ جرم سے
 یا الہی! جب چلوں تاریک راہِ پل صراط
 یا الہی! جب سرِ شمشیر پر چلنا پڑے
 یا الہی! جو دعائے نیک میں تجھ سے کروں
 جب پڑے شکلِ شہہ شکل کشا کا ساتھ ہو
 شادی دیدارِ حسنِ مصطفیٰ کا ساتھ ہو
 اُن کے پیار سے منہ کی صبح جانفزا کا ساتھ ہو
 ساتی کوثرِ شہہ جو دو عطا کا ساتھ ہو
 دامنِ محبوب کی ٹھنڈی ہوا کا ساتھ ہو
 عیب پوش خلق ستارِ خطا کا ساتھ ہو
 اُن تبسمِ ریزہ ہونٹوں کی دُعا کا ساتھ ہو
 آفتابِ ہاشمی نورِ الہی کا ساتھ ہو
 رَبِّ سَلِّمْ کمنے والے مصطفیٰ کا ساتھ ہو
 قدسیوں کے لب سے آمینِ رَبَّنَا کا ساتھ ہو

یا الہی! جب رضا خوابِ گراں سے سراٹھائے

دولتِ بیدارِ عشقِ مصطفیٰ کا ساتھ ہو

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد و آلہ وصحبہ

اجمعین برحمتہ و هو ارحم الراحمین۔



مِنْهَا مِنْ نَسْلٍ مِنْكُمْ ذُرِّيَّةٌ مِمَّنْ لَبِثَ فِي الْكُفْرِ مِنْكُمْ وَلَهُمْ فِيهَا عَذَابٌ عَظِيمٌ
بنتیں خبیثوں کو سونے کے کنگن اور موتیوں کے زیور پہنائے جائیں گے۔

حدیثی زیور

اسلامی مسائل و حصائل کا خزانہ

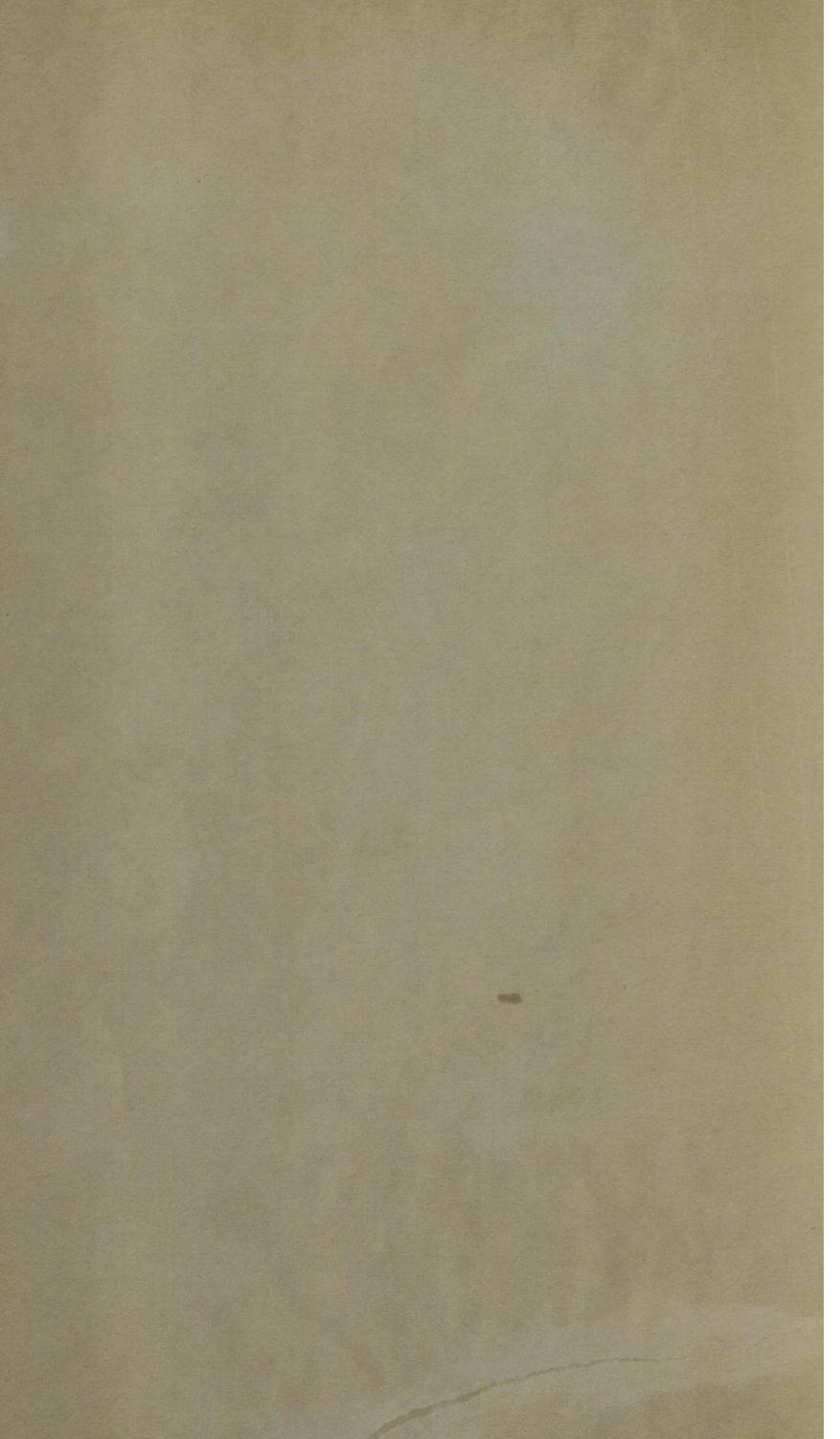
تالیف

حضرت شیخ الحدیث

علامہ عبدالمصطفیٰ اعظمی مَجْدِی عَدْلُہ



رومی پبلیکیشنز اینڈ پرنٹرز لاہور (پاکستان)



الحمد لله تعالیٰ

کہ فرید بک سٹال لاہور اشاعت و طباعت کے عظیم تر توسیعی پروگرام
کے تحت انشاء اللہ برصغیر کے نامور عالم دین اور عظیم سنی مفکر شیخ الحدیث حضرت
علامہ مولانا عبدالمصطفیٰ اعظمی صاحب کے رشتہات فکر کو زیور طبع سے آراستہ
کر رہا ہے۔ انشاء اللہ حضرت علامہ مدظلہ العالی کی جملہ تصنیفات بہت جلد منصفہ و
پر آجائیں گی۔

کارکنان فرید بک سٹال لاہور رب ذوالجلال کے بے پایاں فضل و
کرم کیلئے سراپا سپاس گزار ہیں کہ اُس نے انہیں اکابر اہلسنت کی تصنیفات و
تالیفات کو شائع کرنیکی توفیق بخشی، الحمد للہ علی ذالک اس سلسلہ میں خلیل
ملت حضرت مولانا مفتی محمد خلیل خاں برکاتی صاحب قدس سرہ اور سلطان ^{اعظم} لوائے
حضرت مولانا محمد بشیر صاحب مدظلہ کو ملی ہو ہاں کی تصنیفات نیز تراجم صحاح ستہ از علامہ مولانا عبدالحکیم
خانصاحب اختر شاہ بھانپوری مدظلہ اور حضرت مولانا محمد صدیق ہزاروی صاحب مدظلہ
شائع ہو چکے ہیں علاوہ ازیں بیسیوں کتب مشتمل بر تفسیر، حدیث، تاریخ، تصوف، فقہ
سیرت اور دیگر موضوعات پر شائع ہو چکی ہیں اور بیسیوں اپنی تکمیل کے آخری مراحل میں
یہ سب کچھ اللہ کے فضل و کرم اور حبیبِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا فیضانِ نظر ہے
کہاں ہیں اور کہاں نکلتا گل نیم صبح تیری مہربانی

فرید بک سٹال ۴۰ اردو بازار لاہور